

اسلام اور جاہدگری



مصنف کی دیگر تصانیف

مسلمانوں کے تہذیبی کارنامے (انٹائی کتاب)

دینِ ساحری

ترقی پسند ادب کا مسئلہ

سرکشی رو عین

نامور جاسوس عورتیں

لمبی عمر اور تندستی

روس میں اسلام کا خطرہ

رام پیاری (زیر اشاعت)

بچوں کا ادب

نور پور کی لہتی (ناول)

بھڑورے خاں اور بیٹریا

ککڑ ہارا اور چور (انٹائی کتاب)

فرعون کا خزانہ

لوہے کا آدمی

بچوں کی آلف لیبلہ (زیر اشاعت)

بہ سلسلہ

اسلام سے قبل کے ادیان

اسلام اور جادو و کفری

رحمان مذب

مقبول ایڈیٹری شامراہ قائد اعظم لائبریری



۱۹۹۰ء

جملہ حقوق محفوظ ہیں

مقبول ایڈمی

۱۰ دیال سنگھ نیشن شاہراہ قائد اعظم لاہور

پرنٹرز، معراج پریس لاہور

Rs. 100.00

انتساب

شاعر، سکالر اور سدا بہار دوست

افضل پرویز

کے

نام



فرعون رع موسیٰ سوم سب سے بڑی دیوی آئی بس کو ہاتھ سے پکڑ کر
 لے جا رہا ہے۔ یہ تصویر فرعون کے بیٹے عمون خیف ایشیف کے مقبرے
 میں ہے۔

ترتیب

۱۱	پیش لفظ،
	پہلا حصہ
۱۷	اسلام اور دینِ ساجری
۲۵	جادو کیا ہے،
۵۳	دنیا کا پہلا جادوگر،
۶۵	دنیا سے طلسم،
۷۵	قبل تہذیب کے حیوانی معبود،
۸۷	ہندسوں کی جادوگری،
۹۹	جادوگری کے شعبے،
۱۰۸	معدوم تہذیبی قدر،
۱۱۹	جادو، طلسم اور قدیم ادبام،
۱۳۰	فرعون کی لاش،
	دوسرا حصہ
۱۴۷	دیومالا کا مطالعہ کیوں،
۱۵۱	اسلام اور دیومالا،
۱۷۷	یونان کا عہدِ جاہلیت اور دیومالا کا ارتقاء۔

پیش لفظ

سحر و طلسم کو سمجھنے اور سمجھانے میں علمائے بشریات اور ماہرین آثارِ باریات کو عمریں صرف کرتی پڑیں۔ ہزاروں سال پرانی دستاویزیں۔۔۔ پاپیئیرس کے محظوظے، عبادت گاہوں کے نقش و نگار، درودیوار کی علامتی تصاویر، فرش و عرش کی پراسرار تحریریں، لاکھوں اور خشت و سنگ پر کندہ عبارتیں ایسی صاف ستھری اور تازہ ہیں جیسے مصور اور خوشنویس ابھی ابھی اپنے اپنے قلمدان، قلم اور مو قلم سنبھال کر کارگاہ سے رخصت ہوئے ہوں لیکن جب عہدِ حاضرہ ہیں انہیں پڑھنے والے آتے تو ان پر پڑے ہوئے بوجھل پردے دیکھ کر ان کے اُداسان خطا ہو گئے۔ ایک نیکر ایک تصویر، لفظ کا ایک شوشہ بھی تو سمجھ میں نہ آیا۔

کیسی عجیب بات ہے جو زبانیں صدیوں دنیا میں رائج رہیں، عظیم القدر علوم و فنون تہذیبوں اور ثقافتوں کی امین رہیں، اپنے پیچھے ان مرط نقوش چھوڑ گئیں، یوں غائب ہوئیں کہ انہیں ایک بھی بولنے والا نہ رہا۔ ہائر و گلیفکس اور خشتی مینی خط کو جاتے پہچانتے والا کوئی نہ تھا پھر یہ زبانیں اور ان کی پراسرار تحریریں کیسے پڑھی اور سمجھی گئیں؟ ان کی ایک الگ کہانی ہے۔ بس یوں سمجھئے کہ برسوں کچھ دیوانے رات دن آنکھیں پھوڑتے رہے۔ انہوں نے رتجگوں پر رتجگے کٹے۔۔۔ کام ہی کام، ہر لحظہ ہمت شکنی، بے چارے پاگل ہو ہو گئے لیکن پھر بھی اپنے مشن سے دستبردار نہ ہوئے ان کے اندر ذوق و شوق کی جواں مٹھی جلتی ہی رہی۔ انتہائی لگن سے ناقابل فہم حروف و نقوش کو پڑھنے کے لئے دیدہ ریزی کرتے رہے، سوچنے رہے، آخر خدا خدا کر کے مشکل آسان ہوئی۔

تفوش مکرانے لگے، لفظ لولنے لگے۔ سب کچھ قابلِ فہم ہو گیا اور پھر ایسا مرحلہ آیا کہ مقایم و مطالب کے سلسلے میں یہ سر پھرے باہم بحث و مباحثہ بھی کرنے لگے۔

ایسے ہی چند ویولانے آج کل ہڑپہ اور منیچو ڈرو کے کھنڈروں میں بکھری ہوئی تہذیب کی گمشدہ زبان کو سمجھنے کے لئے سرکھپا رہے ہیں۔

تحقیق و تفتیش کے سلسلے میں گڑے مردے بھی اکھاڑے گئے، محاورتا نہیں، پرمج، اتنا ہی نہیں بلکہ مردوں میں جان ڈالی گئی، انہیں زبان دی گئی اور پھر ان سے ہزاروں سال پرانے تہذیبی و ثقافتی مخفی راز اگلواتے گئے۔ روزمرہ کی باتیں معلوم کی گئیں۔

اس طویل کاوش کا ثمر... ہزاروں مردے جو اکھاڑے گئے آج وہ حنوط شدہ لاشوں کی صورت میں دنیا کے بڑے بڑے عجائب خانوں کا بے بہا اثاثہ ہیں۔ اگرچہ انتہائی اہم مخفی صورتیں پر دے پھاڑ کر سامنے آگئی ہیں تاہم کام ابھی تمام نہیں ہوا۔

ایک ایک مردے نے معلومات کے ڈھیر لگا دیے ہیں۔ اسکے سامنے زندہ لوگ گنگ ہو گئے ہیں۔ اہرام کے تاریک نہ خانوں سے علم کے جو خزانے ملے، ان کی بدولت جو گتھیاں سلجھیں، دینی افکار عیاں ہوئے، علمی و فنی فتوحات ہوئیں ان کی تفصیل ایک نہایت ہی عام لفظ جادو میں سما جاتی ہے۔

مصر، عراق، شام اور ہند تو اس کے گڑھ تھے لیکن دنیا میں کوئی ایسا خطہ نہیں ملے گا جہاں جادو کا سکر والی نہ تھا۔ ایشیا اور افریقہ ہی نہیں جدید آسٹریلیا میں بھی اوائل دور کے ایسے قبائل پائے جاتے ہیں جو ہزاروں سال پرانی کینجلی اتارنے کے لئے تیار نہیں۔

جادو کی تشریح و توضیح کے لئے سوشل اینٹیگر و پولوجی کے جید علماء... بابائے بشریات سر جیمز جارج فریزر، وائس رچ، مس جین ایلن پیری سن، ایڈتھ ہلٹن، گلبرٹ مرے، ویسٹر ہین جیمز ہنری بریٹنڈ، آئی ای ایس ایڈورڈز، جارج بی ویٹر، ڈبلیو بی ایمرے اور دیگر حضرات نے بڑا کام کیا ہے۔ ان کی توجیہات، تصریحات اور انکشافات حیرت خیز بھی ہیں اور نئے بھی، ان کی

ساعی سے نہایت مربوط دینی تاریخ مرتب ہوئی ہے۔ انگریزی میں جادو کا لفظ جس قدر واضح ہے اردو میں اسی قدر اجنبی ہے۔ ہمارے یہاں گنتی کے چند لوگ ملیں گے جنہیں اس سے سچا شگفتہ ہو، حالانکہ ہر دانشور کو بالعموم اور عالم دین نیز مبلغ اسلام کو بالخصوص اس کا زیادہ سے زیادہ مطالعہ کرنا چاہیے۔ یہ مطالعہ نہ صرف لابدی بلکہ نہایت دلچسپ علم و دانش سے بھرپور اور فکر انگیز ہے۔ موشل ایٹھور پولوجی، جادو جس کا ایک شعبہ ہے قطعاً خشک موضوع نہیں۔

اس لفظ کے گورنڈر تہذیبی، ثقافتی اور علمی و فنی سرمایے کے پیش نظر میں اسے دین ساحری کہتا ہوں۔ اس کی عظمتیں کارنامے اور فتوحات حیران کن ہیں۔ صدیوں ناقابل شکست رہا۔ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰ نے مزاحمت تو کی لیکن اس کا ڈنکا بچتا ہی رہا۔ آخر آہ عیسوی میں وہ آفتاب طلوع ہوا۔ جس نے اسے گہنا دیا، اس کے تار و پود بکھیر دیئے۔ اگر محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم احسان نہ فرماتے، حضورؐ کے ذریعے ہمہ گیر معاشرتی، تہذیبی اور ثقافتی انقلاب برپا نہ ہوتا تو مخلوق خدا جادو نگری کی غلام گردشوں میں بھٹکتی پھرتی۔ اس کی توانائی، اثر و نفوذ، وسعت، گہرائی اور اونچائی پاتال سے فلک تک تھی۔ اس کی پھیلی ہوئی مضبوط اور پتھر در پتھر جڑیں اور ٹہنیاں دیکھ کر کسے گمان تھا کہ یہ نسیت دنیا بوی ہو سکتا ہے۔ محمد عربیؐ کی ذات گرامی توانائی کال زوال اور سیراں سرچشمہ تھی۔ آپؐ کی انقلابی تحریک اس قدر مستحکم اور زور دار تھی روشن خیالی اور انسان دوستی کی اقدار سے اس قدر آراستہ تھی کہ اس کے سامنے جادو کا فریب نہ چل سکا۔ اسلام کے پہلے نے اسے بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا۔ محمد عربیؐ کا یہ انقلاب ناقابل یقین ہوتے ہوئے بھی قابل فہم اور حقیقی تھا۔ آپؐ نے نسل انسانی کو جادو کے بندھن سے آزاد کیا۔ دنیا کو نیا حسن و جمال دیا۔ آدمی کو قدر عافیت معلوم ہوئی اسے نئی پہچان ملی، خالق اور مخلوق کا صحیح رشتہ دریافت ہوا۔

میرے نقطہ نظر سے دین ساحری کا جس قدر مطالعہ کیا جائے گا اسی قدر اسلام کی سچائی اور بڑائی کا ادراک ہوگا۔ اس طرح اسلام کی سچائی اور بڑائی کے لئے بڑا عمدہ حوالہ مل جائے گا۔

رحمان مذبذب ، جنوری ۱۹۸۸ء



اسلام اور دینِ ساجری

مذاہبِ عالم میں اسلام ہی ایسا مذہب ہے جس کی روحانی اور اخلاقی وسعتوں میں ہر زمانے کے لوگ اکائی بن کر سما سکتے، انتہائی سکون، فرحت اور خوش اسلوبی سے زندگی گزار سکتے ہیں۔ ہر رنگ، ہر نسل، ہر حیثیت اور ہر خطہٴ ارض کے لوگ کسی وقت اور خوف و خطر کے بغیر اسلام کو اپنانے کے اہل ہیں۔ اسی میں خیریت اور عافیت ہے۔ اسی سے جملہ انواع کے دینی و دنیوی معاملات و مسائل کا بہترین تشفی بخش اور قابلِ قدر حل مل سکتا ہے۔

یہ انتہائی سہل مذہب ہے فرسودہ رسوم و قیود اور توہمات سے آزاد ہے ایسا مذہب ہے کہ کسی پر وہبت، برہمن یا اجارہ دار پیشوا کی مدد یا وساطت کے بغیر ہر کس و ناکس اسے سمجھ سکتا اور اختیار کر سکتا ہے۔ اس پر عمل کر کے اپنی ذات اور اپنے معاشرے کو سنوار سدا سکتا ہے۔ اسلام نہایت مفید جمالیاتی قدر ہے۔ نظریاتی اعتبار سے اس کا مقصد دنیا کو حسین و جمیل بنانا اور ہر انسان کے لئے فلاح و بہبود کو عام کرنا ہے۔ اس کا مخصوص رویہ ہے جس کی رو سے حسین سے حسین شے اگر افادیت سے محروم ہے تو بیکار ہے۔ انسانی فلاح بہر طور لا بدی ہے۔ افادیت حسن کی سچائی ہے

اسلام تمام انفرادی و اجتماعی تعلقے بطریقِ احسن پورے کرتا ہے۔۔۔ بیک وقت امن و سلامتی کا ضامن اور قوت و توانائی کا سرچشمہ ہے۔ اس کی سچائیاں عالمگیر اور لازوال ہیں۔

قرآن زندہ کتاب ہے۔ اس کی صدائمتوں اور اس کے ضابطوں میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ اس کی تعلیمات ہر ایک کے لئے قابلِ عمل ہیں۔ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ۶۳ سال

کی زندگی میں اسے عملاً پیش کیا۔ آپ اگر آیات کریمہ کو عملی زندگی میں نہ ڈھالتے تو لوگ کہہ سکتے تھے کہ قرآن قابل عمل نہیں۔

آپ نے ثابت کر دکھایا کہ اسلام عملی نظریہ ہے، مفروضہ نہیں۔ آپ نہ صرف اپنے عہد کے بے مثال رہبر اور انقلابی پیغمبر تھے بلکہ آپ کی سیادت اور انقلابی قیادت قیامت تک کے لئے ہے۔ آپ ہر دور میں اقوام عالم کو زندگی گزارنے کے لئے سچ کا راستہ دکھاتے رہیں گے۔ آپ نور کی وہ لیکر کھینچ گئے ہیں جو ابد تک نظر آتی اور راستہ دکھاتی رہے گی۔ ہر درد کی دوا اور ہر روگ کی شفاء آپ کے دم سے ہے۔

اسلام سے قبل پوری دنیا میں دینِ ساحری کا دور دورہ تھا۔ رسول اکرم کو اسلام کی تبلیغ و ترویج میں یہی سدراہ ہوا۔ اس وقت عرب میں پر وہتی نظام یعنی موروثی مذہبی اجارہ داری (PRIESTHOOD) اور وڈیرہ شاہی نے سخت خطرناک شکل اختیار کر لی تھی ان کا گٹھ جوڑ سارہ کوج عوام کے خلاف بدترین سازش تھا۔

پر وہتی نظام، دینِ ساحری کی پیداوار تھا۔ جادو گروں — پر وہتوں نے سحر و طلسم کے ایسے تانے بانے بنے تھے کہ ان کے سوا ساری دنیا شکتی میں جکڑی گئی۔ پر وہت یا جادو گر خود تو ہر بلا سے محفوظ رہتا لیکن مخلوق خدا کو ہر بلا میں مبتلا رکھتا، وہ ہوں اور دوسوں کے ہجوم نے آدمی کا گھیراؤ کر لیا۔ پر وہت ہی اس کے اڑے آنا اور اسے آفات سے بچانا۔ خود حکومت کرنا، اہل قبیلہ کو محکوم رکھنا۔

پر وہت ہی سردار قبیلہ ہوتا اور پھر ایک زمانے کے بعد جب تمدن، معاشرت اور سیاست کا میدان بڑھ پھیل گیا۔ فراعنہ ایسے زمین و فطین قزماں رو پیدا ہوئے جنہوں نے سیاسی سوچھ لوجھ اور حربی ہنرمندی سے اقطاعِ ارض پر تسلط جمایا تو جادو گر سکڑا اس نے بوریابستر گول تو نہ کیا تاہم سمیٹ ضرور لیا۔ لیکن سمٹی سکڑی حالت میں بھی وہ کم خطرناک نہ رہا۔ اس نے پر وہتی موروثی نظام بنایا اور اپنا سکڑنوانے کے لئے انواع و اقسام کے ہتھکنڈے اختیار کئے۔ وڈیرہ شاہی سے بار بار کیا اور پھر

حسن تدبیر، چالاکی اور مکاری سے قرعہ کو زیر کر لیا اس نے شاعرانہ تخلیقی صلاحیت سے کام لے کر خوبصورت دیو مالا مرتب کی۔ خداؤں کے خاندان بنائے اور دنیا جہان کے امور و فرائض ان کے سپرد کر دیے اپنے توسط بلکہ حکم سے اپنی نگرانی میں لوگوں کی گردنیں ان کے آگے جھکا دیں۔

چونکہ اسی نے خدا گھڑے تھے اس لئے وہ نہ صرف ان کا راز داں اور داستاں تھا بلکہ ان پر حکم بھی چلاتا تھا۔ اس کے تخلیق کئے ہوئے خدا اس کا حکم مانتے لیکن جب یہ خدا (آندھی، طوفان، گرج چمک، مینہ اور زلزلہ وغیرہ) زور دکھاتے اور تباہی مچاتے تو وہ ان کی خوشامد بھی کرتا، ان سے فریاد بھی کرتا۔

خدا سازی کا عمل ہزاروں سال تک بڑی کامیابی سے جاری رہا۔ قدم قدم پر بت خانے تعمیر کئے گئے۔ خداؤں کی تماہیل۔۔۔ مورتیں اور مورتیاں بنائی جاتے لگیں۔ گھر گھر بھجن گائے جلنے لگے۔ نوبت بایں جا رسید کہ دو ہزار برس قبل مسیح ابراہیم علیہ السلام نے خدائے واحد کی عبادت کے لئے جو کعبہ تیار کیا رفتہ رفتہ وہ بھی جا دو گروں اور پر دہتوں کی عملداری میں آ گیا اور مندر بن گیا۔ اس میں۔۔۔ کالی، چنڈی اور درگا کے مثل، منات، عزیٰ، نوح کے عہد کے یغوث، یعوق اور نسر کی پوجا ہونے لگی۔

محمد بن عبد الوہاب بن سلیمان التیمی، کتاب التوحید میں رقمطراز ہیں۔

”یغوث، یعوق اور نسر قوم نوح کے نیک دل لوگ تھے۔ جب یہ مر گئے

تو شیطان نے اس قوم کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ ان بزرگوں کی نشرت

گاہوں پر یادگا۔ پتھر نصیب کر دینے چاہئیں اور ان پتھروں کو ان کے نام

سے پکارا جانا چاہئے چنانچہ قوم نے شیطان کی یہ بات مان لی۔ ابتدا میں ان

پتھروں کی عبادت نہیں کی گئی لیکن جب پہلی نسل ختم ہو گئی اور بعد میں پیدا

ہونے والی نسلوں کو ان کے بارے میں معلومات نہ رہیں تو انہوں نے ان

پتھروں کی عبادت شروع کر دی۔“

زعیم پرستی (ہیرو و شرپ) قدیم مسلک ہے۔ مصر میں پہلی بار کھیت میں گندم اگانے والے فرعون اوسائی رِس کو اس کی شہادت کے بعد خدا بنا لیا گیا اور پائال کی خدائی اسے سونپ دی گئی۔ مصر کے ریزہ چین اور شاگرد۔ اہل یونان کے جادو گروں نے کتنے ہی زعمیوں کو خدا کا درجہ دیا۔ ہیراکلیز (پہرقل) اس کی مثال ہے۔ ہند کے رام، سیتا، ہنومان اور کرشن وغیرہ بھی اسی زمرے میں آتے ہیں (رام اور ریم کو ایک کہنے والے شاعر اور صلح پسند مصلحین مغل بادشاہ اکبر کے دین الہی کی ضلالت میں گرفتار ہیں۔ وہ بندے اور خالق کے فرق کو نہیں پہچانتے۔ پروہتوں نے بندوں کو خدا بنا لیا اور انہیں پوجنے لگے۔ دین الہی کو ماننے والے بت پرستی اور توحید پرستی میں کوئی امتیاز نہیں رکھتے)

پروہتوں، پادریوں اور ساحروں کے فریب میں آکر "لوگوں نے اللہ کو چھوڑ دیا اور اپنے عالموں، درویشوں اور عیسیٰ ابن مریم کو اپنا خدا مان لیا" (سورہ توبہ) آیت ۱۳۱۔ وہ اہل کتاب جنہیں توحید پرستی کی تعلیم وی گئی تھی، مگر وہ ہو گئے اور انہوں نے نئے نئے خدا گھڑائے... کتاب التوحید ص ۸۹... ان مصنوعی خداؤں کو پوجنے اور ان سے ڈمانگنے لگے اس ضمن میں یہ آیت قرآنی قابل توجہ ہیں۔

"اور اللہ کو چھوڑ کر کسی ایسی ہستی کو نہ پکارو جو تجھے نہ فائدہ پہنچا سکتی ہے نہ نقصان" (سورہ یونس، آیت ۱۰۶)

"کیسے نادان ہیں یہ لوگ کہ ان کو خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں جو کسی چیز کو بھی پیدا نہیں کرتے بلکہ خود پیدا کئے جاتے ہیں جو نہ ان کی مدد کر سکتے ہیں اور نہ اپنی مدد پر قادر ہیں" (سورہ اعراف، آیات ۱۹۱، ۱۹۲)

"اے چھوڑ کر جن دوسروں کو تم پکارتے ہو وہ ایک پرگاہ کے مالک بھی نہیں۔ انہیں پکارو تو وہ تمہاری دعائیں نہیں سن سکتے اور نہ یس تو ان کا تمہیں کوئی جواب نہیں دے سکتے" (سورہ قاطر آیات ۱۳، ۱۴)

پر دہرت اور جادو گر لٹھا بھر کے لئے بھی اپنے مفادات سے غافل اور اختیارات سے دستبردار نہ ہوئے۔ خدائے واحد کے تصور کو خالص نہ رہنے دیا۔ اس میں اپنے بت شامل کر دیئے۔ یہ شرک ان کی مکاری اور ہوشیاری کا ثبوت ہے۔ اللہ کا نام لیا جاتا تو اس کے ساتھ بتوں کو بھی یاد کیا جاتا۔ عرب میں اللہ کا تصور اسلام سے قبل بھی موجود تھا۔ رسول اکرمؐ کے والد گرامی کا نام عبد اللہ تھا۔

رفتہ رفتہ اللہ کو ثانوی حیثیت دے دی گئی۔ دیوی دیوتا مقدم ہو گئے۔

اسلام کی پہلی اور سب سے بڑی جنگ شرک کے خلاف تھی۔ پر وہی نظام کی جکڑ بند بڑی سخت تھی۔ دیوی دیوتاؤں نے لوگوں کے دلوں میں جڑ پکڑ لی تھی۔ اس جڑ کو اکھاڑنا اور صدیوں کی قوت کو لٹکانا آسان نہ تھا۔ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ نے اپنے اپنے زمانے میں اس قوت کو لٹکا رہا لیکن یہ شکست نہ ہوئی۔ ابھرتی ہی چلی گئی۔ عہد جاہلیت میں اس نے کعبہ پر قبضہ کر لیا اور مسجد الحرام کو تیکدہ بنا دیا۔ وہاں تین سو ساٹھ بت بٹھا دیئے۔ کاٹھ اور پتھر کے بوضع بت فن بت گری سے نا آشنا پروہتوں نے گھڑے تھے یا پھر باہر سے منگوائے تھے۔ لوگ ان کے گمراہ تھے۔ کاہنوں کا راج تھا۔

کعبے کے پروہتوں کی طاقت کا پتہ ایک مثال، مکے کے والی عبد المطلب کے بیٹے عبد اللہ (رسول اکرمؐ کے والد) کی زندگی سے ملتا ہے۔

عبد المطلب نے قسم کھائی کہ ان کے یہاں دس لڑکے ہوئے تو ایک کو بتوں پر قربان کر دیں گے۔ چنانچہ مراد پوری ہوئی تو انہوں نے ایک لڑکے کو قربان کرنے کا قصد کیا۔ پر دہرت سے نال نکلوانی تو عبد اللہ کا نام نکلا۔ پھر جب لوگوں کے اصرار پر بیٹے کی جان کے بدلے حیوانی قربانی کاٹے کیا تو از سر نو نال نکلوانی۔ بالآخر سوا دسٹوں کی قربانی کے عوض بیٹے کی خلاصی ہوئی یہ سب پروہتوں کا گورکھ دھندا تھا۔

کعبے کے معمار۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انسانی قربانی موقوف کر کے حیوانی قربانی

راج کی۔ اولادِ آدم پر زبردست احسان کیا۔ لیکن پرودہتی نظام نے انسانی قربانی کی ریت قائم رکھی (انسانی قربانی کی تازہ ترین مثال بھارت کے ایک شہر میں پتی کے مرنے پر اس کی نوخیز پتی کے شوہر کی چتا پر جل مرنے (ستی ہونے) سے تازہ ہوئی ہے۔

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے ہی زبردست، قوی اور مستحکم سحری نظام سے سابقہ پڑا۔ اسلام کسی صورت میں پریسیٹ ہڈا پرودہتی نظام کو گوارا نہیں کرتا۔ آپ کی طویل جدوجہد کا یہی بڑا مقصد تھا کہ شرک کی بیخ کنی کی جائے۔ پرودہتی نظام یعنی مذہبی اجارہ داری کا خاتمہ کیا جائے اور فریب آلود دینِ ساحری کی جگہ لوگوں کو صاف ستھرا اور ترقی پسند مسلک دیا جائے اسلام ایسا نظام تھا جس میں کوئی اجارہ داری نہ تھی، اس پر عمل کرنے کے لئے کسی پرودہتی کسی ساحر کی ضرورت نہ تھی۔ قرآن اور رسول کی سیرت پاک ہر ایک کے لئے قابلِ فہم تھی۔

اسلام سہل ہے، سادہ ہے، رسوم و قیود کے گورکھ دھندوں سے پاک ہے دنیا میں کوئی دوسرا مذہب اتنا ہمہ گیر اور اتنا مفید نہیں۔

ایک معبود ہے، ایک پیشوا ہے باقی سب لوگ اپنے پیشوا کے تابع ہیں۔

اخوت اور مساوات اسلام کی بے بدل اساسی قدریں ہیں۔ دنیا کا ہر مذہب اور ہر فرقہ ان سے متاثر ہوا۔ تمام غیر مسلم مصلحین اور مفکرین نے نسل پرستی کے معتقدات اور فرقہ وارانہ امتیازات کو مسترد کر کے کسی نہ کسی صورت میں اسلام کی ان دونوں قدروں کو قبول کیا۔ ہند میں تو منظم طور پر بھگتی تحریک شروع ہوئی جس نے منو کی چھوت چھات اور چار ورنوں (برہمن، کستری، ویش اور شودرا) کے غیر انسانی نظریے کے خلاف آواز اٹھانی، اخوت اور مساوات کا پرچار کیا۔ درحقیقت یہ سب کچھ ڈھونگ تھا۔ ہوا یوں کہ جب مسلمان آقا اور غلام کا فرق مٹا کر، اخوت و مساوات کا قابل رشک نمونہ بن کر توحید اور عدل و انصاف کا پرچم لئے کفرستان ہند میں آئے تو بت خالوں میں زلزلہ آگیا اور پرودہتی ٹوٹے میں سراسیمگی کی لہر دوڑ گئی۔ برہمنی سامراج کو ٹکرا حقیقی ہوا کہ ہمیں اس کے زخم خوردہ اور پامال کئے ہوئے گردنوں بے بس انسان مسلمان نہ ہو جائیں انکے غلاموں

کی بستیاں ان کی گرفت سے نکل جائیں۔ چنانچہ اسلام کے ریلے کو روکنے کی غرض سے برہمنی سامراج نے بڑی مکاری سے اخوت و مساوات کو اپنایا اور بھگتی تحریک کو ملک کے طول و عرض میں پھیلا دیا لیکن یہ دکھاوے کے لئے تھا۔ اسلام کا جادو سرچڑھ کر بولا۔ جب تک مبلغین اسلام، علماء حکمران اور صوفیاء مستعد رہے اسلام پھیلتا چلا گیا۔ مسلمان دنیا کی سپر پاور بنے رہے لیکن جب غافل ہوئے تو بلندی سے پستی پر آ گئے۔

ہند میں آج بھی منوں کی خود ساختہ ذات پات کی تمیز اور چھوت چھات اپنی تمام ہولناکیاں خرابیوں کے ساتھ موجود ہے۔ پروہتی نظام اور دیو مالا کے موجدوں نے انسان کو آقا اور غلام کے دو واضح طبقوں میں بانٹ رکھا ہے۔

پروہتی نظام ابتداء میں دینی اور دنیوی دونوں نوع کی وجاہتیں اپنے اندر سموئے ہوئے تھا۔ پھر جب آبادی بڑھی، بستیاں اور گروہ بڑھے ہوئے، مسائل میں اضافہ ہوا اور انتظامی پیچیدگیاں پیدا ہوئیں تو پروہتوں نے مندر سنبھال لئے، قبائلی سرداروں نے تخت و تاج پر قبضہ جمایا۔ محل اور قلعے بنائے، موقع شناس پروہتوں نے قبائلی سرداروں اور وڈیروں سے گٹھ جوڑ کر لیا پروہتوں کے پاس خدائی طاقت کا حربہ تھا۔ انہوں نے جو خدا تراشے تھے، انہیں وہ کٹھ پتلیاں سمجھتے اور تار ہلاتے رہتے چنانچہ ان کی برتری تسلیم کی گئی۔ انہوں نے اس کے عوض وڈیروں کو ان کی سلامتی کی ضمانت دی۔

فرعون آخن عٹون نے پرانے پروہتی نظام کو برباد تو کیا لیکن اس کے لئے اسے خود پرہت بنا پڑا۔ اس نے رب عمون کے دین کو مسترد کر کے عٹون کا جو مسلک رائج کیا اس کا وہ خود ہی خالق تھا۔ اسی نے رب عٹون کی طویل حد بکھی اور اس کی تبلیغ کی۔ رب عٹون کا مندر بنایا اس کی پوجا پاٹ کا اہتمام کیا۔ فرعون آخن عٹون کی موت کے بعد اس کا دینی شیرازہ بکھر گیا۔

بہر حال یہ ایک استثنائی صورت ہے ورنہ پروہتی نظام بے روک ٹوک دنیا میں برقرار رہا۔ پروہتی نظام اور وڈیرہ شاہی میں از سر نو سمجھوتہ ہوا۔ اب دین ساحری کو پہلے سے بھی زیادہ

قوت ملی۔ پر دہرت زیادہ قوی ہو گیا۔ اگرچہ دونوں میں رقابتیں رہیں ”جیوا اور جینے دو“ کے اصول پر زندگی گزرتی رہی۔

پر دہتی راج اور وڈیرہ شاہی کی ابتداء، ایگری کلچر (زرعی تہذیب / ثقافت) سے ہوئی مصیبت دانوں کے نزدیک اس کی تاریخ کم و بیش سات ہزار سال پرانی ہے۔ جب لوگ غاروں، جنگلوں اور پہاڑوں سے باہر نکلے تو انہوں نے کھیتی باڑی کا آغاز کیا۔ نیل کنارے کی خود رو گندم کو کھیت میں لے آئے۔ مصریوں کے آدم۔ فرعون اوسانی برس نے پہلے پہل گندم اگائی اور زرعی نظام کی بنیاد رکھی۔ یہیں سے پر دہتی نظام اور وڈیرہ شاہی کا مستقل بنیادوں پر قیام ہوا۔ زمین، دریا، دھوپ، مینہ گرج چمک اور جانوروں کے حوالے سے دیوی دیوتا معرض وجود میں آئے۔ حد تو یہ ہے کہ بانر (بندر) ناگ اور رنگ بھی دیوتا بن گئے۔ ہند میں اب بھی ناگ پوجا اور رنگ پوجا ہوتی ہے۔ دین ساحری منظم و مستحکم ہوا۔ اس کا عروج انتہائی بلندی پر پہنچا۔

اقطاع عالم کے عوام پر دہتوں اور وڈیروں کے تابع فرما ہوئے۔ بیشتر لوگ شہری حقوق اور زندگی کی آسائشوں سے محروم رہے۔ انہیں اپنی تقدیر پر شاکر رہنے کی تلقین کی گئی۔ پر دہتوں اور وڈیروں نے مل کر ایک دوسرے کو سہارا دیا۔ دنیا کی تمام آسائشیں اور جملہ اختیارات اپنے لیے مخصوص و محفوظ کر لئے۔ قبیلے کی تمام املاک (عورتوں سمیت) ان کی ملک ہوئیں۔ وڈیرے کے مرنے یا اسے قتل کرنے پر اس کا بڑا بیٹا اپنے باپ کی عورتوں اور املاک کو اپنی تحویل میں لے لیتا راعی کے لئے سب کچھ تھا، رعایا کے لئے صرف صبر و شکر تھا۔

ظہور اسلام سے قبل تک دین ساحری ہی کرہ ارض پر مسلط تھا۔ کسی کے پاس اس کا توڑ نہ تھا۔ اسلام آیا تو اس کا زور ٹوٹا۔ جہاں جہاں اسلام پہنچا، جہاں جہاں مسجد بنی وہاں وہاں سے دین سحری رخصت ہوا۔

دین ساحری نے دنیا کو عذاب میں مبتلا کئے رکھا۔ ہزاروں تماثیل (مورتیں اور مورتیاں) گھڑی گئیں دیو مالا کالا متناہی سسل تیار کیا گیا۔ یہ سارا گورکھ دھند عام آدمی کی فہم و فرارت اور گرفت

سے دور دور رہا۔ رسومات کا، نجوم اور ان کا رواج اتنا بڑھا کہ روز و شب کا کوئی لمحہ ان سے خالی نہ رہا، تو بہت اور خدشات کا بوجھ ناقابل برداشت ہو گیا۔ زندگی جادوگر کی بھول بھلیاں میں کھو گئی۔ آدمی غائب ہو گیا۔ وڈیرہ شاہی نے نبی نوح انسان کو ان گنت قبیلوں میں بانٹ دیا۔ اس تقسیم و تقسیم سے ان میں چھوٹ پڑ گئی۔

جب محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے تو عرب پر وڈیروں، کاہنوں اور پرہتوں کا تسلط تھا۔ مخلوق خدا ان کے زیر نگیں تھی۔ یہ مطلق العنان حکمران تھے۔ حضور نے انہیں لٹکا کر تو یہ پھیر گئے اور پوری قوت سے نبرد آزما ہوئے۔ اسلام انہیں مٹانے اور عوام کو ان سے نجات دلانے آیا تھا۔ دینی اور دنیوی وجاہتیں، اپنی مسندیں مسترد کر دی گئیں۔ پرہتوں اور قبائلی سرداروں یعنی مطلق العنان حکمرانوں نے اپنی ذات کی نفی کا سامان دیکھا تو انہوں نے حضور اکرم اور ان کے پیروکاروں کے خلاف پہلے تو سرد جنگ چھیڑی اور جب دال نہ گئی تو عاجز آ کر بڑے بڑے لشکر تیار کئے اور پورے ساز و سامان سے چڑھائی کی۔ اسلام جہاں امن و آشتی اور صلح و صفائی کا مذہب ہے وہاں تو انائی کا لالہ اور بے پایاں سرشار بھی ہے۔ یہ دولت کے انباروں، رئیس مانہ ٹھاٹھ اور نمائش و زیبائش کی بجائے سادگی، اعلیٰ اخلاق، اعلیٰ کردار اور پاکبازی کو وجہ احترام قرار دیتا ہے۔ یہی سبب تھا کہ اسلام کی اخلاقی اور روحانی قوت کے سامنے کاہنوں اور قبائلی سرداروں کی ناپائیدار اور ناقص مادی، دنیوی اور سحری قوت بیچ ثابت ہوئی۔

یہ صرف کہنے کی بات نہیں بلکہ حرف بحرف درست ہے۔ رسول عربی نے ہر موقع پر اس کا عملی ثبوت دیا۔ آپ نے زندگی کے کسی مرحلے پر دولت مند بننے کے لئے کوئی طریقہ اختیار نہ کیا۔ جب آپ نے مکے کی سب سے مالدار اور خوشحال خاتون — حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بیاہ کیا تو انہیں بھی اپنے رنگ میں رنگ لیا۔ وہ بھی درویش بن گئیں اور انہوں نے ویسی ہی سادگی اختیار کی جو حضور کا خاصہ تھی۔ اپنی دولت خدا کی راہ میں بے دریغ خرچ کی۔ سادگی اور سچائی کو ایسے ہتھیار تھے جن سے پرہتوں اور قبائلی سرداروں کے چھکے چھوٹ

گئے۔ آپ کا فرمان ان کی موت کا سامان لایا۔ مکے کے قریب خورہ بڑوں نے آپ کو سیر و زر کے
جال میں پھانسنے کی تدبیر کی چنانچہ تمام سرداروں کے مشورے سے نامور و ڈیرہ اور مدبر عتبہ بن
زبیرہ آپ کے پاس آیا اور بولا۔

”میرے بھتیجے محمد! اگر تم اس کارروائی سے مال و دولت
جمع کرنا چاہتے ہو تو ہم خود ہی تمہارے پاس اتنی دولت
جمع کر دیتے ہیں کہ مالا مال ہو جاؤ۔ اگر عزت کے بھوکے ہو
تو ہم سب تمہیں اپنا رئیس مان لیتے ہیں۔ اگر حکومت کی
خواہش ہے تو ہم تمہیں بادشاہ عرب بنا دیتے ہیں۔ جو چاہو
سو کرنے کو حاضر ہیں مگر تم اپنا طریق چھوڑ دو“ یعنی دینِ سحر کی
تکذیب مت کرو، و ڈیرہ شاہی اور پردہتی راج کو کھلی
چھٹی دو۔ ”نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔“ جو کچھ
تم نے میری بابت کہا وہ ذرا بھی صحیح نہیں۔ مجھے مال عزت
دولت، حکومت کچھ درکار نہیں“

اس کے بعد آپ نے قرآن کی چند آیات پیش کیں ”کلام
پاک سننے سے عتبہ بن زبیرہ پر محویت کا عالم طاری ہو گیا
وہ ہاتھوں پر سہارا دیئے، گردن، پشت پر ڈالے ہوئے سنا
رہا اور بالآخر چپ چاپ اٹھ کر چلا گیا۔ قریش (جنہوں نے اسے
بھیجا تھا) ملاقات کا نتیجہ معلوم کرنے کے مشتاق بیٹھے تھے انہوں
نے پوچھا کیا دیکھا، کیا کہا، کیا سنا؟“

عتبہ بولا، معشر قریش! میں ایسا کلام سن کر آیا ہوں
جو نہ کہانت ہے، نہ شعر ہے، نہ جاوہ ہے، نہ مستز ہے،

میرا کہا مانو، میری رائے پر چلو! محمدؐ کو اپنے حال پر چھوڑ دو!“
 ”لوگوں نے یہ رائے سن کر کہا، لو عتبہ پر بھی محمدؐ کی
 زبان کا جادو چل گیا۔“

”جب لایح کی تدبیر نہ چلی تب سارے قبیلوں کے سردار
 اکٹھے ہوئے اور انہوں نے نبی صلعم کے چچا کے پاس آ کر
 یوں تقریر کی۔“

”ہم نے آپ کا بہت ادب کیا۔ آپ کا بھتیجا ہمارے ٹھاکروں
 اور بتوں کو جنہیں ہمارے باپ دادا پوجتے آئے ہیں، اتنا
 سخت سست کہتے لگا ہے کہ اب ہم صبر نہیں کر سکتے۔ آپ
 اسے سمجھا کر چپ رہنے کی ہدایت کر دیں ورنہ ہم اسے
 جان سے مار ڈالیں گے اور تم اکیلے ہم سب کا کچھ نہیں کر سکو گے“
 یہ محض دھمکی نہیں تھی کفار مکہ رسول اکرمؐ کے انکار پر اسے عملی شکل دینے کا تہیہ کر چکے تھے
 پس تو یہ ہے کہ اس سے ابوطالب بھی ڈر گئے۔ وہ والی مکہ بھی تھے اور خاندان کے سربراہ بھی اور
 اپنے بھتیجے کی سلامتی کے ضامن۔ انہوں نے آپؐ کو بلایا اور صاف صاف کہا ”بت پرستی کا
 روزہ کیا کرو ورنہ میں تمہاری حمایت نہیں کر سکوں گا۔“

لیکن رسول اکرمؐ پر کفار کی دھمکی کا قہر بھرا اثر نہ ہوا۔
 آپؐ لایح میں آئے نہ خوفزدہ ہوئے۔ آپؐ نے ابوطالب سے
 کہا۔

”چچا! اگر یہ لوگ سورج کو میرے دائیں ہاتھ پر اور چاند
 کو میرے بائیں ہاتھ پر لا کر رکھ دیں تب بھی میں اپنے
 کام سے نہ ہٹوں گا اور خدا کے حکم میں سے ایک حرف بھی

کم و بیش نہ کروں گا خواہ میری جان ہی چلی جائے“
 کفر و شرک کے بارے میں کفار مکہ کا رویہ نہایت شدید اور ارادہ نہایت سخت تھا۔ لیکن
 رسول اکرم کا رویہ شدید تر اور ارادہ سخت تر تھا۔ تبھی تو آپ دینِ ساحری کی جڑیں اکھاڑ پھینکتے ہیں
 کامیاب ہوئے۔

وہ لوگ جو مکے کے حکمران اور کعبے کے منصب دار تھے، سرنگوں ہوئے، حضورؐ سے
 لڑے اور لڑائی میں مارے گئے یا پھر اپنے گھر میں ذلیل و خوار ہو کر مرے۔ حضورؐ کا
 چچا ابو لہب مرا تو حال یہ ہوا کہ اس کی لاش گل سڑ گئی۔ بیٹوں نے اسے ہاتھ تک نہ لگایا
 اور غلاموں نے جا کر اسے باہر پھینکا۔

آپ نے ایک ایک کر کے دینِ ساحری کے آثار مٹائے۔ فرقہ پرستی، گروہ بندی اور
 طبقاتی تمیز کا پوری طرح قلع قمع کیا۔ ایک ہی گروہ رہ گیا جس میں سبھی محکوم تھے۔ بلالؓ اور
 سلمان فارسیؓ اسلام سے قبل غلام تھے۔ لیکن مسلمان ہونے کے بعد انہیں عزت و احترام کا وہ مقام ملا
 جو کفار کے بڑے سے بڑے سردار کو نصیب نہ ہوا۔ ابو ہریرہؓ اپنے افلاس کے باوجود عالی قدر
 مسلمانوں میں شمار ہوئے۔ حدیث کے راویوں میں ان کا مرتبہ بہت اونچا ہے۔ زیدؓ، جنابؓ اور
 صہیبؓ بھی امتیازی شان رکھتے تھے۔ وڈیرہ شاہی میں افلاس کو نفرت کے قابل سمجھا جاتا
 تھا لیکن اسلام میں اسے وجہ شرف قرار دیا گیا۔ اس کے سلسلے کفار کی امارتیں اور عزتیں خاک
 میں مل گئیں۔

کیا حیرت خیز اور ناقابلِ یقین معجزہ تھا کہ کلمہ پڑھتے ہی دینِ ساحری کی سوچ و دل سے محو ہو
 جاتی۔ مورتیں اور مورتیاں ریزہ ریزہ ہو جاتیں۔ وڈیرہ شاہی اور پرہتی نظام کے نلے بانے
 بکھر جاتے۔ مفلس اور غنی میں فرق نہ رہا۔

اخلاقی، روحانی اور معاشرتی اعتبار سے یہ انقلاب اس قدر
 عظیم اور ہمہ گیر تھا کہ ہزاروں سال کی تہذیبی تاریخ میں

اسلام کے سوا اور کہیں اس کی مثال نہیں ملتی۔ کوئی سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ اس قدر مقبول عام اور مستحکم دین ساحری یوں آنا "فانا غارت ہو جائے گا۔"

دین ساحری کی بیخ کنی اس بے مثال انقلاب کا اصل مقصد تھا کیونکہ اس کے بغیر اسلام کے کوئی معنی نہ تھے۔ دین ساحری کی زیر نگرانی ایسا معاشرتی ڈھانچہ، معاشی انتظام اور نظام عدل قائم ہی نہ ہو سکتا تھا جو فرد کو اس ملت کا حصہ بنا دیتا جس میں وہ اپنے لئے نہیں بلکہ سب کے لئے جیتتا، اپنی دولت میں دوسروں کو شریک کرتا، خود کو کسی سے برتر نہ گردانتا۔ اور حیب عدالت کے کٹہرے میں کھڑا ہوتا تو ادنیٰ اور اعلیٰ میں تمیز نہ کی جاتی۔ قاضی کے سامنے عام شہری اور خلیفہ وقت ایک برابر ہوتے، بڑے کو وہی سزا ملتی جو چھوٹے کے لئے ہوتی۔

اسلام صاف ستھرا، سادہ کھرا مذہب ہے۔ اسے دین فطرت بھی کہتے ہیں۔ یہ واضح احکام لے کر آیا ہے اس نے کرنے اور نہ کرنے والے کاموں کی فہرست مہینا کی ہے تاکہ امر و نہی میں کسی حیلہ گریا بہانہ ساز کے لئے شک و شبہ کی گنجائش نہ رہے۔

یہ درست ہے کہ دین ساحری کے دور کی بعض رسوم اسلام میں داخل ہوئیں لیکن ان کی غایت اور مفہوم یکسر بدل گیا۔ قربانی اس کی بہت بڑی مثال ہے۔ دین ساحری میں سانڈاؤ بکری کے علاوہ خنزیر اور ریچھ وغیرہ کی قربانی دی جاتی تھی۔ انسانی قربانی کا بھی رواج تھا۔ شہزادوں، کینیزوں اور غلاموں کو بیدریغ قربان کیا جاتا تھا۔ حضور اکرم کے والد گرامی عبد اللہ بن عبد المطلب کی جان بڑی مشکل سے بچی ورنہ ان کے گلے پر چھری پھر جاتی۔ ساحر زمین کو زخیز

۱۔ قربانی کی ہزاروں سال پرانی تاریخ کے مفصل بیان کیلئے ملاحظہ ہو راقم الحروف کی تالیف "دین ساحری (عقوبت بک ٹرسٹ)"

بنانے اور کھیت سے پیداوار لینے کے لئے پورے قبیلے کی طرف سے قربانی دیتا۔ اس کے نظریے کی رو سے قربانی کے جانور کا خون دھرتی دیو کو پہنچتا اور وہ اس کی بدولت موسمِ مرگ (خزاں) کے بعد موسمِ بہار میں جی اٹھتا۔ وہ خون کے عوض بہا لاتا، پیڑ پودے اگاتا، انسانوں اور حیوانوں کو زندگی بخشتا۔ حضرت ابراہیمؑ نے دینِ ساحری کی سوچ اور ریت کو مٹایا۔ انسانی قربانی کا خاتمہ کر کے حیوانی قربانی کو رواج دیا۔ اسلام نے اسی قربانی کو اپنایا۔ خنزیر، بچھ اور دیگر متعدد حیوانات کی قربانی کو ممنوع قرار دیا۔ چند حیوانات (بکرا، مینڈھا، گلتے، اونٹ) کی قربانی کو جائز قرار دیا۔ اور فریب خوردہ ساحروں کے غلط نظریے کے خلاف صریحاً کہا کہ ذبیحے کا خون اللہ کو نہیں پہنچتا۔ لوگوں کو حکم دیا کہ وہ اس کا گوشت بل تکلف کھائیں دوسروں کو کھلائیں اور جذبہٴ ایشار کو تازہ رکھیں۔

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَسِبْ (سورہ کوثر)

اپس اپنے ہی رب کے لئے نماز پڑھو اور قربانی دو

پھر رسول اللہ نے یہ بھی فرمایا جو شخص غیر اللہ (کسی بت) کے نام پر جانور ذبح کرے

اس پر اللہ کی لعنت (کتاب التوحید ص ۱۲۱)

دینِ ساحری میں دعا کا دستور نہیں۔ اسلام میں دعا داخل معمول ہے۔ دعائیں شفاء ہے

مشکلات کا حل ہے۔ مصائب کی ذمہ داری ہے۔ یہ ایک روحانی عمل ہے۔ بندہ جب دل

کی گہرائی سے اپنے رب سے کچھ مانگتا ہے تو اس کے اندر عجز و انکسار کے ساتھ امید کی کرن

بھی بیدار ہوتی ہے۔ ہمت بندھتی ہے۔ اپنے رب سے رشتہ استوار ہوتا ہے۔ احساس

قرب کے تازہ ہونے سے اس میں توانائی پیدا اور ایسی نفسیاتی کیفیت طاری ہوتی ہے

جو اس کی طلب پوری کرنے میں اس کے آڑے آتی ہے۔

عبادتِ قدیم ترین دینی عمل ہے۔ سحریات میں اس کا مفہوم مضحکہ خیز ہے۔ بت پرستی

آدمی کے گھڑے ہوئے مٹی، پتھر اور کاٹھ کے خداؤں یا ان کی فرضی تصویروں کی پرستش کا نام ہے۔ سحر پرست خدا کو سمجھے نہ مورتیوں سے قابلِ فہم یا قابلِ عمل منہوم پیدا کر سکے۔ بندر، ماتھی، گیدڑ، لنگ، ناگ، نندی (سانڈ) زمین، پانی، سورج سمجھی خدا تھے۔ دینِ ساحری میں عبادتِ ریت (RITUAL) کی صورت میں ملتی ہے۔ دیوتا کو رجھانے، اس پر حکم چلانے۔ خزاں میں اس کے مرجانے اور بہار میں اسے جلانے کے لئے قربانی دی جاتی، پانچ گانے اور دیگر متعدد طریقوں سے عبادت کی جاتی۔ لنگ پوجا، اگنی پوجا اور عجل پستی (پتھرے کی پوجا) بھی عبادت تھی۔ رگ وید اگنی دیوی کی حمد و ثنا کے گیتوں سے معمور ہے۔ نائک کھیلنا اور دیکھنا بھی عبادت تھا۔ لنگ پوجا ناگ پوجا اور عجل پستی دھرتی دھرم کی ذیل میں آتی تھیں۔ زمین پرستی اور شمس پرستی دینِ ساحری کے دو بڑے مسلک تھے۔ دراوڑی قومیں زمین پرست تھیں۔ آریہ شمس پرست تھے۔ ہند کے آریہاؤں نے اسی بنیاد پر لشکا کے زمین پرستوں پر چڑھائی کی اور یونان کے شمس پرست آگیاؤں نے طردے کے زمین پرستوں پر دھاوا بولا۔ وہاں سپتاہرن اور یہاں، کسلین کا اغوار بہاؤ بن گیا، مورتیاں گھڑنا اور ان سے مندروں کو سجانا دینِ ساحری کا مسلک رہا ہے۔ ندر نیاز دینا بھی انہی کا دھیرہ ہے۔

مندروں میں گھنٹیاں بجاتے، سنگھ بھونکتے اور اس طرح بدروحوں کو بھگاتے، ہرستی بدروحوں کی گرفت میں ہوتی۔ کفار مکہ سیٹیاں بجاتے۔

لے سوننا کے عظیم الشان اور زرد جو اہر سے لدے پھندے مند کے جس بھونڈے پتھر کو دیکھ کر مجاہد کبیر محمود غزنوی کو کراہت آئی، جس نے اس کے ذوقِ جمال اور لفاسرتِ طبع کو مجروح کیا۔ اور جسے توڑا وہ بہت بڑے حجم کا لنگ تھا۔ اس حجم کے لنگ بنائیں، پتھر اور چند دوسرے مندروں میں موجود تھے۔ ہندو لنگ کی تعظیم اور پرستش کرنے کے راؤن نے سینا کو اس لئے ہرن کیا کہ اس کی ہرن روپ بھیجا اور رام کے چھوٹے بھائی لچھمن نے ذلیل کیا اور اس کی ناک کاٹی کیونکہ وہ رام سے پیار کر بیٹھی تھی۔ غیر مندراؤں نے اپنے زلمنے کی ریت کے مطابق انتقام لیا۔ سپن کے اغواء کا سبب یہ تھا کہ وہ طردے (ایلیون، ایلیم، طروٹیا یا طروج) کے شہزادے پیرس کی منگیت تھی۔ یونان کے شمس

لڑکیوں کو دیوتا کی بھینٹ چڑھاتے، دیوداسی بنا کر مندروں میں بچاتے۔ تہذیب کے اوائل
 دور میں دیوداسیاں طوائفوں کا کردار ادا کرتیں۔ تریپاراج میں دنیا کی پہلی طوائف دیوداسی ہی کے
 روپ میں نمودار ہوئی۔ شہزادہ کی کوہیتی کے سب لوگ مندر میں جمع ہوتے اور پروہت کے ایما پر
 بہن بھائی اور باپ بیٹی کے رشتے کی تمیز کی پروا کئے بغیر خوشی خوشی باہم جنسی عمل کرتے یہ لنگ پوجا تھی
 پر وہتوں کا ایک فرض کہانت گاہ کو سمجھانا تھا۔ ویلی (یونان) اور عہد جاہلیت میں کعبہ کہانت
 گاہ کا کام دینا۔ دونوں جگہ دھرتی پجاری کا ہند یہ فرض انجام دیتی۔

رہبانیت بھی عبادت ہی کی شاخ تھی۔ آخری عمر میں لوگ ترک دنیا کرتے، لوگ کا مارگ
 پکڑتے، یوگی (جوگی) اور سنیاسی بن جاتے۔ دنیا داری سے سروکار نہ رکھتے، دنیا داروں سے ہٹ کر
 جنگلوں اور دیوانوں میں ڈیرہ لگاتے۔ آسن جاتے، دھونی راتے، سنیاس آشرم بناتے اور تنہائی کی
 زندگی بسر کرتے۔ تپسیا میں مگن رہتے۔

اسلام نے دین سحری کی تمام عبادتیں روکیں اور نماز، روزے اور اعمال صالحہ کو عبادت

پرست نالغ آنے کا میمنون کے بھائی میناس نے اسے جبراً گھر میں ڈال لیا تھا۔ ایگامیمنون نے بہن کی بہن کلانی
 تیم پیڑا سے حیرا بیاہ کیا۔ دونوں بہنیں زمین پر رت تھی۔ لٹکا اور طرے چھوٹے چھوٹے تھے جہاں جہاں زمین
 پرست تھیں اور شمس پرستوں کے بڑے بڑے پڑوسی ملکوں۔ بھارت اور یونان کی آنکھوں میں کھینکتے تھے۔ یہ
 چھوٹے ملک ان پڑوسی ملکوں کے توسیعی عزائم میں سدا رہا تھے۔ دونوں جگہ ایک جیسا انجام نکلا۔ لٹکا اور
 طرے دونوں کو نذر آتش کیا گیا۔ دونوں جگہ سے مغویہ مغویہیں واکڈار کی گئیں۔ بعد ازاں سیتا اپنی تطہیر کے لیے
 زمین میں گر گئی یہیں کا معاملہ قدرے مختلف رہا۔ پیرس کے ہمراہ بہن کی آتشی مورتی گئی تھی۔ اصل بہن فرعون
 مصر کے محل میں پہنچائی گئی۔ اور جنگ کے بعد وہاں سے لائی گئی تھی۔ آتشی بہنیں جل گئی۔

یہ ایک ہی داستان کے دو روپ ہیں۔ یاد رہے کہ ہندوؤں کے یہاں پرورسی تاریخ کے واقعات
 فتوحات، قابل فخر کارناموں، ایجادات و اختراعات کو اپنانے کی ریت موجود ہے۔

قرار دیا۔ اسلامی عبادت سے تزکیہ نفس ہوتا، روحانی قوت بڑھتی اور اس سے پورے معاشرے کی بھلائی ہوتی ہے۔ بصیرت چلا پاتی، ضمیر بیدار ہوتا اور فرو کو خیر العمل پر مائل کرتا ہے۔ نیکی کے راستے پر چلنا ہی عبادت ہے۔ اگر ایک شخص روزمرہ کے معمولات میں محمد مصطفیٰ ﷺ کے نقش قدم پر چلتا ہے تو وہ ہمہ وقت مصروف عبادت رہتا ہے۔ عبادت صرف مسجد ہی میں نہیں بلکہ ہر جگہ اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے کی جاتی ہے۔

عبادت کی غایت اللہ کی بندگی کرنا، کردار سنوارنا، فکر و عمل میں نظم و ضبط پیدا کرنا اور دنیا کو بدی سے پاک کر کے جنت کا نمونہ بنانا ہے۔ نبی زماں مسلمان ایک بار پھر دینِ ساحری کے پھندے میں پھنس گئے ہیں۔ انہوں نے کتنی ہی غیر اسلامی باتیں روزمرہ کے معمولات میں شامل کر لی ہیں۔ نکاح کر لیجئے! یہ سیدھا سادہ شرعی عمل ہے لیکن اب تماشا بن گیا ہے۔ ہندو اور مشرکانہ رسوم نے اسے عذابِ جاں بنا دیا ہے۔ قبر پرستی عام ہے۔ لوگ بزرگوں کے مقبرے تعمیر کرتے، سونے چاندی کے دروازے لگاتے، انہیں زیارت گاہ بناتے اور مشکل کشائی کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ قبروں پر جا کر منت مانگتے اور مردوں سے مدد طلب کرتے ہیں۔ ان درویش صفت بزرگوں نے بورپے اور چٹائی پر زندگی گزار لی۔ عیش و عشرت کے قریب بھی نہ پھسکے۔ پیوند لگی گڈڑی پہنی، فاقہ کشی کی، آسائش اور آرائش سے متنفر رہے، شرعِ محمدی پر چلے۔ مرنے کے بعد لوگوں نے ان کے نظریات اور اندازِ حیات کو فراموش کر دیا۔ قرآن و سنت کی پیروی ترک کر دی۔

حلال و حرام کی تمیز مٹ گئی ہے۔ مشرکین کے معمولات اختیار کر لئے گئے۔ اس کے اسباب ہیں۔
 ۱۔ لوگ قرآن کی صرف تلاوت کرتے ہیں۔ اس کا مفہوم نہیں سمجھتے۔ ترجمہ نہیں پڑھتے۔ جو اشیاء پر بھی توجہ نہیں دیتے۔

ب۔ گنڈے تعویذ امرت و دھارا کی طرح بک رہے ہیں۔

ج۔ لوگ اسلام کی نظری سادگی اور اصلیت سے بے خبر ہو گئے ہیں۔ اسلام قرآن میں محفوظ

ہے اور قرآن طاقوں میں رکھا ہے۔ عمل سے کسی کو واسطہ نہیں۔

۱۔ علماء بالعموم عمل کی دولت سے محروم ہیں۔ ان کے یہاں قول و فعل کا تضاد بہت بڑھ گیا ہے۔
 ۲۔ مسجد کا وہ کردار ختم ہو چکا ہے جو رسول اکرمؐ کے زمانے میں اسے حاصل تھا۔ یہ اسلام کا قلعہ تھی۔
 ۳۔ رسول اکرمؐ کے عہد میں مسجد اسلام کے جمال و جلال، شان و شوکت اور عظمت و ہیبت کی علامت تھی۔
 ۴۔ کفر اس سے خائف رہتا۔ سلاطین عالم کو یہیں بوریے اور چٹائی پر بیٹھ کر لٹکا جاتا۔ یہ دار التبلیغ بھی تھی۔
 ۵۔ دار الحکومت بھی، خارجہ اور داخلہ امور یہیں حلے پاتے، چھوٹے سے چھوٹا اور بڑے سے بڑا فیصلہ یہیں کیا جاتا۔
 ۶۔ تبلیغ کا سلسلہ غیر منظم اور غیر موثر ہو کر رہ گیا ہے۔ مساجد کے بیشتر امام نااہل اور کم تعلیم یافتہ ہیں۔
 ۷۔ وہ عوام کو بہکا تو سکتے ہیں۔ انہیں سیدھی راہ پر نہیں لاسکتے۔ لوگوں کو جاہل بنانے کا سلسلہ شدید سے وسیع پیمانے پر جاری ہے۔

بعض ذہین اور لائق سکالر ریڈیو اور ٹی وی پر نہایت فلسفیانہ گفتگو کرتے ہیں۔ ان کی نکتہ آفرینی خوب سہی لیکن یہ لوگوں کو اسلام کے قریب لانے میں ناکام رہی ہے۔ یہ نہیں بتایا جاتا کہ لوگ قرآن کی تعلیمات کو کس طور پر روزمرہ کی معاشرتی اور اقتصادی زندگی میں منتقل کریں۔ انہیں کوئی نہیں سمجھاتا کہ از روئے قرآن: سگ ننگ، چور بازاری، ذخیرہ اندوزی، زائد منافع خوری، سیم و زر کا اکتناز، رشوت خوری، تخریب کاری، ہوس و حرص شیطانی کام ہیں۔ انہیں ترک کریں، رزق سہل بدترین گناہ ہے۔ اسلام سادہ اور واضح ہے۔ روزمرہ کی زندگی کے حوالے سے اس کی تعلیمات سہل اور قابل عمل ہیں۔ یہ ہر قسم کی مشرکانہ رسوم، آلودگیوں اور بیہودگیوں سے پاک ہے۔ عمل کے بغیر تبلیغ کی کوئی وقعت نہیں اس کی زبان تاثیر نہیں رکھتی۔

ہم مسلمان تو ہیں لیکن دین اسلام سے زیادہ دین خرافات پر فریفتہ ہیں۔ یہی ہمارے زوال کی بنیادی وجہ ہے۔ جس دن ہم نے قرآن اور سنت پر عمل کیا ہم زوال کے گڑھے سے نکل آئیں گے اور قوت تو انانی کا سرچشمہ جاری ہو جائے گا۔ دین ساحری اپنی موت آپ ہی مر جائے گا۔ مشرکانہ رسوم مٹ جائیں گی۔ زندگی نکھر سنور کر نئی سچ و صحیح سے طلوع ہوگی۔

جادو کیا ہے

جادو اور شعبہ بازی میں زمین آسمان کا فرق ہے لیکن عام طور پر شعبہ بازی ہی کو جادو سمجھ لیا جاتا ہے ایک زمانے میں اسلام سے پہلے جادو ہی واقع ترین تہذیبی قدر تھا اسے انتہائی ذہین، بخیر اور جاہ پرست لوگوں نے وضع کیا۔ اس کی ایجاد و اختراع، ترتیب اور ارتقاء میں سینکڑوں پروفیسروں، شاعروں، موسیقاروں، سائنس دانوں اور عالموں کی تخلیقی کاوشیں شامل ہوئیں۔ ترمیم و تنسیخ، اضافے اور شیرازہ بندی کا عمل صدیوں جاری رہا۔ جادو ہی کی تحریک نے بابل، آشوریا، مصر اور مو، پنجودرو میں زرعی کلچرل (AGRICULTURE) کو پروان چڑھایا۔ مصر اور میسوپوٹیمیا میں اس کا عمل دخل دیتا بھر میں سب سے زیادہ مدت تک مسلسل رہا۔ پروفیسر جیمز ہنری بریسنڈ کی تحقیقات کے مطابق دنیا کا پہلا ۳۶۵ دن کا کیلنڈر زیریں مصر (ڈیٹا) کے زمین پرست پر وہنتوں یعنی جادو گرہوں نے ۲۲۱۱ قبل مسیح تیار کیا۔ کیلنڈر کی تیاری کوئی معمولی کام نہ تھا مندرجہ بالا تاریخ سے کم و بیش ایک ہزار سال پہلے اس کی سوچ پیدا ہوئی ہوگی مصر اور میسوپوٹیمیا کے زوال پر یونان کی سرزمین میں دیومالا کا دور دورہ ہوا۔ یونان کی پانچویں صدی تہذیب و تمدن کی تاریخ میں خاص شہرت رکھتی ہے اسی صدی میں دیومالا کے زیر اثر یونان کا بے مثال نقیضہ آخری نقطہ عروج کو پہنچا۔ یہیں تین عظیم ترین تمثیلی نگار، ایسکیلس، سوفزکلیس اور یوریپیدس کے وہ ڈرامائی شاہکار پیش ہوئے جو شعر، موسیقی اور رقص کی اکائی تھے ایسے انوکھے ڈرامے پھر کبھی مغرب وجود میں نہ آئے ان کے ذریعے دیومالا کی تبلیغ کی گئی۔ دین ساحری (جادو) کی رو سے ان ڈراموں کو کھیلنا اور دیکھنا داخل عبادت تھا جب دور فلسفہ آیا تو یونان کا علم سحر و طلسم و ماہیچ

کیا۔ مسیح سے ہزار سال بعد بھی مشرقی و مغربی میں دینِ ساحری کا چلن رہا گو اسے پہلا سا تہذیبی درجہ حاصل نہ ہوا۔ مصر، میسوپوٹیمیا اور یونان کے بعد اس نے کوئی قابل ذکر تہذیب پیدا نہیں کی۔ پھر بھی لوگ اس کی گرفت سے نہ نکلے۔ فتح مکہ کے بعد جہاں جہاں اسلام پہنچا وہاں وہاں دینِ ساحری کا دور دورہ تھا۔ دنیا میں پہلی بار اسلام نے اپنے زیرِ نگیں خطوں میں اس کا قلع قمع کیا کوئی چھ ہزار سال تک جادو کا لول بالا رہا۔ افریقہ اور بعض دوسرے حصوں میں آج بھی ایسی 'POCKETS' ہیں جہاں لوگوں کے پاس جادو کے سوا کوئی دوسری تہذیبی قدر نہیں۔

مصر اور میسوپوٹیمیا کے جادو گردوں اور ساحرِ طینوں (SHAMAN) نے دنیا بھر کو تہذیبی اور معاشرتی شعور دیا اسے کھنڈ کرنا سہل نہ تھا۔ جادو کی بیخ کنی کے لئے وادی فرات و دجلہ اور نیل دیس میں مسلسل پیغمبر آتے رہے۔ دنیا کا یہ واحد خطہ ہے جہاں جادو کے خلاف دنیا کی سب سے بڑی اور سب سے طویل جنگ لڑی گئی جادو اور مذہب کے اس لاثانی تصادم کے باعث قرآن میں انبیاء کے اسی ایک سلسلے کا ذکر ملتا ہے جو اس خطے میں مبعوث ہوئے یہ سلسلہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر آکر تمام ہوا۔ اسی لئے حضور ختم المرسلین ہوئے اور نبیوں کا خاندان جادو کے خاتمہ کے بعد مکمل ہوا۔ دنیا میں اور کہیں انبیاء کا کوئی خاندان نہیں ملتا۔ البتہ پرستی نظام کے سلسلے ضرور ملتے ہیں۔

حضور عرب میں مبعوث ہوئے۔ ۵۲ برس مکے میں دس برس مدینے میں رہے جان پر کھیل کر بت پرستی کے خلاف جہاد کیا۔ اگرچہ عرب کا دینِ ساحری ناقص تھا۔ دیوبالا خاص وقت نہ رکھتی تھی۔ اس سے کوئی پائیدار، دیرپا، ذلیشان، تہذیب بھی پیدا نہ ہوئی تاہم کعبے کے ۳۶ بتوں کی پشت پر سحر و طلسم کی ۶ ہزار سال پرانی روایت تھی۔ حضور نے کعبے کے بتوں کو نہیں ڈھایا بلکہ ارض الانبیاء کی قدیم گمراہ کن تہذیب کو ٹھکانے لگایا اسلام عرب سے باہر نکلا جہاں جہاں پہنچا وہاں وہاں روشنی اور روشن خیالی کو فروغ ملا۔

تہذیبی قدر کے طور پر دینِ ساحری کی آخری اور دائمی شکست ختم المرسلین کا سب سے بڑا اور بے لپیٹ سبب نہ تھا۔ حضور سے پہلے کسی نبی کو ایسا معجزہ دکھانے کی توفیق ارزاں نہ ہوئی حضرت

موسیٰ نے وقتی طور پر سامری کو شکست دی لیکن دین سامری ادھر تھی دھرم۔ مصر کی قدیم ترین عالمی ایجاد کا خاتمہ نہ ہوا۔ حضرت سلیمانؑ نے از روئے بائبل بت پرستوں کے ارضی خدا، فرعون کی لڑکی سے بیاہ کیا۔ مزید برآں (بائبل کے الفاظ میں) سلیمان بادشاہ فرعون کی بیٹی کے علاوہ بہت سی اجنبی عورتوں سے محبت کرنے لگا۔ یہ ان قوموں کی تھیں جن کی بابت خداوند نے نبی اسرائیل سے کہا تھا۔ کہ تم ان کے بیچ نہ جانا اور نہ وہ تمہارے بیچ آئیں کیونکہ وہ ضرور تمہارے دلوں کو اپنے دیوتاؤں کی طرف مائل کر لیں گی۔ سلیمان انہی کے عشق کا دم بھرنے لگا۔ اور اس کے پاس سات سو شہزادیاں، اس کی بیویاں اور تین سو حرمیں تھیں اور اس کی بیویوں نے اس کے دل کو پھیر دیا کیونکہ جب سلیمان بڑھا ہو گیا تو اس کی بیویوں نے اس کے دل کو غیر معبودوں کی طرف مائل کر لیا اور اس کا دل اپنے خدا کے ساتھ کامل نہ رہا جیسا اس کے باپ داؤد کا دل تھا۔ کیونکہ سلیمان صیدانیوں کی دیوی عسارات اور عمویوں کی نفرتی ملکوم کی پیروی کرنے لگا اور سلیمان نے خداوند کے آگے بدی کی اور اس نے خداوند کی پوری پیروی نہ کی جیسی اس کے باپ داؤد نے کی تھی۔ پھر سلیمان نے موآبیوں کی نفرتی مکوس کے لئے اس پہاڑ پر جو یروشلم کے سامنے ہے۔ اور نبی عمون نے نفرتی موکس کے لئے بلند مقام بنا دیا۔ اس نے ایسا ہی اپنی سب اجنبی بیویوں کی خاطر کیا جو اپنے دیوتاؤں کے حضور بخور جلاتی اور قربانی گزارتی تھیں اور خداوند سلیمان سے ناراض ہوا کیونکہ اس کا دل خداوند اسرائیل کے خدا سے پھر گیا جس نے اسے دوبارہ دکھائی ہوئے کر اس کو اس بات کا حکم کیا تھا کہ وہ غیر معبودوں کی پیروی نہ کرے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام ایسے جلیل القدر پیغمبر جنہوں نے نسل انسانی پر عظیم ترین احسان کیا، جاوگروں کی صدیوں پرانی انسانی قربانی کی ریت موقوف کی بچوں کی قربانی کی جگہ جانور کی قربانی کو رواج دیا۔ مکمل اور دائمی طور پر وادی فرات و درجلہ کو بتوں کے وجود سے پاک نہ کر سکے۔ ان کے بعد ان ہی کے تعمیر کئے ہوئے کعبے میں آل اسمعیل نے بت رکھ لئے۔ نبی آخر الزمان کو یہ شرف ملا کہ حضور نے نہ صرف کعبہ کا گوشہ احترام بحال کیا، بتوں کا نام و نشان مٹایا۔ بلکہ دنیا بھر میں بت پرستی کے

خلانہ جہاد کیا جو حضور کے زمانے میں اور بعد میں نہایت موثر ثابت ہوا۔

شعبہ بازی

شعبہ بازی معمولی چیز ہے اور دینِ ساحری سے سروکار نہیں رکھتی۔ شعبہ بازی کو نظر کو دھوکا کھہر سکتے ہیں اس کے لئے تہذیبی فکر، دینی فلسفے اور دینی ماحول کی حاجت نہیں شعبہ بازی عامل تو ہوتا ہے، مفکر نہیں ہوتا۔ چند ٹکے کانے کے لئے تماشائیوں کا دل بہلاتا ہے آج بھی لوگ عموماً ہر روز کوچہ و بازار میں خصوصاً میلوں ٹھیلوں پر شعبہ بازی کو مصروف کار دیکھ سکتے ہیں۔ ہنرمندی کے لئے عام سوجھ بوجھ اور مشق کی ضرورت ہوتی ہے معاشرے میں شعبہ بازی کا کردار دینی اعتبار سے کوئی حیثیت نہیں رکھتا وہ صرف تماشاگر ہے مداری ہے اور بس۔

جادو

اگرچہ اسلام نے بت پرستی کا فکری نظام درہم برہم کیا اور عملاً اسے ناکام بنا دیا پھر بھی جس معاشرے کی ذہنی سطح چنداں بلند نہ ہو اور جو روشن خیالی اور سائنسی رجحان سے محروم ہو گھٹیا شکل میں جادو کے جال میں پھنس جاتا ہے تو ہم پرست لوگ قبر پرستی، ٹونے ٹونکے اور گنڈے تعویذ کو جزو ایمان بنا لیتے ہیں۔ یہ چیزیں جادو ہی کے شعبے سے تعلق رکھتی ہیں۔ اسلام سے پہلے کوئی ایسا سائیفک مذہب نہ تھا جو اس کی طرح کامل اور دائمی طور پر صحیح انداز سے عقائد و عبادات کی شیرازہ بندی کرتا۔

”جادو ایک منقہ اور گمراہ کن عمل ہے“

ضرورت اس امر کی ہے کہ ان حالات کا مطالعہ کیا جائے جن میں جادو کا بیج بویا اور پھینکا گیا۔

”آدمی کا پہلا اساسی درتہ مسرت، غم اور خوف پر مشتمل تھا۔ بسا اوقات یہ تینوں یوں گھلے

ملے رہتے جیسے جذبات کی اکائی ہوں۔ جیسے اپنی ہی پسیت نر کیبی کے لائیفک اجزاء ہوں

زندگی ناپید اکنار سمندر تھی۔ آدمی، مسرت، غم اور خوف کے بھنور میں ڈولتا ڈوبتا رہتا ہے یقینی کی حالت تھی۔ بہر وقت نامعلوم اور پراسرار خطرہ لاحق رہتا۔ جیسے کاروشن پہلو اس سے زیادہ نہ تھا کہ شبِ ناتمام میں کبھی کبھی ہلکی سی لرزش کے ساتھ جگنو چمک اٹھتا۔

”آدمی نے شعور کی پہلی انگڑائی لی تو اس نے پاؤں تلے دھرتی دیکھی جو کبھی بانجھ ہو جاتی

اور کبھی ہری بھری اس کی کونکھ میں چھپا ہوا تخم پھل پھول کر شادابی و سرسبزی لاتا۔ ماں بن کر مہربان ہو جاتی۔ اگرچہ آدمی دھرتی کا پوت ہے لیکن بہار و خزاں کا بھید نہ پاسکا۔ سمجھا تو بس اتنا کہ یہ دھرتی سال کے ایک حصے میں مرجاتی اور دوسرے میں جیا اٹھتی ہے۔ زندگی سوالیہ نشان بن کر ابھری۔

آج بھی علم کی بیکراں وسعت کے باوجود زندگی سوالیہ نشان بنی ہوئی ہے۔ پھر اس دور میں کون مانی کالال اس کا بھید پاتا۔ جب ابھی فہم و ادراک کی پوہی بھٹی تھی۔ سامنے ایسے دھندلے رقصاں تھے جو عملِ جراحی کے بعد آنکھوں سے بٹی اتارتے ہی نمودار ہوتے ہیں۔

دنیا کا پہلا آدمی ان گنت بھول بھلیوں میں گم تھا۔ ادھر پیدا ہوا اور ادھر الف لیلا اور فسافہ

عجائب کے سارے طلسم خانے اس پر ٹوٹ پڑے وہ بہت حیران ہوا اور پریشان بھی۔ اس کی سمجھ میں خاک نہ آیا۔ پھر بھی ہاتھ پاؤں مارے بغیر نہ رہا۔ فطرت نے اس میں لگاؤ تجسس کی خوڑ ڈالی تھی۔ حیات و کائنات کی ٹوہ میں لگ گیا۔ اس نے اپنی محدود عقل کی شہر پناہ میں رہ کر چار کھونٹ سوچا۔ ابھی تجربے کی دانش نہ ہونے کی برابر تھی۔

”بقول پروفیسر گلبرٹ مرے“ دورِ اول کی نسل انسانی مظہر حیات اور دستور کائنات کے ضمن میں ذاتی نظریہ وضع کرتی۔ ہوا چلتی تو سمجھا جانا کہ کوئی انسان نما مافوق الفطرت ہستی مصروفِ عمل ہے یا نپتے میں جس کے گالوں سے ہوا جھوٹ رہی ہے۔ بجلی گرنے سے کوئی پٹر زمین پر آ رہتا تو سمجھا جاتا کہ غیبی قوت نے کھار اچلا یا ہے۔ لوگ طبعی موت پر ایمان نہ رکھتے ان کے نزدیک بدروح آدمی کو ہلاک کر دیتی۔“

”دھرتی کی طرح آدمی نے بہر صبح نور کی بیداری اور ہر شام اس کی موت دیکھی۔ کائنات

اس کے لئے ناقابل فہم اور لاینفک مسئلہ بن گئی۔ اسے بس اتنا وجدان ہوا کہ اس کائنات میں ایک پراسرار، مخفی، غیبی اور بے پناہ قوت موجود ہے جو ذرے ذرے میں جاری و ساری ہے، جو محیطِ کل ہے، جو پہاڑی پر سے اچانک پتھر لڑھک آتا تو یہ نتیجہ اخذ کرنا قدرتی اور ناگزیر تھا کہ پتھر نے جان بوجھ کر حرکت کی ہے۔ اسی طرح اس نے بجلی، گرج، کانٹک، مینہ، آگ، برف ایلے، چڑھتے اور ڈوبتے ہوئے سورج، بیت چھڑ اور بہار میں قوتِ عمل دیکھی۔

جادو کی اصطلاح میں اس قدرتی کائناتی قوتِ عمل کو "مانا" کہتے ہیں۔

"عہدِ اول کے آدمی کے دل میں یہی خیال پیدا ہوا کہ اس کائنات میں ایک پراسرار مخفی

غیبی قوت ہے جو ذرے ذرے میں جاری و ساری ہے اور وہ انسان، اجنبی بنا دروازے پر دستک دے رہا ہے۔ دروازے کھلے اور دنیا کا پہلا علی بابا خزانہ لے کر چلتا بنے اسے وہ کلمہ نہیں آتا۔ جسے زبان پر لاتے ہی پٹ کھل جاتے ہیں۔ کون اسے "سم سم کھل جا" بتائے۔"

حیات و کائنات اور مظاہر قدرت تو پراسرار تھے ہی خود اس کی ذات بھی اندھے پانال سے کم نہ

تھی۔ اس بھری دنیا میں وہ خود بھی ایک سوالیہ علامت تھا۔ اس نے گنگناقی ہوئی ہواؤں، تھرکتے ہوئے گل بوٹوں، تندی نالوں کی ناچتی ہوئی لہروں، دوڑتے بھاگتے اور تولا نہیں بھرتے ہوئے جانوروں، ہر جاندار اور غیر جاندار پڑوسی سے پوچھا۔ اندر جھانکا، باہر دیکھا۔ دل سے مشورہ کیا۔ دور و نزدیک نظریں دوڑائیں۔ نہ جانے کتنا کرب سہا، کتنی بے چستی گوارا کی۔ کتنی جیرانی اور پریشانی دیکھی۔ امید کی کرن چمکی، ناامیدی کے جھٹٹے آئے، غمش کی دوبرے پڑے جانے وہ کب تک تاریک ڈگر پر بھٹکتا پھرا اور کب اسے وہ منتر، وہ اسمِ اعظم ملا جس سے خزانے کے پٹ کھلتے ہیں۔

"یہ منتر اسمِ سم کھل جا، تھا۔ جاو تھا۔ جاو وہی وہ کلید تھا جس کی مدد سے آدمی پر حیات

کائنات کے دروازے کھلے۔ آدمی کائنات میں داخل ہو گیا۔ یہ سب کچھ شاعرانہ اسلوب میں ہوا یعنی کائنات شعری صداقت بن گئی۔ معمل سے پہلے آدمی نے معبد قائم کیا اور سامنسی پیمانوں سے پہلے تخیل کے وسیلے سے قیاس و قیافہ سے کام چلایا۔

زندگی، موت اور کائنات کے اسرار و رموز سمجھنے کے علم کا نام جادو پڑ گیا۔ ان اسرار و رموز کا عالم جادو گر کہلاتا۔ وہ عالم بھی ہوتا اور عامل بھی۔ وہ دعویٰ کرتا کہ محضی، پر اسرار، مافوق الفطرت اور غیبی قوت، مانا، اس کے قبضہ قدرت میں ہے وہ اسی قوت کی مدد سے غیر فانی ہستیوں کے اعمال اور ان کی منشاء میں عمل دخل رکھتا۔ جادو اس کا آلہ کار تھا، مانا، کبھی بیرونی دنیا میں ہوتا کبھی اس کی ذات میں اسے رام کر کے ہی وہ من مانی کرتا۔

سرپال ہاروے کے الفاظ میں جادو وہ جھوٹا فن تھا جس کی بابت یقین کیا جاتا کہ قدرتی واقعات پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اس کی اصل وجہ وہ غلط فہمی ہے جو اولین دور کی نسل کو قوانین فطرت سمجھنے میں ہوئی۔ آدمی نے علم و عرفان کے ابتدائی مدارج میں سخت خطا کھائی اور پھر اس عالمگیر عقیدے نے اور بھی غلط فہمی پھیلانی کہ ارواح کائنات میں اثر و نفوذ رکھتی اور معمولات فطرت میں دخل ہوتی ہیں۔ ملاحظہ ہو راقم الحروف کی کتاب "جادو اور جادو کی رسمیں ص ۱۳ تا ۱۰-۱۹۵۹" جادو کے موضوع پر بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں۔ لیکن نامور بشریات وال سر جیمز جارج فریزر کی لافانی تالیف (GOLDEU BOUGH) سب سے اہم بنیادی کتاب ہے دین ساحری کی یہ تفسیر کاملہ ہے فریزر کے الفاظ میں جادو قانون فطرت کا جعلی نظام ہے اور گمراہ کن گائیڈ ہے۔

فریزر کے نزدیک جادو... قانون فطرت کے بارے میں مرتب کیا ہوا جعلی نظام فکر و عمل اور گمراہ کن گائیڈ ہے۔ یہ جھوٹا علم ہے اور ناقص فن۔

جادو کی دو قسمیں ہیں۔ نظر پاتی اور فکری، فنی اور عملی،

ابتداء میں جادو گروہی فلسفہ وضع کرنے سے قاصر رہا اس کا سارا دھیان عمل پر رہا۔ اس نے آفات سے بچنے اور دیوی دیوتاؤں اور کائنات کی طاقتوں کو زیر کرنے کے لئے جتن منتر گھڑے، ریتیں رسمیں ایجاد کیں۔ دشمن کو نقصان پہنچانے اور خود کو مستحکم کرنے کے لئے علوی اور سفلی اور عملیات کا سہارا لیا کالاً علم اور عقیدہ علم جادو کے عملی پہلوؤں سے تعلق رکھتے ہیں۔

عملی جادو جن اصولوں سے معرض وجود میں آیا دو دو تھے (و) عمل بالمثل۔ ایک جیسا عمل ایک

جیسا نتیجہ پیدا کرتا ہے نتیجہ اپنے سبب سے ہم آہنگ ہوتا ہے۔

ب۔ عمل رابطہ ایک بار دو چیزوں میں رابطہ قائم ہو جائے اور وہ ایک دوسری کو چھوئیں تو رابطہ ٹوٹنے اور دور ہو جانے پر بھی ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتی ہیں۔

پہلا قانون مماثلت کہلاتا ہے دوسرا قانون رابطہ

گورن لٹنکا انہی دو قوانین کے مطابق کیا جاتا ہے۔ دشمن کو نقصان پہنچانے کے لئے اس کا پتلا تیار کر کے اس میں سونبیاں چھوٹی جاتی ہیں یا پھر اس کے بدن کا کپڑا حاصل کر کے اس پر عمل کیا جاتا ہے۔ پہلے قانون کے مطابق تعویذ بنائے جاتے ہیں۔ یہ تالیف (ہو سوز پیتھک) عمل ہے۔ دوسرے قانون کے مطابق بھی تعویذ بنائے جاتے ہیں۔ یہ عمل رابطہ ہے۔

ریتیں سمیں (یونان کے کلاسیکی عہد کا ڈراما اور قدیم اولمپک کھیل بھی) جادو کے انہی دو قوانین کی پیداوار ہیں۔ بقول فریئر جادو کرنے کے معاملہ میں غلطی کی وہ سمجھا کہ جو چیزیں ایک جیسی ہوں فی نفسہ ایک ہوتی ہیں جو چیزیں ایک بار رابطہ قائم کر لیں پھر ان کا رابطہ ہمیشہ برقرار رہتا ہے۔

آدمی نے ہزاروں سال اسی غلط فہمی میں گزارے۔ منتروں کے حیرت خیز مجموعے تیار ہوئے۔ تصویروں سے لہری پھندی ہوئی، کتاب رنگیناں، جو دین فرعون کی اہم ترین دستاویز ہے اور فرعون کی موت کے بعد کی زندگی کو سمجھنے میں بے حد مدد دیتی ہے۔ مصری جادو گروں کا تخلیقی شاہکار ہے۔ موسیقی، رقص، شاعری، نقاشی، بت تراشی ایسے فنون لطیفہ جادو گروں کی ایجاد ہیں۔

بانسری، ڈھول، بربط اور کئی دوسرے ساز بھی انہی نے بنائے، علاج بالسمی کی ذیل میں ساحر طبیب نے ان گنت تعویذ تیار کئے، انسانی اور حیوانی قربانی کی ابتداء بھی انہی نے کی۔ مذہبی تہواروں، جلوسوں اور عزائی رسموں کے موجد بھی انہی تھے۔ طب ساحری بھی انہی کی ذہنی کاوش کا نتیجہ ہے انہی کے زیر ہدایت عبادت گاہوں میں دنیا کے پہلے بچے اور دنیا کی پہلی زندگی نے جنم لیا۔ دین ساحری کے دور کے بعد جرم و عصیاء کا تصور ان دورہ سستیوں سے وابستہ ہوا۔

فریئر نے دین ساحری کو یوں جدول بنا کر واضح کیا ہے۔

نظریاتی سائنس سے مشابہ لگتا ہے

عملی

مثبت جادو

منفی جادو

الغرض قدیم معاشرہ پوری طرح جادو کی گرفت میں تھا اور جادو نہایت معزز، مرعوب کن بلکہ ڈرامائی ہیئت رکھتا تھا۔ علم و فن کا اجارہ دار تھا۔ تہذیب و تمدن کی ترویج اور ترقی کے نت نئے افکار پیدا کرتا تھا۔ دنیا اور آخرت کی زندگی کے لئے رنج متعلین کرتا تھا۔ وہ تخلیقی کام پر ہمہ وقت مامور رہتا ایک جانب تو جسمانی اور روحانی عارضے دور کرتا دوسری طرف تو بہت پھیلاتا۔ یہ شخص بڑی شے تھا علم و فن کی ساری دولت اپنے قبضے میں رکھتا اور مرنے کے بعد اپنی اولاد یا برادری کے کسی رکن کو سونپ جاتا زمین پرستی (FERTILITY CULT) ہو یا تلک پرستی (SOLAR MYTHOLOGY) جادو گر کی لونڈی تھی۔ دیہی اضلاع اور تہذیب و تمدن کا مجاز تھا۔ وہ جتنا بڑا فنکار اور جس قدر ہوشیار ہوتا اسی قدر احترام کا مقام اور جاہ و جلال حاصل کرتا۔ وہ اپنے کنبے اور پرہتوں کے گروہ سے باہر کسی کو دینی امور کا منظم نہ بناتا اس غیر جمہوری نظام نے جاگیر داری اور نلوکیت کو مستحکم کیا۔

جادو گر کا اقتدار و اختیار

پورا قبیلہ یا معاشرہ جادو گر کے قبضے میں رہتا۔ نسائی قبیلے (CLAN) پر عورت سردار کا اور مردانہ قبیلے (TRIBE) پر مرد سردار کا حکم چلتا۔ مصری پرہتوں کو خطرناک حد تک قوت حاصل ہوتی نہ صرف فرعون کی زندگی میں ڈھیروں دولت جمع کر لیتے بلکہ اس کے مرنے کے بعد اور بھی دولت مند ہو جاتے۔ انکے پاس نسل در نسل دولت جمع ہوتی رہتی کبھی کبھی تو ان کے پاس فرعون سے زیادہ دولت ہوتی۔ فرعون کی وفات کے بعد بھی تجہیز و تکفین کی ریتیں ادا کرتے۔ متوفی کی کعبہ، کو شاہی پرہت شاہی اس کے تعمیر

کردہ ہرم کی بلند چوٹی سے اڑا کر منزل یہ منزل آزمائشوں میں سے گزار کر سونے فلک اور شمس کے حضور لے جاتا تو وہ تو تعمیر شدہ بدقیسی معبد میں بیٹھ کر کامیاب پرواز اور متوتی کے رب شمس میں جانے کے لئے "کتاب رقتگان" کے سحری کلمات کا درود کرتا۔ فرعون کے سفرِ آخرت کو آہسان کرنے کے عوض وہ مرتے دلے سے ڈھیروں دولت اور جاگیر حاصل کر لیتا۔ اسے ہر دینی کام اور تخلیق کا کثیر معاوضہ ملتا دینی اور دنیوی دونوں اعتبار سے اس کی حیثیت خوب مستحکم ہوتی۔ ابتداء میں جادو گر اور قبائلی سردار یا فرمانروائے مملکت کا منصب ایک ہی شخص کے سپرد ہوتا بعد ازاں اسے تقسیم کر کے دو شخصوں کو الگ الگ سونپا گیا۔ جادو گر پھر بھی گھلٹے میں نہ رہا فرمانروا کمزور ہوتا تو جادو گر یعنی دینی سربراہ طاقتور ہوتا۔ اول الذکر اس کے اشارے پر ناچنا یہ پر دستی نظام ہے۔

(PRIESTHOOD) خود دینی آمریت اور اجارہ دار کا بدترین نمونہ پیش کرتا تھا اس قدر مضبوط تھا کہ دنیا کی چھ ہزار سال کی تہذیبی تاریخ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی پیغمبر اسے توڑ سکا اور نہ مذہب کو عوامی جمہوری قدر بنا سکا۔

قدیم مصر اور میسوپوٹیمیا کا مادیان سحری کے زیر اثر رہے اور پروہت کو قابل رشک درجہ ملا۔ فراغت کے تیس خاندانوں کی۔ ۲۴ سال کی تاریخ میں صرف ایک با

قدیم یونانی باشندے پہلا زچی زمین پرست انسانوں اور حیوانوں کو ان خداؤں کے نام پر قربان کرتے جنہیں ان کے ذہن گمان گمراہ پر دستوں نے گھڑا تھا یہ خدا بے نام تھے اور سب کیلئے ایک ہی یونانی نام THCOS یعنی کار ساز تھا یہی کاج صنوار تے اور شیرازہ بندی کرتے۔

مذہبوں بعد مصر سے ان کے لئے نام درآمد کیے گئے۔ ان ناموں کی آمد پر دو دو ناگی قدیم کہا گیا۔ گاہ سے شروع کیا گیا۔ کاپہ تے نہیں بدیسی نام استعمال کرنے کی اجازت ہی اس سے کاپہ کی فراخ دلی اور روشن خیالی عیاں ہے۔

اب یہ لازمیوں نے قربانی کی ریت ادا کرنے وقت دیوتاؤں کو نام سے لے کر پکارنا شروع کیا بعد ازاں یونانی شاعروں ہی سپرد اور ہرم نے خداؤں کی پیدائش کا حال سنایا اور ان کا شجرہ نسب مرتب کیا۔ ان کے منصب امور و فرائض اور اختیارات متعین کئے انہی نے مصری علم و فن کی روشنی میں اپنے اہل وطن کی دینی ضرورت پوری کرنے کیلئے دیوتاؤں کی پیدائش سے سپرد و دوس، ہسٹریز ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵

عارضی طور پر پرودہتی نظام کو شکست ہوئی۔ جب ہزاروں خداؤں کو مسترد اور ایک خدا کو ماننے والا فرعون، آئینِ عطلون اور اس کی بیوی ٹیفر طیبی پندرہ سال (۱۳۵۸-۱۳۵۵ ق م) برسراقتدار رہے تو سورج دیوتا کے مندر بند اور پرودہت تباہ و برباد کئے گئے، لیکن آئینِ عطلون کے مرنے ہی کھیل بگڑ گیا۔ پرانا سورج دیوتا عطلون کا پرودہتی نظام بھی مروج ہو گیا۔

مخبر اجل

جادو کرنے، منہ فی منہ فکری اور عملی طور پر جو ماحول تیار کیا اس میں ڈر خوف اور توہم کی عملداری تھی وہ پورے معاشرے پر پلیدی طرح حاوی تھا۔ ہر شخص کی شہ رگ اس کے ہاتھ میں رہتی بیوت اور زندگی سچ مخ اس کے اختیار میں تھی وہ تو جیسے خدائی اختیارات رکھتا اور خدائی احکام صادر کرتا۔ جسے چاہتا مرنے پر مجبور کر دیتا، اس نے خاص خاص مذہبی جگہوں پر کہانت گا پس (ORACLES) قائم کر رکھی تھیں جہاں باخبر شاعر عورتیں باخیر اور ہوشیار پرستوں کی مدد سے ہر قسم کی پیشین گوئی کرتیں۔ گا پس عورتیں سائلوں کو بڑی ہوشیاری سے کبھی واضح اور کبھی گول مول لفظوں میں جواب دیتیں۔ ان کے فرمان کو کوئی نہ جھٹلاتا۔ قرآن و کتابت کا ہوں پر یہ نفسِ نفیس جاتے اور ہر قسم کے سوال کرتے، بیادرت، معاشرے، اپنی ذات اور امورِ مملکت، فتح و شکست کے بارے میں مشورے کرتے۔ یونانی کہانت گا پس جو مصری کہانت گا ہوں کی طرز پر قائم کی گئی تھیں۔ انہی کی طرح ترقی یافتہ تھیں دنیا جہاں کی خبریں چار ٹھونٹ سے یہاں آکر جمع ہوتیں۔ یہ اعصابی مرکز تھیں۔ بین الاقوامی دفترِ معلومات تھیں دو دو نا اور ویلی کی کہانت گا پس اپنے زلٹنے میں عالمگیر شہرت اور اہمیت کی حامل تھیں۔

عرب کے عہدِ جاہلیت میں کہانت ایک مسلمہ دینی شعبہ تھا۔

ہیروڈوٹس (ہسٹریزن میں ۱۲۲) بتاتا ہے کہ فنقیوں نے مصری تھیمینز سے زیوس کی دو پیچارنوں کو اغوا کیا ایک کو جا کر لیسیا میں بیچا، دوسری کو یونان میں، انہی مغربیہ پیچارنوں نے دونوں ملکوں میں کہانت گا پس قائم کیں۔

ایک روایت یہ بھی ہے مصری تھیبیٹر سے دو کالی ناختمیں اڑیں ایک دو وونا (یونان) پہنچا اور اس نے بلوط کے پیڑ پر بیٹھ کر انسانی آواز میں لوگوں سے کہا کہ اسی جگہ رب البرق والسرعد، زیوس کی کہانت گاہ بنائی جائے۔ یہاں جان گئے کہ یہ حکم آسمان سے نازل ہوا ہے اور اس کی تعمیل لازمی ہے۔ وہاں کہانت گاہ بنا دی گئی۔ یہی کچھ لیبیا میں ہوا۔ یہاں مصری خدا عمون (شمس) کی کہانت گاہ بنا دی گئی۔

دو دونا کی تین پجاریوں پر وکین مشیا، طماریطی اور نیکندرا کی سنائی ہوئی دو کہانیوں میں سے پہلی درست ہے۔

بہتر حال پرانی دنیا میں جادو گروں، کاہنوں اور پرہتوں کو بے پناہ اثر و رسوخ حاصل تھا۔ اگر جادو گر کاہن کسی سے کہدیتا کہ وہ سورج کی آخری کرن کے ساتھ ہی دم توڑ دے تو وہ سچ دم توڑ دیتا۔

جادو گر کاہن کو مجر اجل بھی کہہ سکتے ہیں اس سلسلے میں تین کہانیاں نقل کی جاتی ہیں۔

فرعون کی موت

پہلی کہانی کارادی سپرو ووس ہے۔ فرعون زرع موسیٰ جس کا خزانہ لوٹنے والے دو وزیر زادوں کے واقعے کو بعد ازاں الف لیلے کے قصوں میں ”علی بابا چالیس چور“ کے نام سے ڈھالا گیا، فوت ہوا تو فرعون تو قوع (یونانی کی اولیس) ابرہہ اقتدار آیا۔ اس نے رب عمون (سورج دیوتا) اور دوسرے خداؤں کی عبادت گاہیں ڈھادیں، ان کے پرہتوں کو نکال دیا۔ اور رعایا کو دین سے بے تعلق کر دیا۔ اس نے ہر شخص کو بلا امتیاز غلام بنایا اور اپنے مقبرے (ہرم) کی تعمیر پر لگایا۔ لوگوں کو ٹولوں میں بانٹا۔ کچھ لوگ عرب کی پہاڑیوں سے پتھر توڑ کر لاتے۔ کئی پھلنے کے بعد ایک رسل کا وزن تین سو من سے زائد ہوتا۔ (ہرم اعظم میں ۲۶ لاکھ سیس لگائی گئیں) غلاموں کی تین تین ہینے کی شفٹیں ہوتیں۔ ہر شفٹ میں ایک ایک لاکھ آدمی ہوتے۔ پتھر کی سیس جلنے سے تعمیر پر لانے

کے نئے دس سال میں پانچ فرلانگ لمبا اور ساٹھ فٹ چوڑا صُقل شدہ منقش راستہ تیار کیا گیا یہ ڈھلوان راستہ آخری لفظ پر پہنچ کر ۲۸ فٹ اونچا ہو گیا تھا۔ انہی دس سالوں میں دینی نوعیت کے زیر زمین حجرے بھی بنائے گئے اور کچھ دوسرے کام بھی کئے گئے پورا ہرم بیس سال میں مکمل ہوا۔ یہ اس زمانے (۲۸۷۷ - ۲۹۰۰ ق۔ م) کی بات ہے جب اتنی بڑی چٹانیں کھونے، اکھاڑنے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے، انہیں اس صحت سے تراشنے کہ حجم کے لحاظ سے سربو فرق نہ پڑے اور جمانے کے لئے ایسے آلات اور طریقے دریافت نہ ہوتے تھے جو آج ہم اپنے یہاں کی جناتی تعمیرات پر دیکھ سکتے ہیں۔ آج بلین ڈالر کی مول کل ایک گھنٹے میں ۳۸ فٹ لمبی سترنگ تیار کرتی ہے۔ کھدائی کی بعض کلیں ایک ہفتے میں اتنی مٹی کھود کر جاتے تعمیر سے گزروں و ڈور بھینک دیتی ہیں کہ اس سے پورے مکان کے لئے گارا تیار ہو سکے۔ قدیم روایت کے مطابق ناقابل یقین حد تک قلیل مدت میں ہرم کی تعمیر جادوگروں اور پر دہتوں کی اعانت سے ہوئی۔

اگرچہ مندر بند کر دیئے گئے تاہم دینی جذبہ اور دینی سوچ باقی رہی۔ اس کی بدولت فرعون نے مقبرہ بنوایا۔ جادوگروں اور پر دہتوں ہی نے اس کے لئے یہ فلسفہ تراشا تھا کہ مرنے کے بعد وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جی اٹھتا ہے اس کی ابدی زندگی برقرار رکھنے کے لئے دواہم ایجاویں ہوئیں۔ اس کی نعش کو محفوظ کر کے مستقل طور پر محفوظ کرنے کا فن اور محفوظ شدہ نعش کو سلامت رکھنے کے لئے ہرم کی تعمیر کا فن، ابدی زندگی کے جذبے نے فرعون کو تشدد و پر مائل کر دیا اور اسے ورنہ بنا دیا اس کے وحشیانہ سلوک نے لوگوں کے دلوں میں موت سے بڑھ کر خوف پیدا کیا۔ خوف کے اس ماحول میں ہرم اس صحت اور قلیل مدت میں پایہ تکمیل کو پہنچا میزور لشکر کے لئے مٹولی پیاز پر جو روپیہ اٹھا اس کا اندراج ایک کتبے پر کیا گیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان تین اشیائے خوردنی پر چاندی کے سولہ سو سکے صرف ہوئے روٹی کپڑے کا خرچ ان سے الگ تھا۔ ہرم کی تعمیر جادوگروں کے وضع کردہ دین کی رو سے اس قدر ضروری تھی کہ فرعون اپنی زندگی کے تمام اعمال اور خصال پر اسے ترجیح دیتا اس کے مقابل اپنے محل کو کوئی وقوت نہ

دینا ہرم کی تعمیر پر پوری پوری توجہ صرف کرتا۔ اس کے لئے ہر جائز اور ناجائز طریقے سے روپیہ جمع کرنا تھا۔ اس کے لئے ظاہر ہے، اس کا محل ابدی آرام گاہ تو نہیں تھا۔ روپے کی ٹوٹ پڑتی تو اپنی دختر نیک اختر کو چکلے میں بھیج دیتا اور اس کی کھائی کو اپنی ابدی قیام گاہ کی تعمیر پر صرف کرتا۔ دختر نیک اختر بھی خوب سیانی تھی اس نے ایک طرف تو باپ کے لئے روپیہ جمع کیا اور دوسری طرف اپنے مقبرے کے لئے ہر گاہک سے کہا کہ پتھر کی ایک ایک سل مہیا کرے۔ ان پتھروں سے درسیانی ہرم بنا۔ فرعون قوفوچ پچاس برس تک حکمران رہا۔ بقول پریسٹیڈ ۲۳ سال تک حکمران رہا۔

اس کے بعد اس کا بھائی قبیل رع تاجدار ہوا یہ بھی اسی قبیلے کا چٹا بٹا تھا۔ اس نے بھی ظلم و تشدد میں کوئی کسر اٹھانے رکھی قوفوچ کے ہرم اکبر کے برابر اس نے اپنے لئے نسبتاً چھوٹا ہرم بنوایا۔ ۶ سال تک حکمران رہا۔ یوں دونوں فرعون ایک صدی تک ہزاروں خدائوں کی سرزمین پرارضی خدا بن کر ظلم ڈھاتے رہے۔ یہ بدترین دور تھا۔ عبادت گاہیں بند رہیں۔ خزانہ خالی ہوا اور لوگوں کو پرل بھر کے لئے دیکھ کا سانس نصیب نہ ہوا انہیں دونوں فرعون نے سخت نفرت ہوئی اور یہ بد حالی دپامالی کے ذمہ دار قرار پاتے۔

ان کے بعد قوفوچ کا پسر مینقور رع فرعون بنا۔ یہ باپ اور چچا سے طبعاً مختلف تھا۔ اس نے پرانی پالیسی موقوف کی۔ عبادت گاہیں کھول دیں جو ایک سو سال تک بند رہی تھیں۔ لوگوں کی غلامی کی زنجیریں کاٹیں اور انہیں اپنی اپنی پسند کا کام کرنے کی اجازت دی۔ عدل و انصاف کو رواج دیا پھر اس نے ایک غلط کام کیا۔ اس نے اپنی بیٹی پر مجرمانہ حملہ کیا فرعون کو بہن اور بہن کے نہ ہونے کی صورت میں بیٹی) سے بیاہ کی اجازت تھی۔ لیکن مجرمانہ حملہ ناجائز فعل تھا مصر میں تخت و تاج کی اصل وارثہ شاہی خاندان کی عورت ہوتی۔ اس سے بیاہ کر کے ہی کوئی شخص فرعون بنتا۔ مجرمانہ حملے کے بعد مینقور رع کی بیٹی نے خودکشی کر لی۔ باپ اس کے لئے ہرم نہ بنا سکا کہ یہ بہت بڑی چیز تھا اور انسانوں سے جانوروں کی طرح کام لئے بغیر معرض وجود میں نہ آسکتا تھا۔ مصارف اور مصیبت سے بچنے کے لئے متوفیہ کو بڑا اٹوکھا مقبرہ ملا۔ فرعون نے کاٹھ کی گائے بنوائی۔

گائے متبرک جانور تھا اور دینِ ساحری (FERTILITY CULT) میں بڑے اہتمام سے پجرتی تھی لوگ اسے دیوی مانتے۔ کاٹھ کی گائے اندر سے کھوکھلی تھی، باہر طلائی کام کیا گیا تھا۔ دونوں سینگوں کے درمیان سونے کا تھاں اڑایا گیا تھا جو سورج کی علامت تھا۔ شہزادی کی حنوط شدہ لاش اس میں رکھی گئی۔ اس عجیب و غریب مقبرے کو شاہی محل میں رکھا گیا۔ جہاں ہر وقت خوشبو میں جلیں۔ رات کو چراغان ہوتا۔ گائے پر لال چادر پڑی رہتی۔ قبروں پر چادر چڑھانے کی ریت یہیں سے لی گئی ہے۔ سال میں ایک بار گائے کو سورج کی روشنی میں لایا جاتا اور مصری دیوی کے لئے سینہ کو پی کی جاتی۔ یاد رہے گاڈپرستی اور شمس پرستی دو الگ الگ اور مخالف مسک تھے۔

گائے کے برابر دالے کمرے میں فرعون کی بیس و اشتاؤں کے بڑی بڑی جسامت کے ننگے کٹھ پتلے رکھے گئے تھے۔ اس کا حکم بھی جادو کرنے دے رکھا تھا۔ جادوگر ہی نے فرعون کو یہ بات سمجھائی تھی کہ مرنے کے بعد فرعون ابدی زندگی پالیتا اور دنیاوی انداز میں زندگی بسر کرتا ہے۔ اسے اپنی عورتوں سمیت زرد جوہر اشیائے خورد و نوش اور استعمال میں آنے والی ہر چیز مطلوب ہوتی ہے۔ (مردوں کے ختم پڑھانے، کھانے پینے اور پہننے کی چیزیں اور نذر نیاز دینے کا سلسلہ یہیں سے شروع ہوا)۔

”بیٹی کی موت کے بعد فرعون منیفورع پر دوسرا عذاب نازل ہوا جو یقیناً اس کے حملہ جملے کا نتیجہ تھا۔ اس نے بیٹی کی عصمت لوٹی اور اس کی جان لی۔ اس پر عوام میں غیظ و غضب کی لہر دوڑی ہوگی اور پرہیزگار ہونے ہوں گے۔ لوط کی کہانت گاہ سے پیغام آیا کہ وہ صرف چھ سال جیے گا۔ ساتویں سال مرجائے گا۔ کاہنہ کا یہ حکم بجلی بنگے گرا، فرعون منیفورع نے جواب میں سخت پیغام بھیجا اور دیوتا پر ملامت کی۔ برہم ہو کر اس نے کہا کہ اس کے باپ اور چچا خدائوں کو بھولے رہے۔ انہوں نے ظلم و تشدد کی انتہا کر دی، رعایا کو غلام بنایا لیکن ان ظالموں نے اتنی لمبی عمریں پائیں اور وہ جو رعایا پر مہربان ہوا جس نے لوگوں کو خوشی اور خوشحالی دی اسے اتنی جلدی مرجانے کا حکم صادر کیا گیا۔ کاہنہ نے کہلا بھیجا کہ اس نے

وہ نہیں کیا جو اسے کرنا چاہیے تھا۔ اس کی عمر کافیصلہ ہو چکا ہے۔

کاہنہ کا یہ فیصلہ اٹل تھا۔ فرعون اس کے سامنے بے بس ہو گیا۔ وہ پردہ ہی نظام کا بال
بیکار نہ کر سکا۔ تنگ آکر اس نے جینے اور عمر بڑھانے کی ترکیب سوچی۔ اس نے بیشتر ویسے بنوائے
جو شام جلانے جاتے اور رات کو دن بنا لیا جاتا وہ رات دن روشنی میں شراب پیتا اور عیش و عشرت
میں زندگی گزارتا۔ راتوں کو روشن کر کے زندگی کے چھ سالوں کے بارہ سال بنائے اور کہانت کو
جھٹلایا۔ اس نے چھوٹا ساہرم بھی بنوایا۔ اس داستان سے جگہ جگہ اس امر کا سراغ ملتا ہے۔ کہ
جادوگر اپنے عہدِ عروج میں کس قدر قوت اور اثر و رسوخ کا مالک تھا۔ ارضی خدا بھی اس کے سامنے
دم نہ مار سکتا موت تک اسکے اختیار میں تھی۔

ماں کا شوہر، شاہ ایدی پس

جادوگر کی بالادستی کی یہ کہانی یونان سے تعلق رکھتی ہے جس پر پانچویں صدی قبل مسیح
کے لاثانی ڈراما نگار سوکلیزن نے زبردست المیہ تخلیق کیا۔
تھیسیز (یونان کے فرمانروا) نے ای اس کی بیگم، جیکو ستا کے بطن سے بچہ پیدا ہوا۔ کاہنہ
کے ذریعہ اپالو اورب الشمس کا حکم ملا کہ وہ بیٹے کے ہاتھوں ہلاک ہوگا۔ بیوی نے میاں کے ڈر سے
نوزائیدہ بچے کو گڈریے کے حوالے کیا جو اسے سرحد کی پہاڑی پر ڈال آیا۔ یہاں سے سرحد پار، کوئٹہ
کا گڈریا بچے کو اٹھا کر لے گیا اور شاہی محل میں پہنچا آیا جہاں شہزادہ ایدی پس پل کر جوان ہوا۔
وہ خود کو ریاست کوئٹہ کے شاہی خاندان کا سپوت سمجھتا لیکن ایک محفل میں کسی نے کہا کہ وہ
کوئٹہ کے شاہی خاندان سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ وہ جانتے کون ہے یہ یہ طعنہ اسے کھا گیا۔
وہ سیدھا فونیشی کی کہانت گاہ پر پہنچا۔ جہاں ہر مشکل حل کی جاتی ہر سوال کا جواب دیا جاتا۔ ویلی کی
کہانت گاہ عالمگیر شہرت رکھتی تھی۔ یہ خبر رسال اپنسی تھی۔ ایدی پس کو سوال کا جواب تو کیا ملتا
اس کی قسمت کا فیصلہ کر دیا گیا۔ کاہنہ نے کہا وہ باپ کو قتل کرے گا اور ماں سے بیاہ جائے گا۔

فرعون حرمِ حَب

ایک خدا کو ماننے والے آخینِ عَطُون کے عملے میں

ایک ذہین اور عیار آدمی تھا جس کا نام حرمِ حَب تھا اور

پرہیزگاری کے خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ آخینِ عَطُون کے بعد

کھڑے فرعون حکمران ہوئے تو حرمِ حَب نے خوب طاقت پکڑ لی۔

بالآخر سپہ سالار اور وزیرِ اعظم بن گیا اس نے اپنے نئے بہ خطابات

گھرے۔ بڑوں کا بڑا، زبردستوں کا زبردست، عوام کا آفتاب

اعظم، فرعون کا سپاہی اور شمال و جنوب کی فوج کا سردار،

فرعون کا خاص پیارا، زیریں اور بالائی مصر کا صدر، سپہ سالار

کا سپہ سالار، فرعون کا کوئی ملازم کبھی ان خطابات کا حامل نہیں

ہوا۔ اٹھارہویں خاندان کے بعد حرمِ حَب نے ایشیوس خاندان کی

بنیاد ڈالی۔ پرہیزگاری کے سوا کچھ کے ساتھ دیا اسے ربِ رع

سوج کا بیٹا قرار دیا۔ فرعون بننے کیلئے شاہی خاندان کی کسی عورت

سے سیاہ کرنا ضروری تھا چنانچہ قانون کا تقاضا پورا کرنے کیلئے اس

نے اچھائی فرعون آخینِ عَطُون کی عمر رسیدہ سالی عتوں کی بڑی بیچارہ

بیت شریف رع سے سیاہ کر لیا اور ارضی خدا بن گیا۔ پھر اسے کی پوجا

کرنی والوں کا حکمران ارضی خدا ہونا۔ فرعون حرمِ حَب نے تو یہ پرست

فرعون کے بند کئے ہوئے عید کھولے، پرانا دین از سر نو لایا گیا اور

کی دلدلوں سے نوبیہ تک معبد بنوائے۔ اپنا اور اپنی ملکہ کا بت

بنوا کر بتِ حور شد کے معبد میں رکھوایا۔ اچھائی آخینِ عَطُون نے اپنے

دامِ خدا عَطُون کیلئے جو مینار بنوائے تھے وہ اس نے توڑ پھوڑ

دیے۔ پھیسیر کے دار الحکومت میں جو عظیم عید تھا اسے گرا کر اسکے پتھر

اور مصالحے سے اسکے جانشینوں نے صرف کیا لوگ اچھائی تو حیدر

پرست فرعون سے اتنی نفرت کرنے لگے جتنی اے مصر کے تین خداؤں سے تھی

وہ سمجھا کہ پیشینگوئی کو زنتھ کے تاجدار اور ملکہ کے بارے

میں ہے کہ وہ انہی کو اپنے ماں باپ سمجھتا دیتی ہے

باہر آیا اور اس نے کو زنتھ سے منہ موڑ لیا وہ اس راستہ

پر چل پڑ جو پھیسیر کو جاتا تھا۔ تڑا ہے پر ایک خود سر

رہبان سے مدد بھیڑ ہوئی۔ رہبان اسے کچل ہی دیتا

کہ اس نے برچھا مار کر اسے مار ڈالا۔ یہ پھیسیر کا حکمران

لے آیا اس تھا۔ کاہنہ کی پیشینگوئی کا ایک حصہ پورا ہوا

وہ پھیسیر ہینچا یہاں ایک جادو گر بنی بنت ام الہول SPANIX

نے تباہی مچا رکھی تھی۔ وہ لوگوں سے ایک پہلی پوچھتی اور

جواب نہ ملنے پر انہیں ہلاک کر دیتی بلکہ جیکو ستا کے بھائی

کری ادن نے منادی کر دانی کہ جو کوئی جادو گرئی سے نجات

دلائے گا پھیسیر کا تخت پائے گا اور ملکہ جیکو ستا سے پیاما

جائے گا۔

ایدی پس نے چیلنج قبول کیا اس نے جادو گرئی

سے پہلی پوچھی۔ اس نے کہا "وہ کون سا جانور ہے جو

صبح کو چار ٹانگوں پر چلتا ہے درپہر کو دو ٹانگوں پر

چلتا ہے اور شام کو تین ٹانگوں پر؟"

"آدمی" ایدی پس کا جواب تھا۔

جادو گرئی ہار گئی شکست کی شرمساری برداشت

نہ کر سکی۔ اس نے خود کشی کر لی۔

ایدی پس کو اپنے کارنامے کے عوض پھیسیر کی حکومت

اور ملکہ ملی۔ ویلفی کی پیشگوئی پوری ہوئی۔

ایدی پس نے باپ کو تہرا ہے پر مارا اور ماں سے بیاہ کیا۔ اس سے دو لڑکیاں اور دو لڑکے ہوئے۔ قتل اور زنا بالمحرمات پر اپالو ویولٹ نے تحقیق پر ویلی بھی۔ بالآخر مقامی پیغمبر کے اصرار پر وہ بھید کھلا جس سے (سوفو کلینز کی تمثیل کے مطابق) ایدی پس اور جیکوستانا واقف تھے۔ جیکوستانا نے پھانسی لے لی۔ ایدی پس نے آنکھیں پھوڑیں اور کچھ مدت مارا مارا پھرنے کے بعد زمین میں غائب ہو گیا اسیتا بھی لنکا سے آنے کے بعد اسی طرح زمین میں غائب ہوئی تھی۔ رامائن کی اس عجیب و غریب داستان کے نکات پھر پیش کئے جائیں گے۔

بیٹے اور باپ کی نفرت، ماں اور بیٹے کی محبت اور زنا بالمحرمات (incest) میں فریڈر نے نہایت قیمتی معلومات فراہم کی ہیں۔ دور ساحری میں بیٹے کی قربانی کی بنیاد کا تعلق بھی باپ بیٹے کی نفرت ہے۔ فرائیڈ نے اپنی گراں مایہ کتاب (TOTEM AND TABOO) میں اس پورے مسئلے پر نہایت تفصیل سے گفتگو کی ہے فرائیڈ ہی نے "ایدی پس عارفے" کی اصطلاح وضع کی۔

ایدی پس کی اس کہانی میں بھی جادو گروں اور کہانت گاہوں کا کردار واضح ہوتا ہے جادوگر زندگی اور موت سے کھیلتا تھا وہ اس کام پر بہ حکم مامور تھا۔ مصر کا فرما نروا ہویا یونان کا مطلق العنان تاثیر نت کوئی اس پر خادی نہ ہو سکتا۔

دنیا کا پہلا جادوگر

دنیا کا سب سے پہلا جادوگر کب پیدا ہوا؟ اس کا کوئی کیا جواب دے کیونکہ تاریخ سے قبل بھی انسان موجود تھا۔ فلسفے کی ابتدا سے پہلے بھی وہ جنگی بھلی سوچ رکھتا تھا۔ اس لئے کہہ سکتے ہیں کہ جادوگر آدمی کے پہلے کنبے میں پیدا ہوا اور مرگ و حیات، زمین اور کائنات، رات دن، سماوی آفات، حادثات اور کارخانہ قدرت کے بارے میں ان سوالات کے جوابات دینے اور اس سلسلے میں تیاسات اور مفروضات گھڑنے لگا جو شعور پکڑتے ہی آدمی کے دل و دماغ کو پریشان کرنے لگتے ان جوابات، تیاسات اور مفروضات میں برائے نام سائنسی رجحان ہوتا اور نہ شعری صداقتیں ہی ہوتیں۔ اس طرح جھوٹ کے نہایت ہی دلغریب تانوں بالوں سے وہ ایسا جال بُنتا گیا کہ چند ہزار سال کے اندر انسانی فکر و عمل کے تمام دائرے اس جال میں آگئے۔ اور انسان بری طرح اس میں جکڑ گیا۔ جادوگر نے اپنی گرفت اتنی سخت کر لی کہ نکلنے کی راہ نہ رہی۔ انسان تو انسان حیوان، چترند پرند، پٹیریلو دے، تمام مخلوقات، موجودات، افلاک اور کائنات سمجھی کچھ جادوگر کے جال میں سمٹ آیا۔ اس نے سب کو زیر کر لیا اور تمام جہانوں کا کرتا دھرتا بن گیا۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ اس کے جھوٹ کا پول کھول سکے اس کے سوا کسی کے پاس کوئی حقیقت، کوئی صداقت نہ تھی۔

جادوگر نے سب سے پہلے کنبے میں آنکھ کھولی۔ وہ اپنے کنبے کا سردار تھا۔ اسی کی قیادت میں کنبے کے لوگ شکار پر نکلے۔ عورتیں پیروں اور جھاڑیوں سے جنگلی پھل توڑتیں۔ کنبے میں کوئی زخمی ہو جاتا، بیمار پڑ جاتا، مر جاتا، کوئی عورت بچہ جنمتی یا اسے حیض آجاتا تو کنبے کا

جادوگر سربراہ مشکل آسان کرتا۔ وہ اپنی معلومات، مفروضات اور سائنسی انکشافات کو بڑی سختی سے اپنی ذات تک محدود رکھتا اور اپنی ذات کو پراسرار بنانے کی پوری پوری سعی کرتا وہ کنبے کی سب سے قوی اور خوفناک ہستی تسلیم کیا جاتا۔ کنبے کے لوگ قیادت اور ہدایت کے لئے اس کے محتاج ہوتے جیب کنبہ بہت بڑھ چھیل جاتا، ارکان کی تعداد سینکڑوں تک پہنچتی اور وہ بہت بوڑھا ہو جاتا اور کنبے کے کام کاج سنوارنے کے لائق نہ رہتا تو اس کا بڑا لڑکا اسے ٹھکانے لگا دیتا۔ اس کی خواتین پر قبضہ جمالیتا، اپنی ماں کے علاوہ سب کو تصرف میں لاتا، تمام املاک و اموال اور اختیارات قبضے میں لے لیتا اور جادوگر مسردار بن بیٹھتا اور جہاں کہیں چند کنبوں نے مل کر بستی بسائی، سب سے چالاک اور ذہین آدمی نے عنان قیادت سنبھالی اور وہ جادوگر کا فریضہ ادا کرنے لگا۔

جادوگر تہذیبی سوچ کا بانی تھا۔ یہ بیک وقت معنی، رفاص، شاعر، طبیب، معمار اور بہت کچھ تھا۔ اساطیری داستانیں جن پر پچھلے سو سال سے نفسیات اور بشریات کے ماہرین تحقیق و تفتیش کر رہے ہیں، جادوگر کی ذہنی کاوش کا دلاویز نتیجہ ہیں۔ نجومیات، فلکیات، کیمیا، فن تعمیر، ریاضی اور ایسے ہی مفید علوم و فنون کا بہی موجود ہے۔ اسی نے فرعون کو خدا بنایا اسی نے مرنے کے بعد ابدی زندگی کا تصور دیا الغرض تہذیبی ارتقاء کی انتہائی دلنریب ابتدائی سمنزلیں اسی نے طے کیں اور پاتال نے کراوج فلک تک اسی کا اقتدار تھا۔

جادوگر جس قدر ذہین اور ہوشیار تھا اسی قدر پراسرار، مقدس، خوفناک، طاقتور اور اہم تھا۔ اپنے تراشے ہوئے خداؤں کو زیر کرنے، انہیں اپنے امور و فرائض پر مامور رکھنے اور ان سے کام لینے کی ترکیبیں جانتا تھا۔ وہی ان کی رموزوں سے آگاہ تھا۔ انجان کے لئے اس کے قریب میں موت تھی۔ یہ زبردست پیدائشی جادوگر ہوتا "میجک" کے مولف ڈاکٹر ہینر ڈی بیٹر کے نزدیک اس شخص میں جادوگر بننے کے لئے قدرتی اوصاف پائے جاتے۔ ایسا شخص شعوری طور پر ان اوصاف سے پورا پورا فائدہ اٹھاتا، سرخ آنکھوں والا غصیل آدمی اپنے آپ ہی جادوگر

بن بٹھتا۔ بعض افریقی قبائل کبڑوں کے بارے میں سمجھتے کہ انہیں قدرت نے غیر معمولی وصف دیا ہے۔ بڑے ہو کر یہ کبڑے مندروں پر قبضہ جاتے اور پر دہت بن جاتے۔ مرد کا عورتیں (ہیر میٹرو وائٹی) بھی جادو گر بنیاں بن جاتیں۔ ڈراؤنی شکلوں والے لوگ سفلیات (کالے جادو) کے عامل بن جاتے۔ جادو گر کا بیٹا بھی جادو گر ہوتا۔ اس طرح مصر اور دوسرے قدیم مہذب

ممالک میں جادو گروں کے بڑے بڑے خاندان پیدا ہو گئے۔ ہند میں برہمنوں نے وہی کردار ادا کیا جو قدیم مصر اور میسوپوٹیمیا میں جادو گروں کے خاندانی ٹولوں نے ادا کیا۔ وہ تہذیبی و تمدنی اور سیاسی زندگی میں پوری طرح ذخیل تھے۔ ان کی منشا کے بغیر کچھ نہ ہو سکتا تھا۔

زرعی تہذیب نے فکر و عمل کے دروازے بے پناہ کشادہ کئے اور عورت کو اقتدارِ اعلیٰ حاصل ہوا۔ وہ زبردست جادو گر بن گئی اور بڑی کامیابی سے معاملات زندگی سے عہدہ برآ ہونے لگی۔ جادو گر اور جادو گر بنی دونوں کی سوچ ایک تھی، عمل ایک تھا۔ تہذیبی ارتقا بہر حال ہوتا رہا۔

جادو گر اپنے آپ کو پاکیزہ رکھتا البتہ جو ب قبیلے کو لے کر دشمن پر حملہ آور ہوتا تو خون ریزی کے بعد ناپاک ہو جاتا۔ یہ اس کا اپنا نظریہ تھا۔ اسی نظریے کی رو سے خصی کی حالت میں یا ایامِ زچگی میں عورت ناپاک ہو جاتی۔ یہ صریحاً طبی سائنسی نقطہ نظر تھا۔ لیکن جادو گر کی سوچ کے مطابق یہ طب اور سائنس نے کوئی تعلق نہ رکھتا تھا۔ اس کی سوچ کا دھارا شاعرانہ انداز سے غیر شعوری اور نامعلوم طور پر چلتا اور سائنسی رویوں کو جنم دیتا۔

نیوگنی کا جادو گر لفظوں میں ویسٹرو شمن کا خون بہانے اور سرکٹ لانے کے بعد جب ناپاک ہو جاتا تو کھر جانے کی بجائے مردانہ کلب باؤس میں چلا جاتا۔ یہاں گھاس پھوس کا بہت بڑا جھونپڑا ہوتا۔ شاید یہ گاؤں کا بھوت گھر۔ پوجا پاٹ کی جگہ تھا اس کے آگے صحن ہوتا۔ گاؤں کی عورتیں اور مرد جمع ہو کر ناچنے گاتے۔ یہ ناچ گانا ہی ان کی عبادت تھا اس سے بدروہیں بھاگ جاتیں۔ نیک رویوں خوش ہوتیں اور گاؤں والوں کی حفاظت کرتیں۔ اس

طرح جادوگر۔ سردار قبیلہ کی مہم جوئی اور فتح یابی کا جشن منایا جاتا۔ منتر پڑھے جاتے۔ جادوگر میں فتح و نصرت کے بعد زیر دست مانا۔ ”پڑا سر سحری قوت آجاتی۔ ایسے میں وہ کسی کو ہاتھ نہ لگاتا۔ بیوی بچوں کو بھی نہ چھوتا کیونکہ اس طرح انہیں اس کی ”مانا“ گزند پہنچاتی۔ نہانے دھونے اور ریتیں رسیں ادا کرنے کے بعد وہ پاک صاف ہو جاتا اور مہمول کے مطابق زندگی بسر کرنے لگتا۔ اگلے وقتوں کے لوگ قتل سے بہت خوفزدہ ہوتے۔ اس کے بغیر چارہ بھی نہ تھا دشمن کو قتل کرنا ہی پڑتا لیکن اس کے بعد کفارہ بھی ادا کرنا پڑتا۔ جادوگر کے دستور ممنوعات (ٹیپو) پر عمل کرنا پڑتا۔ اگر بیما انڈین کسی اباچی کو قتل کر دیتا تو جادوگر کی ہدایت کے مطابق نایاکی سے نجات پانے کے لئے سخت تدبیریں اختیار کرنی پڑتیں۔ سولہ دن تک وہ نمک اور گوشت کو ہاتھ نہ لگاتا، کسی سے کلام نہ کرتا۔ آگ کی طرف نہ دیکھتا۔ جادوگر کی ہدایت سے سر مو انحراف نہ کرتا جو پورے قبیلے کے رویوں کی سمتیں متعین کرتا اور راست رکھتا۔ جنگل میں تنہا رہتا۔ ایک بڑھیا اسے کھانے پینے کی چیزیں لادیتی۔ دریا میں نہاتا، سر پر کچھ ملتا۔ یوں وہ مقتول کا سوگ مناتا، ہتھیار دن سب لوگ ریت مناتے جس میں اسے اور اس کے ہتھیاروں کو پاک کیا جاتا۔ تزکیے کی یہ رسوم امریکہ کے اور کسی قدیم قبیلے میں اتنی سختی سے راج نہیں ہوئیں۔ مقتول کی روح کی تسکین کے لئے یہ ریتیں ضروری تھی۔ ایسا نہ کیا جاتا تو مقتول کی روح زیر دست تباہی پجاتی اور پوری بستی پر آفت لاتی۔

قتل کا ارتکاب بہت بڑا واقعہ ہے اور اپنے ساتھ خوف کی زبردست لہر لاتا ہے۔ یہ خوف قاتل ہی نہیں پورے گاؤں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا۔ اس لئے جادوگر نے قاتل اور پورے قبیلے کو خوف اور گزند سے بچانے کے لئے سحری تدابیر ایجاد کیں۔ لوگ ان پر پوری سنجیدگی سے عمل پیرا ہوتے۔

جادوگر، سردار قبیلہ اور بادشاہ کی حفاظت اور سلامتی بھی ضروری تھی کیونکہ انہی سے بازار حیات کی رونقیں قائم تھیں۔ اس سلسلے میں متعین و تقسیم کے ٹیبو برتنے جاتے۔ بقول فرانسس

جادوگر، سردار قبیلہ یا بادشاہ پر اسرار اور خطرناک سحری قوت کا حامل ہوتا۔ اسے چھونے سے برقی لہسہ کی طرح یہ چھونے والے کے بدن میں سرایت کر جاتی اور اسے ہلاک کر ڈالتی کوئی بڑے ہمت اور حوصلے والا ہوتا تو پرخ رہتا لیکن کچھ نہ کچھ نقصان ضرور اٹھاتا۔

مشرقی افریقہ کے ”نوبا“ اپنے جادوگر بادشاہ کے گھر میں قدم نہ رکھتے وہ اپنا پایاں نشانہ آگے کر دیتے جسے جادوگر بادشاہ تھپک دیتا۔ اس طرح اسے حفاظت کی ضمانت مل جاتی لیکن جادوگر بادشاہ کو چھونے سے الٹا اثر ہوتا۔

جادوگر بادشاہ کے ہاتھ میں شفاء تھی وہ جسے چھولیتا اس کا مرض دور ہو جاتا۔

انگلستان کے بادشاہ جو خدا کا نائب اور بادشاہت کو خدا کی دین سمجھتے ہاتھ کے لمس سے خنازیر کے مریضوں کو تندرست کرتے۔ سترھویں صدی کے بادشاہ اس ضمن میں بڑی شہرت رکھتے تھے پھر جیب ولیم آف ادریج فرمانروائے انگلستان ہوا تو اس نے ایسی بیہودگی سے گریز کیا البتہ ایک بار جب وہ ہاتھ کے لمس سے کسی بیمار کو تندرست کرنے پر مجبور کیا گیا تو اس نے کہا ”خدا تجھے تندرستی دے اور زیادہ عقل عطا فرمائے“

فریڈ نے فریزر کے حوالے سے بتایا ہے کہ ایک بار نیوزی لینڈ کے کسی سردار کا بچا کھچا کھاتا بے دھیانی میں اس کے غلام نے کھا لیا جو خوب تندرست و توانا اور قوی الجتہ تھا۔ جب اسے بتایا گیا کہ اس نے سردار کا بچا کھچا کھاتا کھایا ہے تو اس کے بدن ٹڑنے مرنے لگا۔ آخر وہ اسی تکلیف کی حالت میں اسی دن غروب آفتاب کے وقت دم توڑ گیا۔

جادوگر، سردار قبیلہ اور بادشاہ کی ذات میں اس کے بے پایاں اختیارات، قوت، عقل و دانش خاندانی وجاہت کی بدولت ”مانا“ (پراسرار سحری قوت) پائی جاتی ہے جو بے حد خطرناک، بسا اوقات مہلک ہوتی ہے۔ اس کا جسم ہی نہیں اس کے استعمال کی چیزیں بھی خطرناک سمجھی جاتی تھیں انہیں کوئی نہ چھیڑتا۔ ان لوگوں کے قہر سے بچنے کے لئے حصار کھینچ دیا جاتا۔ یوں کوئی شخص ان تک نہ پہنچتا۔ جب بھی کوئی ان کے حضور جاتا، سر جھبکتا اور بڑے ادب سے پیش آتا۔

ان لوگوں نے اپنے لئے یا دوسروں کے لئے جو ٹیبو (دستورِ ممنوعات) وضع کیا اس کی وجہ ظاہر ہے یہ لوگ پورے معاشرے کے کرتا دھرتا اور سب کی سلامتی کے ضامن تھے۔ تمام انسانی اور معاشرتی رویوں کی نگہداشت کرتے۔ لوگ ان کے شکر گزار ہوتے کیونکہ مینہ اودھوپا نہیں کی بدولت تھی۔ انہی کی مہربانی (جنتر منتر اور تعویذوں) سے زمین پھل اگاتی، کشتیاں کنارے آ لگتیں، لوگوں کے پاؤں تلے کی سخت زمین بھی انہی کی بدولت تھی۔

”وحشی قبائل کے یہ حکمران ایسی طاقت اور صلاحیت رکھتے جو صرف خداؤں میں پائی جاتی اور

جن سے متعدد فوائد حاصل ہوتے“

جادوگر کا وجود بیک وقت حیاتِ بخش بھی تھا، مہلک بھی اور ناگزیر بھی، اہل قبیلہ اس کا بے پناہ احترام کرتے بشرطیکہ وہ ان کے فائدے کے لئے معاشرتی امور و فرائض بحسن و خوبی انجام دیتا۔ قدرت کے رویوں کو ان کے موافق رکھتا۔ اگر اس کے امور و فرائض میں کوتاہی اور بے پردائی آجاتی تو اس کا سارا ادب و احترام اور تقدس جاتا رہتا۔ لوگ محبت کی بجائے اس سے نفرت کرنے لگتے۔ وہی لوگ جو اسے اپنا آقا مانتے اور خدا بنا کر پوجتے اس سے چھٹکارا پانے اور مار ڈالنے پر تُل جاتے۔ اگر وہ ان کے قہر و غضب سے چھوٹ جاتا تو یہ معجزہ ہی ہوتا۔ محض بادشاہ بن جانا کافی نہ ہوتا۔ اس کے بعد اسے قبیلے کا محافظ اور پالنے والا بننا پڑتا۔ جاپان کا تاجدار۔ مکید و خدا کا درجہ رکھتا۔ دو ہزار سال پرانی ایک دستاویز سے پتہ چلتا ہے کہ مکید و زمین پر پاؤں نہ دھرتا کیونکہ یہ اس کی شان اور اس کے تقدس کے خلاف تھا۔ جب بھی کہیں جاتا لوگ اسے شانوں پر اٹھا کر لے جاتے۔ سورج کو اس لائق نہ سمجھتے کہ اس کے پاک جسم پر اپنی روشنی ڈالے وہ ہر روز کبھی کبھی گھنٹے سخت پر ساکت و ساکن ہو کر بیٹھتا کیونکہ اس طرح اس کی سلطنت میں امن و سکون رہتا۔

یہ آداب اور سوچ جادوگر ہی نے وضع کی تھی اس کے لئے کوئی سائنسی تشریح میسر نہیں۔

جوں جوں ماضی میں جاییں توں توں جادو کا یہ گورکھ دھندا مضحکہ خیز معلوم ہو گا۔

بعض اوقات فرمان روا پر اتنی پابندیاں عائد کی جاتیں کہ بے چارہ مظلوم ہو کر رہ جاتا۔ ایسے میں کوئی شخص فرمان روا بننے کی خواہش دل میں نہ رکھتا۔

جادو کی دنیا میں ایک اور مزے کی بات ملتی ہے، زندہ سے مردہ زیادہ قوی اور خوفناک تصور ہوتا۔ زبردست سے زبردست زندہ بادشاہ کسی مردے سے مقابلہ نہ کر سکتا بقول فریڈٹ "مردے زبردست حکمران مانے جاتے"۔

لوگ مردے سے ڈرتے، ماورسی قبیلے کے لوگ مردے کو ہاتھ نہ لگاتے جو شخص مردے کو اٹھاتا، کھاتا، دھاتا اسے ہاتھ لگاتا، لوگ اس سے خوف زدہ ہو جاتے اور اس سے ہر طرح سے قطع تعلق کر لیتے۔ وہ نہ تو کسی گھر میں جاتا نہ کسی کو ہاتھ لگاتا مبادا کسی پر اس کا اثر بد ہو جائے وہ ناپاک سمجھا جاتا۔ کھانے پینے کی کسی چیز کو ہاتھ نہ لگاتا کیونکہ اس طرح وہ ناکارہ ہو جاتی وہ صرف زبان سے چاٹ لیتا اور جانوروں کی طرح پانی پی لیتا۔ یہ شخص "ٹیپوزوہ" (شجر ممنوعہ) قرار دیا جاتا۔ ہر گاؤں میں کوئی نہ کوئی ایسا بیچ ضرور ہوتا جو مردوں کی رسوم (تکفین و تدفین)۔

ادا کرنے والے شخص کی خدمت کرتا۔ ٹیپوزوگی کی میعاد ہوتی، اس میعاد کے بعد وہ پاک ہو جاتا اور پھر لوگوں سے ملنے جلنے لگتا۔ پونی نیشیا، میلانیشیا اور افریقہ کے بعض حصوں میں یہی کچھ ہوتا جو آدمی مردہ سردار کو ہاتھ لگاتا، اسے کھاتا دھاتا وہ دس ماہ تک ٹیپوزوہ (ناپاک ہجر زدہ) رہتا۔ اگر یہ شخص خود بھی سردار قبیلہ ہوتا تو تین چار ماہ تک ٹیپوزوہ رہتا۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ ٹیپوزوہ ٹیپوزوہ رہے، (ضابطہ ممنوعات) کی خلاف ورزی کرتا اور موت کو دعوت دیتا۔

برٹش کولمبیا میں اگر کوئی مرد یا عورت مر جاتی تو بیوہ یا رنڈو سے کے قریب کوئی نہ ٹھپکتا اگر کسی تند رست عورت یا مرد پر اس کا سایہ پڑ جاتا تو وہ اسی آن بیمار ہو جاتا۔

ٹیپوزوگی یا سحر زدگی نہایت خوفناک تھی۔

مردے کا خوف اتنا گھمبیر تھا کہ بیوہ گھاس کا لباس پہنتی تاکہ اس کا مردہ شوہر اس سے جنسی تعلق قائم نہ کر سکے۔

مردے کا بھوت اپنے عزیزوں کا پھیانہ چھوڑتا اور گاڈوں میں گھومتا پھرتا۔ اس کے اثر بہ سے بچنے ہی کے لیے ”ٹیبو آرڈی ننس“ (دستور ممنوعات) نافذ کیا جاتا۔

جزیرہ فلپائن کی جاوونگری اس سے مختلف نہ تھی۔ وہاں بیوہ اپنے گھر سے کئی دن تک باہر نہ نکلتی۔ جب باہر جاتی تو لکڑی کے ٹکڑے سے پیڑوں کو ٹھونکتی اور اپنی آمد کا اعلان کرتی جاتی۔ کوئی شخص اس کی جانب دیکھنے کی حماقت نہ کرتا کیونکہ ایسا کرنا فی لائن موہک ثابت ہوتا۔

خوف اور ضرر رسائی میں بڑے سے بڑا تاجدار بھی کسی مردے کا مقابلہ نہ کر سکتا۔ مردہ ہی شب سے بڑا تاجدار ہوتا۔

بیوہ عورت یا شریک حیات سے محروم ہونے والا مرد دوبارہ شادی نہ کرتا کیونکہ وہ مردے کے بھوت سے ڈرتا جو اپنی جگہ کسی اور کو گھر میں آباد دیکھ کر مشتعل ہو جاتا اور اہل خانہ بلکہ پوری بستی کو تباہ کر کے رکھ دیتا۔

بھوت تو بھوت مردے کا نام بھی اس قدر خوفناک خیال کیا جاتا کہ بھول کر بھی زبان پر نہ لایا جاتا۔ جو شخص مردے کا نام لیتا اس کی سزا ہی تھی جو قاتل کی تھی۔ اسی لئے لوگ مرنے والے کا نام ہی بدل دیتے اور پھر بڑی بے تکلفی سے اسے نئے نام سے پکارتے بعض جگہ ”ٹیبو آرڈی ننس“ اتنا شدید تھا کہ مردے کے ساتھ اس کے زندہ رشتہ دار بھی اپنے نام بدل لیتے اور یوں عزیز داری اور تعلقات کا نئے انداز سے آغاز ہوتا۔ نام بدلنے سے رشتوں کی تجدید ہو جاتی۔ نام بدلنے اور نئے نام رکھنے کا کام جاوونگری کے سپرد ہوتا۔ اس سلسلے میں ایک بڑی دشواری پیش آتی۔ ایسی صورت میں کہ مردے کا نام کسی ”ٹوٹم“ (مقدس قبائلی جانور یا پیڑا پیر ہوتا تو پھر اس ٹوٹم کا نام بھی بدل دیا جاتا اور یوں عمر بھر یہ سلسلہ چلتا رہتا۔ جہاں کوئی مردہ اسماے معرفت میں وسیع پیمانے پر تبدیلی آگئی۔

مرزوں کے ناموں سے رجوع کرنے اور انہیں دوبارہ رواج دینے کی ایک ہی صورت تھی۔ مدتوں ماتم کرنے کے بعد جادوگر کنبے کے نئے بچوں کو مردوں کے متروک نام و تیار یوں ناموں پر سے ٹیپو دور ہو جاتا۔ بچوں کو مردوں کا اوتار مانا جاتا۔ اوتار کو حق پہنچا کر مردے کا نام اختیار کرے جادو پرستوں کے نزدیک نام آدمی کی ذات کا جزو لا ینفک ہوتا۔ نام کو وہ ہاتھ پاؤں، سر و جھڑ جیسی شے سمجھتے اور اسے کسی طور آدمی کے جسم و جاں سے الگ نہ کیا جاسکتا نام لیتے ہی مردے کی پوری ہستی، پوری زندگی، پوری شخصیت سامنے آ جاتی۔ نام میں بڑا جادو تھا۔ نام سے مردہ جی اٹھتا۔ اس کے سارے رویے زندہ ہو جاتے۔

جادوگر، ساحر طیب، سردار قبیلہ، مردے اور اس کے بھوت کے علاوہ حائضہ حیض والی عورت بھی معاشرے میں بڑا درجہ رکھتی تھی۔ وہ بھی ٹیپوز دہ ہوتی تھی۔ سحر و جادو بھی مانی جاتی تھی۔ اہل قبیلہ اس کی سحری قوت سے آگاہ تھے اور اس سے فائدہ یا نقصان اٹھاتے تھے۔ پاپو قبیلے کا کوئی آدمی خواب میں اگر مافوق الفطرت شے آبی جانور کی شکل میں دیکھ لیتا تو فوراً حائضہ کی مدد کا طلب گار ہوتا۔ اگر اسے مدد نہ ملتی تو مافوق الفطرت جانور کی بھینٹ چڑھ جاتا۔ حائضہ اس صورت میں مدد کرتی کہ اسے اپنے لہو سے داعی کئے ہوئے پتوں کو پانی میں ڈبو کر پلاتی۔ دوسرا نسخہ یہ تھا کہ وہ بند مٹھی سے آدمی کا سینہ سہلاتی۔ آدمی اس اثنا میں اپنا دایاں ہاتھ اپنے چہرے پر رکھتا تاکہ وہ بچوں کو کھلانے کے لئے شکار کرنے کی صلاحیت برقرار رکھ سکے۔ چونکہ حائضہ ٹیپوز دہ ہوتی اور اس کی سحری قوت خطرناک تسلیم کی جاتی اس لئے اسے چھو نہ جاتا۔ متاثرہ آدمی اس لئے اپنا شکار کرنے والا ہاتھ بچا لیتا۔ اگر کسی آدمی پر کالے جادو کا اثر ہوتا تو اسے زائل کرنے کے لئے بھی حائضہ یہ عمل کرتی۔

جاپان کے آئینو قبیلے کے لوگ بھی حائضہ کے خون کی طلسماتی خوبی کے قائل تھے۔ اس قبیلے کا کوئی فرد زمین پر ایک بوند بھی پڑھی دیکھتا تو جھٹ اٹھا کر سینے پر مل لیتا۔ وہ تو بلکہ عورت سے خون آلود کپڑا بھی طلب کر لیتا۔

حائضہ کی سحری قوت باعث خیر و برکت سمجھی جاتی۔ اس میں زرخیزی کی قوت پنہاں ہوتی۔ ایک ایسا بھی قبیلہ تھا۔ جس میں لڑکی پہلی بار حائضہ ہوتی تو اسے گاؤں بھر میں پھرا یا جاتا۔ وہ بارے کے اندر جا کر ایک ایک مینڈھے اور بکرے کو ہاتھ لگاتی تاکہ اس کی قوت بڑھے۔ گھر گھر جا کر دودھ کے برتنوں کو ہاتھ سے چھوتی۔

لوگ جہاں حائضہ سے ڈرتے وہاں اس کی "مانا" سحری مخفی طاقت کو مفید طریقے سے کام میں بھی لاتے۔ چنانچہ ہریرد قبیلے کے لوگ ہر صبح گاؤں بھر کی گالیوں کا دودھ جمع کر کے اس کے پاس لاتے۔ وہ برتنوں پر ہونٹ رکھ دیتی۔ شمالی روڈیشیا کی حائضہ عورتیں مکھیوں کو بھگانے کے لئے ان کے درمیان پیٹھ جاتیں اور وہ بھاگ جاتیں۔

ٹرانسوال کے لوگ حیض کے خون سے سفوف تیار کرتے جو سحری تا تیر رکھتا۔ حائضہ کو گاؤں سے باہر بند رکھتے۔ اس کے آنے سے پہلے پہلے مرد سفوف کو ہاتھوں اور پاؤں کے تلووں پر ملتا اس طرح وہ لرزے کے مہلک مرض سے بچ رہتا۔ بیوی گھر آنے کے بعد خاوند کو گلے کا ہار پہناتی اور وہ بیماری سے پوری طرح محفوظ ہو جاتا۔ یہ عمل باقاعدہ ریت اور تقریب کے ذریعے کیا جاتا۔ حائضہ لڑکی کو شہر سے باہر لے جا کر الگ تھک ایری کی حالت میں رکھنے کا دستور عام تھا دنیا بھر میں اوائل زمانے کے لوگ اس دستور کے پابند تھے۔ دراصل تہذیب کے نچلے درجوں میں اس نوع کی رسوم بکثرت مروج تھیں۔ علمائے بشریات تہذیبی طور سے ان رسوم کی جانچ پرکھ سے ہی فکر و عمل اور معاشرہ کے ارتقاء کا اندازہ کس مرتبہ کرتے اور لوگوں کا تہذیبی اور ثقافتی قدم پتے ہیں۔ پرانے قبائل کا رہن سہن، مذہبی اور معاشرتی رویے، اوبام و اعتقادات رسومات اور افکار ان کی ذہنی پرواز کا اندازہ لگانے کے لئے قابل مطالعہ ہیں۔

مشرقی افریقہ کے بروندی نوجوان لڑکی کو الگ تھک رکھنے اور اس سے دور رہنے کی بجائے اسے گھر گھر پھرتے ہیں۔ وہ حسی شے کو چھوتی ہے وہ سحر زدہ ہونے کی بجائے موجب خیر و برکت ہو جاتی ہے۔

الاسکا کے باشندوں کے نزدیک حیض کا خون شقائی تاثیر رکھتا ہے کیونکہ یہ حیات آفرین ہے اور تخلیقی عمل میں کام آتا ہے اگر کسی عورت کے بچے تلف ہو جائیں اور ایک بچہ بچ رہے تو پھر وہ حیض کے خون سے اپنا جانگھیرہ داغدار کر کے حفاظتی حربے کے طور پر اسے پہنا دیتی۔ یہ خون آلود جانگھیرہ تعویذ کا کام دیتا۔ یاد رہے کہ عورت اپنا خون استعمال نہ کرتی بلکہ کسی دوسری عورت کا خون حاصل کرتی۔

اولیٰ تہذیبی اور (PRIMITIVE CULTURE) میں قانون ممنوعات کے تحت جو ریتیں رسمیں اور طور طریقے وضع ہوئے وہ جادو گرما، قیامی سرداروں اور دوسرے کرتاؤں اور لوگوں کے تحفظ کی خاطر تھے۔ حائضہ عورتوں کی ناپاکی اور مردوں کے بھوتوں اور بدروحوں کے اثر بد سے متعلق گھرانے، بستی والوں کو انفرادی اور اجتماعی طور سے محفوظ رکھنے کے لئے بھی منفی نوع کا قانون بنایا گیا۔ یہی سبب لازم ہے۔

ساحری دورانِ رسوم سے معمور ملے گا۔ بہر حال قدیم زمانوں کے یہی طور طریقے اور یہی ممنوعات تھے۔ یہی بندشیں اور پابندیاں تھیں۔ انہیں یہی بہبود اور واہیات کہہ سکتے ہیں۔ لیکن انسانی تہذیب کا بہت بڑا زمانہ جو چھ سات ہزار بلکہ اس سے بھی زیادہ سالوں پر مشتمل ہے ابھی لے ہو دگیوں سے آراستہ رہا۔ چودہ سو سال پہلے تک لوگ ایسے ہی عجیب و غریب دستور ممنوعات کے پابند ہیں۔ اسلام کی روشنی جہاں جہاں پہنچی وہاں وہاں سے جمالت اور توہمات کے اندھیرے چھٹے۔ عقل و شعور کی نئی روشنی پھیلی۔

جادو میں مثبت رجحان ملتا ہے اس کے مقابل۔ ممنوعات کا قانون منفی رویوں کا حامل ہے۔



ایک فرعون اور اس کی بیوی (جو اس کی بہن بھی ہے) اپنے بیٹے سے نذر لے رہے ہیں۔ یہ تصویر خاندانِ رع موسیٰ کے عہد کی ہے۔

دنیاے طلسم

دینِ ساحری کے ذریعے جس دلغریب اور پر فریب دنیاے طلسم کی تشکیل کی گئی اور جس میں بڑی عیاری اور ہوشیاری سے مخلوق خدا کو اس کی غلام گردشوں میں پچاس صدی تک گھمایا پھرایا گیا وہ اپنے تاریک اور پراسرار ویرنجوں سے سائنس کو ہوا دیتی رہتی۔ علمائے بشریات دینِ ساحری کو ان سائنٹفک نہیں "نان سائنٹفک" قرار دیتے ہیں کیونکہ اس کی کوکھ میں پلٹے والے علوم و فنون آگے چل کر مستقل سیکولر شعبوں میں بٹ گئے اور معاشروں کی ترتیب و ترکیب اور ارتقاء میں لگ گئے۔

ہم سب جانتے ہیں کہ سائنسی فکر مشاہدے اور تجربے کے باقاعدہ و باضابطہ تدریجی اور مسلسل و متواتر عمل کی پیداوار ہے۔ اس عمل میں وقت لگتا ہے۔ کائنات کی حقیقت، جلتے بجھتے تاروں کی مسکراہٹ، زندگی اور موت کے مسائل، نیچرینی سرگرمیوں میں کارفرما تخلیقی قوتوں کی وحدت اور خود آدمی کو اپنی ذات کی معرفت کے لئے جس شعور، مشاہدے اور تجربے کے آلات، ساز و سامان اور جتنے وقت کی ضرورت تھی ساحر اس سے محروم تھا۔ اس کے سامنے بے پایاں سائنسی خلا تھا جو اسے بیکل کر رہا تھا۔ خلا ممکن نہیں چنانچہ ضروری تھا کہ وہ خلا کو پورا کرے اور اس طرح چاروں کھونٹ معلق سوالیہ نشان کو دور کرے اگر سائنسی انداز سے ایسا نہ ہو سکے تو دوسرے انداز سے کرے۔ یہ دوسرا انداز جسے ہم شاعرانہ انداز کہیں گے اپنی جلو میں شخصی صداقتیں لئے آگے بڑھا اور اس طرح دینِ ساحری کی داغ بیل پڑی۔ گو اس طریق کار سے سائنس کار حجام بھی ابھرتا رہا لیکن سائنسدان بننے کی بجائے یا اس سے بالاتر ہو کر وہ ساحر ہی رہا اور

ساحر نے ذاتی نائدوں اور مصلحتوں کی خاطر سائنسی رجحان کو دینِ ساحری کے تابع ہی رکھا۔ عملِ محسوس ایسے بے نظرنی سے علمِ الیکیمیا پر وان چڑھا لیکن یہ سحر و طلسم کے عملِ تکفین و تدفین ہی میں کھینچا رہا اور صدیوں تک سیکولر نہ ہو سکا۔ اقلیدس، حساب اور فنِ تعمیر نے تمام دنیا میں ساحر کے ہاتھوں ترقی پائی لیکن ان قابلِ قدر علوم و فنون کا مصرف تو مقبرے، معبد اور بیت بنا نا تھا۔ طبِ ساحری جسے ہم بہت بڑی مثبت قدر کہہ سکتے ہیں گنڈے، تعویذ، ٹوٹے ٹوٹکے اور جنتر منتر کے چکر سے بچ نہ سکا۔

اس زمانے میں گمراہی سمیت کے ٹیڑھے پن، خود فریبی اور فریب کاری سے مفر نہ تھا۔ خلا پر کرنے یا خانہ پر می کا تقاضا اتنا شدید تھا کہ اس کے لئے انتظار نہ کیا جاسکتا تھا۔ ڈر خوف، وہم و سوسہ، قیاس، شاعرانہ سورج، تخلیقی صلاحیت اور فکر و عمل جو بھی شعور می، نیم شعور می یا لا شعور می سرمایہ اسے میسر تھا اس نے اسی سے کام لیا بلکہ کام چلایا۔ اڈام و وساوس اور قیاسات کے ہجوم سے اس نے شعر کے سہارے خلا پر کر لیا۔ پھر با کمال ساحر نے مصر، میسوپوٹیمیا اور آریزات و جہلم اور واوکا سندھ میں زبردست زرعی تہذیبیں پر وان چڑھائیں تو لوگوں کی آنکھیں چندھیا گئیں اور وہ چادری جھوٹی اور گمراہ کن تو جیہات و تشریحات پر ایمان لے آئے۔ انہوں نے بلا تامل اپنی مرضی و منشا اور تقدیر ساحر کے حوالے کر دی۔ اپنے اثر کا بڑے سے بڑا فرعون اور نمرود کسی نہ کسی سامری اور آذر کا تابع فرما رہا۔ کسی میں تاب نہ تھی کہ پر وہیت اور اس کے اجارہ دارانہ نظام کو لٹکارے اور اس کے افکار و اشغال کو مسترد کرے اور اس کے بنائے ہوئے راستے سے سرموا دھرا دھر سر کے۔

پروہتوں کی فکری اور عملی جدوجہد سے وہ دینی نظام معرضِ وجود میں آیا جسے ادیانِ عالم کی کتب میں "پریسٹ ہڈ" کا نام دیتے ہیں اور جو ڈیرہ شاہی کا بہت بڑا ستون بن گیا یہ سوائے زمانہ پر وہتی نظام ایسا کاروباری اجارہ تھا جس کے ذریعے۔

۱۔ جمہور اور جمہوریت کا قتل کیا گیا، غلامی کو ادارے کی شکل میں مستحکم کیا گیا۔

و پر وہبت نے بے پایاں اقتدار حاصل کیا، دین کو خاندانی میراث بنایا اور ریتوں ریتوں
(سحری عبادات) کا انتظام اپنے قبضے میں لیا۔
و ملکویت کو پروان چڑھا یا۔

الغرض جادو کرنے خوب دکان سجائی۔ ہند میں برہمن نے اور مصر و عراق میں وہاں کے
ذی شان علمائے دین ساحری نے پروہتی نظام قائم کر کے پوری انسانی سوچ کو اپنی منہی میں لے
لیا۔ مؤجد فرعون اسخن عَطُون (عمون حوطب چہارم) سے قبل اور بعد میں عمون (رب الشمس) کے
پر وہبت دین ساحری کے کرتا دھرتا تھے۔ انہی کو اقتدار حاصل رہا۔

دین ساحری کی کئی پرتیں تھیں اس کی ایک شاخ ارتع و اعلیٰ قدروں سے وابستہ تھی جس
سے تہذیب و تمدن کی آبیاری ہوئی۔ دوسری شاخ روزمرہ کے اعمال و اشتغال اور معاشرتی
ضرورتوں کے لئے تھی۔

نظریے کے اعتبار سے تمام دنیا میں یکسانیت پائی جاتی ہے لیکن عملی شکلیں الگ الگ ہیں
ہیں۔ بنیادی اصول بہر حال ایک سے ہیں۔ بابائے بشریات فریڈر نے تالیفی سحر (سپینٹیشک میجک)
کی بنا پر اسے دو شاخوں میں بانٹا ہے۔ سحر بالمثل اور سحر بالکس، سحر بالمثل (ہومیو پیتھک میجک)
اس گمراہ کن اصول پر ایجا د کیا گیا کہ یکساں عمل سے یکساں نتیجہ یا اثر پیدا ہوتا ہے یعنی اگر کسی
عمل کی نقالی کی جائے تو اثر اور نتیجے کے اعتبار سے نقل بمطابق اصل ثابت ہوگی۔ جادو کرنے
یہاں ٹھوکر کھانی اور غلط بنیاد پر فلک بوس ایوان کھڑا کر لیا خشت اول پائال میں رکھی جہاں
اس کا رب الارض اوسانی رس حکمران تھا اور چوٹی آسمان پر پہنچائی جہاں "شمس" کی عملداری تھی
یہ نتیجہ تھا اصل اور نقل میں تیز نہ کرنے کا۔

جہاں تک اوائل دور کے انسان کا تعلق ہے وہ بقول بابائے بشریات صرف عامل تھا اور
اس کا جادو عمل کی حد تک تھا۔ نظریہ بہت بعد کی چیز ہے۔ جب مشاہدے اور تجربے سے علم
حاصل ہوا۔ اس میں سوچ شامل ہوئی اور جمع شدہ سربایے کی شیرازہ بندی کی گئی تو نظریے

کی ابتداء ہوئی پھر جوں جوں شعور انسانی میں اضافہ ہوا توں توں نظریہ بڑھا پھیلا اور پڑھ ہیچ ہو گیا نظریے کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ عمل بالخصوص ریت کا کھٹی ارتقاء ہوا۔ اپنے عہد عروج میں ریت نے یونان میں پہنچ کر نہایت ہی حسین صورت اختیار کی۔ یہاں رقص، موسیقی اور شعر کے امتزاج سے وہ اکائی پیدا ہوئی جس نے ڈرامے کو جنم دیا۔ آج دنیا کے چار بڑے المیہ نگاروں میں تین یونانی ہیں۔ ایسکیس، سوفوکلز اور یوریپیدیز شیکسپیر جوتھا تھا۔

یونانی ڈراما جو دینِ ساحری کے عظیم ترین کارناموں میں سے ایک ہے صدیوں پرانی مصری و عراقی ڈرامائی ریتوں اور سحری تمثیلوں کے ان کھنڈروں پر کھڑی کی ہوئی عمارت ہے جو قبل ازیں اداسائی برس تموز ادونس، آئی سس، عیسطاطی اور عیسطار کی عزائی ریتوں سے آباد تھے۔

بات سحر بالمثل کی تھی اس میں اصل کو نقل کے منیل و مساوی سمجھنے میں جو گڑبڑ ہوئی اسے یوں سمجھے کہ قبائلی جنگ میں بھالے لٹھ اور پتھر کے ہتھیاروں سے لوگ ہلاک ہوئے۔ خود سردار قبیلہ جادوگر نے یہ نفس نفیس بھالا مار کر دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتارا تو اپنے تجربے کو سحر بالمثل کی اساس بنایا۔ اس نے دشمن کا پتلا بنایا اور اس کو سوتیوں سے چھید دیا یوں اسے ہلاک کیا۔

فریڈر نے گولڈن لومیس اور ہٹن ویلسٹر نے اپنی تالیف "میجک" میں تالیفی سحر اور نقالی کے سحری عمل کے باب میں بکثرت ایسی مثالیں دی ہیں جن سے عیاں ہوتا ہے کہ دنیا میں ہر کہیں یہی کچھ ہوتا تھا۔ جادوگر سحر بالمثل کے مفروضے پر ٹونے ٹونکے اور گنڈے تعویذ کرتے تھے مستروں کی بھی یہی صورت تھی۔ طبِ ساحری میں تو علاج بالمثل کا دستور العمل محتاج تعارف نہیں۔ ہٹن ویلسٹر کے نزدیک تعویذ کا موثر ہونا علامیات پر انحصار کرتا ہے۔ مثلاً کھوپڑی سے ملتا چلتا ٹ (ناریل) پاس رکھنے سے آدمی بھوت پریت کے شر سے محفوظ رہتا ہے۔ یہاں ناریل کو سحر کی علامت مانا گیا ہے کہ یہ کھوپڑی کی طرح سخت ہوتا ہے اور بال رکھتا ہے ناریل محفوظ ہے تو سحر بھی محفوظ ہے۔

دانتوں سے ملتے چلتے سنگریزے کا یہ مطلب ہے کہ آدمی کی عمر لمبی ہوگی اس کے دانت

تا دیر سلامت رہیں گے اور ان کی بدولت وہ بھی تا دیر سلامت رہے گا۔

لوہا مضبوط دھات ہے لہذا اسے پاس رکھنے سے آدمی محفوظ، مضبوط اور توانا رہتا ہے۔ ہلکے نیلے رنگ کے مشکوں سے بھی سحر بالمثل کیا جاتا تھا۔ چونکہ دھندلے پن کی وجہ سے ان میں سے روشنی کا گزرنہ ہو سکتا تھا اس لئے اگلے وقتوں کے لوگوں نے سمجھ لیا کہ اسے پاس رکھیں گے تو دشمن کی آنکھوں کے آگے دھواں دھواں رہے گا اور وہ اسے دکھائی نہ دیں گے یوں دشمن کو اندھا کر کے اس کا صفایا کیا جاسکے گا۔

قربانی بھی سحر بالمثل کی بہت بڑی ریت تھی جس میں آدمی یا جانور کا خون بہا کر سمجھا جاتا کہ یہ جوانی میں مرنے والے خدا کو پہنچے گا اور اسے زندہ کر دے گا۔

ریت (RITUAL) جو زندگی کی تقالی تھی اور جسے ہر سال باقاعدگی سے دہرایا جاتا زرخیزی و شادابی اور انسان، حیوان اور نباتات کی سلامتی کے لئے تھی۔

کوئی ایسی چیز جو شکل و صورت کے اعتبار سے انوکھی اور کیا ب ہوتی اور پراسرار جگہ مثلاً جانور کے بطن سے برآمد ہوتی تو علامتی سحری عمل میں کام آتی۔

سحریاتی عمل کی دوسری شاخ جسے "لمسیاتی سحر" کہتے ہیں چھوت کے عمل سے تعلق رکھتی ہے۔ سحر بالمثل میں تو عامل یہ باور کرتا اور کرتا کہ کسی فعل، عمل یا سرگرمی کی تقالی سے مطلوبہ

نتیجہ اخذ ہوتا ہے لمسیاتی سحر میں بقول ہٹن ڈیپٹر یہ بتانا چاہئے کہ بے جان اجسام و اشیاء کے

خواص و اوصاف اس نوع کے ہیں کہ انہیں الگ کر کے دیگر اجسام و اشیاء میں حسب ضرورت منتقل

کیا جاسکتا ہے۔ ضروری نہ تھا کہ اشیاء کا جسموں سے لمس ہوا ہو، قرب اور تعلق بھی کافی تھا، نظر

اشارے اور کلام کے ذریعے بھی لمس ہو جاتا تھا۔

• "وسطی اسپٹریلیا کے لوگ دردمس میں پھولوں کے سر کے کپڑے پہنتے جس سے درد کپڑوں

میں داخل ہو جاتا۔ بعد ازاں وہ کپڑوں کو جھاڑیوں میں پھینک دیتے۔"

• بعض قبیلے کسی تندرست و توانا بچے کو قتل کر کے اس کا گوشت اپنے نچیف و نزار بچے کو

کھلاتے تاکہ وہ بھی تندرست اور توانا ہو جائے۔

سرکش اہیڈنہٹرز دشمن کا سر کاٹ کر تعویز کے طور پر پاس رکھتے تاکہ اپنی قوت برقرار رکھیں
ہٹن ویبستر کے نزدیک یہ شخصیت کی توسیع کا تصور ہے جسے حقیقی تسلیم کر لیا گیا ہے اس سلسلے
میں سر، بال، دانت اور لہو پر ہی اکتفا نہ کیا جاتا بلکہ کپڑوں، اوزاروں، ہتھیاروں اشیائے خورد و
نوش اور سایے تک سے لمبیاتی عمل کیا جاتا۔

کالے عمل یا سفلی عمل والے مردوں کی راکھ سے ٹونا ٹوٹکا کرتے۔

بورنیو کے قبائل سمجھتے کہ سردار کو شیر کا دانت دیا جائے تو وہ مہربان رہے گا۔

پوپو کے لوگ دوسروں کا کھانا چرا کر اپنے کتوں کو کھلاتے اور سمجھتے کہ یہ کٹرل ہو جائیں گے اور
جنگلی سوزوں پر حملہ کریں گے۔

ملایا میں ایسا عمل کیا جاتا جسے سحر بالمثل اور لمبیاتی عمل دونوں ہی میں شمار کیا جاسکتا ہے۔
صحرائی بکری جو پہاڑوں، گھاٹیوں اور ٹیلوں میں بے مکان دوڑتی پھرتی ہے بڑے پکے قدم کی ہوتی
ہے۔ اگر اتفاق سے یہ کسی پہاڑی سے گر پڑتی تو اس کی زبان کاٹ کر تعویز کے طور پر رکھ لی جاتی۔
اس طرح آدمی پہاڑی سے نہ گرتا مزیدیراں اگر کبھی گرنے سے چوٹ لگ جاتی تو اس تعویز کی بدلت
اچھا ہو جاتا۔

سغلیات کے عامل لمبیاتی سحر پر تکیہ کرتے ہیں سحر بالمثل سے بھی کام لیتے ہیں۔

”قبل تہذیب کے قبائل علوی یا سفلی جادو کے عامل نظریے سے بے خبر مشاہدے کی بنا پر
سیدھے سادھے طریقے سے نقاتی کرتے تھے۔ وہ تجزیے اور مشاہدے کی گہرائی میں نہ جاتے بقول
بابائے بشریات وہ لوگ کھانا تو کھا لیتے لیکن نظام انہضام کی پیچیدگیوں اور اعضاء کی اندرونی
سرگرمیوں سے نا آشنا ہوتے۔ اوائل دور میں آدمی کے لئے جادو ہمیشہ آرٹ رہا۔ سائنس نہ بنا۔
اس کے ناپختہ دماغ میں سائنس کا خیال نہ آیا۔ فلسفے کے طالب علم کا کام ہے کہ وہ خیال کے اس
سلسلے کا سراغ لگائے جو جادوگر کے عمل میں پہاں رہا۔ فریب آلود سائنس کی پشت پر جو حرامی

پیچہ، (آرٹ) کار فرما رہا اسے دیکھے، (گولڈن بوس ۱۲.۱۱ - ۱۹۴۹ سکمن) نقائی کا عمل سحر بالمثل (ہومیو پیتھک میچک) اور لمبائی سحر دونوں ہی فکر کے سلسلے ارتباط کے غلط استعمال اور قیاسات کے باعث بر دئے کار آئے مثلاً کسی کا پتلا بنا کر اسے اصل سمجھ لینا یا جسم سے الگ کی ہوئی بے جان اشیاء کو جسمانی خواص کا حامل قرار دینا احتمالاً فعل نہیں تو اور کیا ہے؟ پتیلے کی آنکھ پھوڑتے ہوئے یہ متر پڑھنا، ”وہ اندھا ہو جائے گا، عقل اور منطق سے کوئی واسطہ نہیں رکھتا۔“

درحقیقت جادو گر کا کمال اس کے عمل میں نہ تھا بلکہ یہ باور کروانے میں تھا کہ نقائی اور لمس عمل کے ذریعے مطلوبہ اثرات عیان ہوتے ہیں۔ اس طرح وہ نفسیاتی ماحول پیدا کر کے لوگوں کو اتو بناتا۔ فریئر ہٹن ویسٹر، مس جین ایلن ہیری سس، مس مارگریٹ میڈ اور دوسرے بشریات دانوں نے جولا زوال کام کیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قبل اسلام پوری دنیا جادو کے خوبصورت جال میں پھنسی تھی اور سب کا طرز عمل تہذیب و تمدن کی مختلف منزلیں اور درجوں پر ہونے پر بھی کم و بیش یکساں تھا یہ طرز عمل عالمگیر تھا اور آدمی غاروں سے نکل کر جب میدانوں میں آیا، اس نے زراعت شروع کی مشاہدے اور تجربے کی نئی دنیا سامنے آئی تو وہ اپنی کارروائیوں اور دینی سرگرمیوں کا کینوس تو بڑھا سکا لیکن جادو کی جڑیں نہ کاٹ سکا۔ اس نے تو اس میں اور بھی خوبصورتیاں فراہم کیں۔ اسے اور بھی متنوع کیا اور زرعی تہذیب (ایگری کلچر) کو پروان چڑھا کر اسے دینی نایسج میں لازوال مقام دلایا زمانے بدلے، نئے شعور نے معاشرے کو ستوارا لیکن سماٹرا اور دوسرے ملکوں کی بانجھ عورتیں جادو گر کے بتانے پر بچے کا کٹھ پتلا اپنی جھولی میں رکھتی رہیں اور باور کرتی رہیں کہ اس ترکیب سے ان کی گودہری ہو جائے گی۔ گودہری ہوتی تب بھی جادو پر ان کا یقین اٹل ہوتا۔ آرکی پسیکویٹی کی عورت ڈھیر سارے بچوں ولے مرد کو بلوا کر دم کرواتا تاکہ روح آفا بیا اس پر کرم کرے۔

طب کے علم اور فن کا آغاز سحر بالمثل ہی سے ہوا اور جادو نگری میں یہ صورت آخری لمحے تک برقرار رہی۔ آج بھی افریقہ اور ان علاقوں میں طب کی یہی صورت ہے جہاں جادو کا چلن ہے۔

جڑی بوٹیوں، پتھروں اور مہذبات کے خواص اور دوائی اثرات کے بارے میں صحیح علم تو اس وقت ہوا جب صدیوں پہلے سائنس نے سیکولر رنگ پایا اور ترقی کی بقراط پہلا طبیب ہے جس نے خالص علمی و فنی طور پر اس کی شیرازہ بندی کی ورنہ قدیم زرعی تہذیبیں صدیوں تک طب کو اوبامہ و قیاسات کے پردوں میں لپیٹے رہیں۔

قدیم ہند میں یرقان کے علاج کے لئے بڑے اہتمام سے تقریب منائی جاتی تاکہ مریض کے پیلے پن کو ہومیو پیتھک میچک (سحر بالمثل) سے پیلے رنگ کے جانداروں یا چیزوں میں منتقل کیا جائے اور کسی سرخ رنگ کے جاندار یا شے سے اس کی سرخی مریض میں داخل کی جائے۔ پروہتہت جب اپنا عمل کرتا تو یہ منتر چیتا۔ "سورج کے پاس جاٹے تیری منڈی کا درواہ یرقان، ہم تجھے لال سانڈ کے رنگ میں لپیٹ دیتے ہیں۔ ہم تیرا پیلا پن طوطوں کو دے دیتے ہیں۔"

ادھر منتر پڑھتا اور ادھر پاس کھڑے ہوئے سانڈ پر پانی ڈالتا جاتا تاکہ اس کے رنگ کی خاصیت اس میں منتقل ہو جائے۔ پھر وہ مریض کو یہ پانی پلانا، سورج کو اگنی سمجھ کر اس کی پوجا کی جاتی۔ برگ دید میں اگنی دیوتا کی شان میں بے شمار حمد یہ گیت موجود ہیں کہ یہ بھی ایک دیوتا تھا۔

الغرض جب تک اسباب و علل اور نتائج میں باہمی تعلق کا سراغ سائنسی طور پر نہ لگایا جاسکا تب تک دنیا جادو گر۔ پروہتہت اور طبیب کی گرفت سے نہ نکلی۔ صدیوں تک مخلوق خدا جادو گر کے پہلانے پھیلانے سے اس بھول بھلیاں میں گھومتی رہی جس میں اول الذکر نے اسے پہلی بار دھکیلا تھا۔ ادھر خود جادو گر جو آفتاب کو رخ یار اور رخ یار کو آفتاب سمجھتا ہے بس تھا اسے خلاء پاٹنے کے لئے باہر مجبوری اپنے علم و فن کو شعری صداقتوں میں ڈھالنا پڑا۔ جب اس نے تقویم تیار کر لی، کیمیائی عمل سے لاشیں محفوظ کرنے کا طریقہ دریافت کر لیا، ایسی ایسی عظیم الشان عمارتیں کھڑی کر لیں کہ آج کے انجینئر اور سائنسدان بھی حیران ہیں تب بھی وہ اس خول سے نہ نکلا جو اس نے اپنے حواس اور عقل و خرد کے گرد بنایا تھا۔ مہذب و متمدن ہوتے ہوئے بھی وہ سائنس کو جادو کا نعم البدل نہ بنا سکا۔ اس نے مثبت جادو اور منفی جادو (نواہی کا معاشرتی ضابطہ ٹیبو) کی سوچ اور عمل

کے لئے جو سائنسی مواد لیا اسے بھی موروثی نگرانیوں، رسموں اور علم و فن میں گوندھ لیا۔ اس نے جولاڑوال اور محیر العقول اہرام تعمیر کئے ان کا مقصد یہ نہ تھا کہ فراعنہ خالی قدر کے مردہ جسم محفوظ کئے جائیں یہ کام توریت بھی بڑی عمدگی سے کر لیتی ہے نئی سے پاک ہونے کے باعث اس میں مردے محفوظ رہتے۔ یہ اہرام تو فراعنہ کی ابدی رہائش گاہیں تھیں جہاں ان کی لاشوں کے ساتھ زندگی گزارنے کیلئے سارے ساز و سامان، روزمرہ کی ضروریات پوری کرنے اور خورد و نوش کی چیزیں رکھی جاتیں۔ علاوہ ازیں مرنے کے بعد فراعنہ کو دایما زندہ رکھنے کی غرض سے پر دستوں کی ٹولیاں "کتابہ لوزنگان" کے ہزاروں متروں کا ورد کرتے اور درجنوں کی تعداد میں سفید مہل کی پیٹیوں کے درمیان لاشوں کے مختلف اعضاء کو محفوظ کرنے کے لئے تعویذ رکھتے۔

جادوگر معذور تھا۔ جب اسے دو معلوم ہی نہ تھی تو وہ کیا کرتا؟ کیا وہ برق و ن کے مریض کو کسی تدبیر کے بغیر ہی مرنے دیتا؟ اپنی عقل اور عصری شعور کے مطابق جو کچھ کر سکتا تھا اس نے کیا۔ دراصل جادو کی گرفتیں اتنی کڑی تھیں اس کی جڑیں تحت الشعور میں اس طرح کڑی تھیں اور جذباتی تہوں میں اتنی گہری تھیں کہ عہدِ اہرام سے پہلے ہی نہیں بلکہ اس کے بعد بھی صدیوں تک اسے گلے کا بار بنائے رہا۔

اس نے اہرام کی پتھر ٹی دیواروں، چھتوں، فرشوں، عبادت گاہوں، ستونوں، پیلیس کے پلندوں، نشی کونوں، غاروں اور مٹی کے برتنوں پر اپنی عقل و دانش اور حکمتوں کے جو خزانے بکھرے ہیں اور جن سے دنیا کے عجائب خانے لہے پھندے ہیں ان سے پچھلی تین چار صدیوں سے علمائے بشریات الجھے ہوئے ہیں۔ جادوگر ایسی ایسی گتھیاں اور طلسم کدے چھوڑ گیا ہے کہ انہیں سمجھنے کے لئے سینکڑوں سکالروں نے عمریں صرف کیں، ہزاروں کتابیں لکھیں، محظوظے اپنی زبان میں منتقل کئے اور کام ہنوز جاری ہے۔ واوی سندھ کی تہذیب کے بارے میں بہت کم علم حاصل ہوا ہے کیونکہ اس کی زبان ہنوز سمجھ میں نہیں آئی۔ ہائر و گلیفکس (تصویری خط) اور متنی خطا بیروں کی عرق ریزی کے بعد آخر سمجھ ہی لئے گئے۔ واوی سندھ کے خط پر بھی سکالر کام کر رہے ہیں اسے بھی

قبل تہذیب کے حیوانی معبود

صبح تہذیب کے انسان نے زندگی کو ایسے خیالوں اور نظریوں کے تانوں بانوں میں الجھا لیا کہ ان کی منطق اور حقیقت کو سمجھنے کے لئے رواں شناسوں اور سائنس دانوں کی کھیپ پر کھیپ سرگرواں چلی آرہی ہے، گتھیاں سلجھ رہی ہیں، الجھ رہی ہیں۔ ماضی کا سادہ لوح، فطرت پرست اور غیر فلسفی شخص آج کا نہایت مشکل، پیچیدہ اور متنازعہ فیہ ہستی بن گیا ہے۔

اس انسان کی نسل تمام نہیں ہوئی۔ یہ انسان تو آج بھی ہم میں موجود ہے ہمارا ہمعصر ہے۔ قبل تاریخ اور بعد از تاریخ کے انسان نے ترقی کے جو مدارج طے کئے ان میں پہچان کے لئے وہ ہمیں نہایت گرالفندر۔ بھونڈے اور نفیس، بد نما اور خوش نما، تراشیدہ اور ناتراشیدہ ہر قسم کے آلات، اوزار اور نمونے دے گیا ہے۔ بعض یادگاروں کی نفاست اور خوبصورتی قابل رشک ہے۔ انہی کی مدد سے ہم نے اس کے مذہب و مسلک، نظریات و خیالات اور روپوں کا سراغ لگایا ہے، اس کی عادات، رسومات اور سحری تقریبات کی تفصیل معلوم کی ہے۔

قبل تاریخ اور قبل فلسفہ کا انسان ناپید نہیں۔ افریقہ اور آسٹریلیا میں اب بھی پاتا جاتا ہے۔ آسٹریلیا کی اس قدیم نسل کو اپنے اصل روپ میں محفوظ کرنے کے اقدامات بھی کئے جا رہے ہیں تاکہ یہ لاشانی عجائب خانہ عالم آنے والی نسلوں کے مطالعے کے لئے بھی باقی رہے۔ اس کی حفاظت انہی خطوط پر کی جا رہی ہے جن خطوط پر بعض نایاب جانوروں کی جاتی اور ”سنگواری“ (امان گاہ) بنائی جاتی ہے۔



ایہ بھی ایک خدا ہے۔ مہری دوم درجے کے خداؤں کو حیوان نما بناتے تھے۔

فریڈرکس۔ بابائے بشریات کی معلومات سے استفادہ کر کے فرائیڈ نے نہایت دلچسپ
تھیوری مرتب کی ہے اور اپنی کتاب ”ٹوٹم اینڈ ٹیلیو“ میں اسے بیان کیا ہے۔ فرائیڈ نے یہ نتیجہ
نکالا ہے کہ ماضی کے مجہول انسان اور ہر دور کے ذہنی بیمار کی نفسیات میں کئی نکات مشترک
میں گے۔

اس ضمن میں اس نے ”ٹوٹم“ کا ذکر کیا ہے اور دنیا کے سب سے کمسن بڑا عظیم
آسٹریلیا کے قبل تاریخ کے باشندوں کو لیا ہے جو صدیاں گزرنے پر بھی اپنی پرانی وضع پر قائم ہیں۔
ان کے خط و حال، رہن سہن اور طور طریقے قدر انہیں بدے۔ یہ ماضی کی جو متاع سنبھالے بیٹھے ہیں
اسے تاریخ بڑا عظیم کے کتے ہی قبائل گنواچکے ہیں۔ ان کے سوا شامد ہی اور کھیں قبل تہذیب کی
قوم خالص حالت میں ملے۔ فرائیڈ کے نزدیک ملایا، پولی نیشیا اور میلانیشیا کی پرانی نسلیں انہی کی
ہمسایہ ہیں لیکن ان میں لسانی اور جسمانی اعتبار سے کوئی قرابت نہیں۔

آسٹریلیا کے یہ قدیم باشندے جس ”ٹوٹم ازم“ کے قائل ہیں وہ صرف انہی سے مخصوص نہیں
ماضی میں یہ عالمگیر مسلک تھا اور ساحر پر دہت اسے بے حد اہمیت دیتے تھے۔ یہ لوگ جن کا یہاں
ذکر کیا جا رہا ہے دین ساحری کی ترقی یافتہ شکل سے نابلد ہیں۔ مصر، وادی سندھ اور فرات و دجلہ
کے دو آبے میں بسنے والوں نے دین ساحری میں جو خوبصورتیاں پیدا کیں جو دلفریب داستانیں گھڑیں
جو فلسفے تراشے اور جن لافانی زرعی تہذیبوں کو جنم دیا یہ ان سے کوسوں دور رہے۔ یہ تو کفر بھی نہیں
بناتے۔ انہیں تو مستقل ٹھکانے بنانے کی توفیق بھی نہیں ہوئی۔ کھیتی باڑی بھی نہیں کرتے۔ کتے
کے سوا کوئی جانور نہیں پالتے۔ گوشت پر گزر بسر کرتے ہیں۔ ان کا تمام وقت شکار کرنے میں لگ
جاتا ہے۔ مٹی تلے دی ہوئی جڑیں بھی کام میں لاتے ہیں۔ یہی جانتے ہیں کہ بھوک اور پیاس بچھلنے
والی یہ جڑیں کہاں ملیں گی ان کے یہاں دور ساحری کے بادشاہوں اور قبائلی سرداراں کا کوئی وجود
نہیں۔ بزرگوں کی ایک جماعت ہوتی ہے۔ وہی تمام مسئلے اور تنازعے حل کرتی ہے ان کے یہاں کوئی
معبود نہیں اور اسی لئے معبود بھی نہیں، پریسٹ ہڈ (پروہتی نظام) کی لعنت بھی نہیں۔

یہ لوگ لباس سے آشنا ہیں لیکن بیسیوں صدی کے ملبوس درندوں سے کہیں زیادہ بااخلاق ہیں۔ مہذب دنیا کی طرح ان کے یہاں جنسی حملوں، قتل و غارتگری، جنسی وار دالوں اور ذہنی جسمانی جنسی روگ کا پتہ نہیں ملتا۔ یہاں وہ کلیںک بھی نہیں جہاں رات دن نفسیاتی معالج جنسی مرلیتوں کی لمبی لمبی رپورٹیں تیار کرنے اور چھانپنے میں لگے رہتے ہیں۔ "کال گرل" اسی قسم کی ایک رپورٹ ہے جس کی درآمد شروع ہے اور اب یہی کتاب نئے نام سے فروخت ہو رہی ہے۔ یہ لوگ کھنا پڑھنا نہیں جانتے اور اسی لئے "کام سوترا" (کوک شاسترا) اور "پریویمڈ گارڈن" لکھنے والے مصنف ان میں پیدا نہیں ہوئے۔

حضرت آدم کے یہاں بہن بھائیوں کی شادی ایک مجبوری تھی لیکن مہذب مصر میں ایسی کوئی مجبوری نہ تھی۔ پھر بھی فرعون اپنی حقیقی بہن سے شادی کرتا۔ ان کے یہاں تاج کی اصل وارث عورت ہوتی۔ فرعون حقیقی بہن کے علاوہ بیٹیوں سے بھی شادی کر لیتا۔ موجد فرعون آخن عٹون نے دو بیٹیوں سے شادی کی۔

آسٹریلیا کے ٹوم پرت سارا زور اس پر صرف کرتے ہیں کہ محرمات سے جنسی رشتہ استوار نہ کریں۔ ایسا لگتا ہے کہ ان کی معاشرتی تنظیم کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ محرمات کی حرمت بہر حال برقرار رکھی جائے۔ یہ تنظیم تو جیسے وجود ہی میں اس لئے آئی ہے۔ ان کا مسک ہی ٹوم پرستی ہے۔ ٹوم کا رشتہ اتنا زبردست ہے کہ خوبی رشتہ اس کے سامنے بیچ ہے۔

ٹوم کیا ہوتا ہے؟
اس کا ذکر ابھی کرتے ہیں۔ یہاں یہ عرض کر دیں کہ ٹوم پرستی کا محرمات کی حرمت یا بیچرمتی سے کوئی تعلق نہیں لیکن نہ جانے یہ نظریہ کس طرح مذکورہ بالا ٹوم پرستیوں کے یہاں رائج ہوا؟
ٹوم پرستی تاریخی اعتبار سے زرعی تہذیب اور زمین پرستی (دھرتی دھرم) سے قبل کا مسک ہے اور جنگل کے آدمی یا شامہ غار میں رہنے والے کی ایجاد ہے۔ یہ آج بھی افریقہ میں وسیع پیمانے

پر رائج ہے۔ شمالی امریکہ کی پرانی نسلیں بھی اس پر ایمان رکھتی ہیں۔ "متحدہ محقق مانتے ہیں کہ انسانی ارتقاء میں ٹوٹ پرستی کو اہم مقام حاصل رہا ہے اور یہ مرحلہ عالمگیر طور پر آیا ہے۔" (ٹوٹ اینڈ ٹیبو حاشیہ ص ۳-۱۹۵۰)

ٹوٹ پرست الگ الگ قبیلوں میں بٹ جلتے ہیں تو وہ اپنی پہچان کے لئے الگ الگ ٹوٹ کو اپنا لیتے ہیں۔ یہ ٹوٹ کوئی ایسا جانور ہوتا ہے جو ضرور ساں بھی ہو سکتا ہے بے ضرر بھی۔ خنزیر، مگر، چھ شیر، گائے، بھیل (بچھڑا، یعنی چھوٹا سانڈ) بکری وغیرہ ٹوٹ تھے۔ بعض حالتوں میں پیڑ پودے بھی ٹوٹ بنا لئے جاتے ہیں جیسے برگد اور پیپل کے پیڑ، تنسی کا پودا، منظر ہر قدرت بھی ٹوٹ بن جاتے ہیں جیسے مینہ۔

قبیلے کا ٹوٹ ہی اس کا مورث اعلیٰ اور جہدِ امجد ہوتا ہے۔ یہ ٹوٹ اہل قبیلہ کا نگہبان ہوتا ہے اور مددگار بھی۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ خوفناک اور خطرناک جانور کیونکہ ٹوٹ ہو سکتے ہیں۔ اس کا جواب فرمائیں۔ بڑی عمدگی سے دیا ہے۔ اس کا کہنا ہے برے سے برا جانور بھی اپنے بچوں کی نگہبانی کرتا ہے پس یہ صرف اس کے قبیلے کو فائدہ پہنچاتا جو اس کی اولاد قرار پاتا۔

وسطی آسٹریلیا کے بے آب و گیاہ علاقوں میں جہاں غذائی قلت شدت اختیار کر جاتی ہے ٹوٹ۔۔۔ مقدس جانور یا پیڑ پودے کی حفاظت کے لئے سحری ٹوٹ بڑی پابندی، احتیاط اور صحت نے ادا کی جاتی ہیں۔ ہر ٹوٹ قبیلہ اپنے اپنے ٹوٹ کے لئے پریشان رہتا ہے۔ ان کی ٹوٹ سحری تالیف سحری ذیل میں آتی ہیں۔ ان میں نقالی کا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔ مثلاً ایک مقدس جانور کی بقا اور افزائش نسل کے لئے رسم یوں ان کی جاتی کہ جانور کا پتہ بنا یا جاتا اور اسے ہاتھ میں لے کر اس کی آواز پوری قوت سے نکالی جاتی ہے۔ شتر مرغ قبیلے کے لوگ زمین پر شتر مرغ کی تصویر بناتے ہیں۔ پوری تصویر نہ بنائیں تو ان اعضاء کا خاکہ بناتے ہیں جو انہیں مرغوب ہوتے ہیں۔ سب لوگ اس کے ارد گرد بیٹھ کر گاتے ہیں۔ اس کے بعد وہ شتر مرغ کے ٹھہر کی نقل اتارتے ہیں انہوں

نے ایسے سرپوش پہن رکھے ہوتے ہیں جو شتر مرغ کے سر اور گردن کے مماثل ہوتے ہیں۔ یہ تکلف اسی لئے ہے کہ شتر مرغ متعلقہ قبیلے کا اہم غذائی جانور ہے۔

قدیم مصری خنزیر کو مقدس جانور مانتے تھے۔ سانڈان کے یہاں ربّ الشمس کا جانور تھا اسی کی قربانی دیتے۔

ٹوٹم پرست اپنے ٹوٹم کو نہ کھاتے اور سمجھتے کہ انہیں کھانے سے کوڑھ اور دیوانگی ایسے مہلک امراض لاحق ہو سکتے ہیں۔ یہ عجیب و غریب لوگ بڑے بڑے عجیب جانوروں کو مقدس خیال کرتے اور خود کو ان کی نسل قرار دیتے۔ سانپ، کچھوا، مگر مچھ، کتا، کچوا، سمی ٹوٹم تھے۔ اگرچہ فی زمانہ مہذب اقوام ٹوٹم پرست نہیں تاہم ٹوٹم پرستوں کے بعض جانور کھانے میں مضائقہ نہیں سمجھا جاتا۔ جاپانی سانپ کا سالن شوق سے کھاتے ہیں۔ کوریا کے لوگ کتوں کو چٹ کر جاتے ہیں۔ پنجاب کے سانسی کچھوے کھاتے ہیں۔

ٹوٹم پرستوں کا دستور تھا کہ وہ اپنے ٹوٹم کو چھوتے تو پھر اپنے آپ کو اور اپنے لباس کو دھو لیتے ان کے نزدیک اس طرح ٹوٹم کا تقدس برقرار رہتا ان کا یہ نظریہ بھی تھا کہ جو مقدس ہے وہ خطرناک بھی ہے چنانچہ لوگ اپنے ٹوٹم کے احترام میں نہایت سنجیدہ اور محتاط ہوتے اسے چھونا بھی خطرناک تھا مگر مچھ کا ایک قبیلہ سمجھتا ہے کہ اس سے سامنا ہو جائے تو ضرر پہنچے گا لیکن پھر بھی لوگ اسے مقدس اور باپ مانتے۔

فریڈرک کے یہاں اس سلسلے میں کثرت سے مثالیں ملیں گی۔ بقول بابائے بشریات ٹوٹم پرست جانور کے نام پر اپنا نام رکھتا اور اسے بھائی کہتا ہے پھر یہ اسے ہلاک بھی نہیں کرتا۔ آسٹریلیا کے ٹوٹم پرست آلو، چمگاڈ اور شتر مرغ کو جنس کی علامت قرار دیتے۔ ان کے علاوہ کسی دوسرے علاقے کے لوگ اپنے ٹوٹم کو جنس کی علامت قرار نہیں دیتے۔ یہی سبب ہے کہ آسٹریلیا میں جنسی تعلقات میں ٹوٹم پرستی کا عمل دخل ہے۔

ٹوٹم کی نسبت کہیں عورت سے اور کہیں مرد سے ہوتی ہے۔

قبیلے کے ہر فرد کی زندگی اپنے ٹوٹم (جانور یا پودے) سے وابستہ ہوتی۔ جنہوں اور پر یوں کی کہانیوں میں ہمیں یہ روایت ملتی ہے کہ فلاں جن کی جان طوطے میں ہے۔ طوطے کو ہلاک کر دیا جائے تو جن از خود ہلاک ہو جائے گا۔ کہانیوں میں یہ حوالہ ٹوٹم پرستی سے لیا گیا ہے۔ قبیلے کے فرد کا ٹوٹم سے یہ نازک رشتہ نہایت پراسرار ہے۔

ٹوٹم کو ڈنگانگ اور کو بونگ بھی کہتے ہیں۔

ایک ہی علاقے میں متعدد انواع و اقسام کے جانور اور پیر پودے ہو سکتے ہیں لیکن ہر قبیلہ کسی خاص جانور یا پیر پودے کو اپنا جدا جدا بنالیتا اور اس کا احترام (اسکی پرستش) کرتا ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک حبشی نے کوئے کو مار ڈالا جو اس کا قبائلی ٹوٹم تھا۔ "تین چار دن کے بعد وہ مر گیا۔ وہ کچھ دنوں سے بیمار تھا۔ لیکن ڈنگانگ (ٹوٹم) کو مارنے کے باعث وہ تیزی سے موت کی آغوش میں چلا گیا" یہی حال ان لوگوں کا ہے جو چمکا ڈریا تو کو مار ڈالیں۔ دراصل ٹوٹم کو مارنا اپنے آپ کو ہلاک کرنا ہے۔ اس میں اہل قبیلہ کی جان ہوتی ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کیا واقعی ٹوٹم کو مارنے والا مر جاتا ہے؟ جو ایسا یہ ہے کہ ایسا ہوتا ہے ضرور ہوتا ہے۔

دین ساحری پر یقین رکھنے والے ادہام و وساوس کے دام میں اس بری طرح پھنسے ہوتے ہیں کہ مقررہ حدود توڑ کر جی نہیں سکتے۔ ان میں نظریے کی تکذیب کی سکت نہیں ہوتی جوب تھی بیزاریانہ کی ملکہ جیکوہتا کو کئی سال کے بعد پہلی بار معلوم ہوا کہ اس کا شوہر اس کا بیٹا ہے تو اس نے اسی آن پھانسی لے لی۔ اسی وی پس نے آنکھیں پھوڑ لیں کیونکہ اس نے محرمات کے بارے میں جو دستور الاخلاق تھا اسے توڑا تھا۔ ماں کے رشتے سے وہ جن بیٹوں اور بیٹیوں کا بھائی تھا، بیوی کے ناطے سے باپ تھا۔

ٹوٹم اور ٹوٹم پرستی میں زندگی اور موت کا تبادلہ بھی کیا جاتا۔ اس کے لئے شریک قبیلہ کرنے کی رسم (INITIATION) ادا کی جاتی۔ نوجوان پر موت سے ملتی جلتی غشی طاری کی جاتی۔ صوفیاء

کے یہاں یہ حالت سُکر کھلاتی اور اس کا مقصد موت کا ذائقہ چکھنا تھا پھر جب وہ آپے میں آنے لگتا تو باور کیا جاتا کہ اسے ٹوٹم حیات تازہ عطا کر رہا ہے۔

جب یہ رسم ادا کی جاتی تو عورتوں کو قریب نہ پھینکنے دیا جاتا۔ جو عورت کسی طرح یہ رسم دیکھ لیتی اسے ہلاک کر دیا جاتا۔

ٹوٹی رسوم میں رقص بھی کیا جاتا۔ رقص قدیم ترین عبادت ہے۔ ٹوٹم پر رت اس سے اپنے ٹوٹم کو زیر کرتے۔ تہذیبی دور میں شو اور افزورائتی کی واسیال معبدوں میں دیوی دیوتا کی خوشنودی کے لئے رقص پر مامور ہوتیں۔

ریت جو دینِ ساحری کی جان تھی رقص، موسیقی اور شاعری کا مجموعہ تھی۔ یہ تینوں فنون ریت کی کوکھ سے برآمد ہوئے ہیں۔ قدیم زمانے میں جو بھی فن ایجاد ہوتا اسے دینِ ساحری کے کھاتے میں ڈال دیتے۔ افسانہ تراشی اور افسانہ گوئی، ڈرامہ نویسی، نائٹک کھیلنا اور دیکھنا سب عبادت کے زمرے میں آتے تھے۔

تہذیب کے اولین دور میں جب تریاراج تھا تو عورت ہی ٹوٹم کا نمائندہ اور دارت ہوتی۔ پھر جب پدری نظام آیا تو مرد کو یہ حق ملا۔

ٹوٹم پرستوں کے جنسی قوانین بھی عجیب و غریب تھے۔ ایک ٹوٹم قبیلہ کے لوگ آپس میں جنسی رشتہ قائم نہ کر سکتے تھے۔ آج کی زبان میں یوں کہئے کہ کنگرہ قبیلے کے لڑکے اپنے ہی قبیلے کی لڑکیوں سے شادی بیاہ نہ کر سکتے تھے۔ اس کے لئے انہیں دوسرے قبیلے میں رشتے کرنے پڑتے تھے۔ یہ EXOGAMY ہے یعنی بیرون قبیلہ شادی بیاہ کرنا، ایک ہی قبیلے کے لڑکے لڑکیاں آپس میں بھائی بہن ہوتے۔ ان کا ایک ہی باپ ہوتا۔

یہ قانون اتنا سخت تھا کہ کوئی قبیلہ اسے توڑنے کی جسارت نہ کرتا۔ ٹوٹم (مورتِ اعلیٰ) کی وجہ سے ایک قبیلے کی لڑکیاں اسی طرح لڑکوں کے لئے محرمات قرار پاتیں جس طرح ایک ماں باپ کی بیٹیاں ہوتی ہیں۔

اگر کوئی لڑکا اپنے قبیلے کی لڑکی سے جنسی رشتہ استوار کرنا تو پورا قبیلہ فساد و احد کی طرح اس کے پیچھے پڑ جاتا اور اسے ہلاک کر کے چھوڑتا۔ اہل قبیلہ سمجھتے کہ اس قانون شکنی کو نظر انداز کیا گیا تو ان سب پر کوئی آفت ٹوٹ پڑے گی۔ شاہ ایدی پسر جس نے اپنی ماں سے بیاہ رچالیا تھا پوری عیال کے لئے مصیبت کا باعث بن گیا تھا۔ رب الشمس نے لوگوں کو طاعون میں مبتلا کر دیا تھا۔

بقول فریئر (بحوالہ فرائیڈ ص ۴، ۵) ”آسٹریلیا میں ممنوعہ قبیلے کی عورت سے جنسی رشتہ استوار کرنے کی باقاعدہ سزا موت ہے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ جنگ کے دوران عورت پکڑی گئی اور کسی اور ہی قبیلے سے تعلق رکھتی تھی۔ غلط قبیلے کی عورت کو بیوی بنانے پر لوگ دونوں میاں بیوی کو مار ڈالتے البتہ بعض حالتوں میں جب کچھ مدت کے لئے وہ مفرد رہتے اور اہل قبیلہ کے ہتھے نہ چڑھتے تو انہیں معاف کر دیا جاتا۔ کہیں کہیں صرف مرد کو سزائے موت دینے کا رواج تھا، عورت کو صرف پٹا جانا اور ادھر مڑا کر کے چھوڑ دیا جاتا۔“

افریقہ میں بعض قبیلوں میں زنا کی سزا بید زنی ہے۔ بیٹی کو اس کا باپ سزا دیتا ہے۔ اس کا ٹوٹ پرستی کے آئین سے کوئی تعلق نہیں۔ بد اخلاقی کو روکنے کے لئے ایسا کیا جاتا ہے آج کل بھی یہ رسم جاری ہے۔

ٹوٹ ہی سے قبیلے کی پہچان ہوتی تھی۔ ٹوٹ موروثی ہوتا تھا اس لئے شادی کے بعد اس میں کوئی تبدیلی نہ آتی تھی۔ اسے یوں سمجھئے کہ اگر قبیلہ مادری نظام پر قائم ہے اور عورت ہی قبیلے کی کڑا دھرتی ہے تو شادی کے بعد اولاد کی شناخت ماں کے قبائلی ٹوٹ سے ہوگی۔ مثلاً شتر مرغ قبیلے کی عورت کنگرو قبیلے کے مرد سے شادی کر لیتی تو ان دونوں کے بچے شتر مرغ قبیلے کے رکن قرار دیئے جلتے اس کے بعد بچے شتر مرغ کی برادری میں شامل ہوتے اور اس برادری کے لڑکے لڑکیاں ان پر حرام ہوتے۔ اس حد تک تو ٹوٹ پرستی کے اس قانون کو بجا تسلیم کر لیا لیکن کنگرو قبیلے کے باپ کے معاملے میں یہ نہایت ہی بہبودہ ہو کر رہ جاتا ہے۔ کنگرو قبیلے کے باپ پر اس کی وہ بیٹیاں حلال سمجھی جاتیں جو اپنی ماں کی وجہ سے شتر مرغ قبیلے سے ہوتیں۔

اسی طرح اگر قبیلے میں پدری نظام مردوں ہوتا تو کنگرہ قبیلے کا مرد شتر مرغ قبیلے کی عورت کے بطن کی اولاد سے جنسی رشتہ قائم نہ کر سکتا۔ لیکن ماں اور بیٹے میں اس کی مماثلت نہ تھی۔

چونکہ مادری نظام (تریباراج) پدری نظام سے قدیم تر ہے اس لئے واضح ہے کہ سب سے پہلے ماں ہی نے اپنے بیٹے کے غلاف اپنی آبرو کا تحفظ کیا اور اپنی اولاد کو (باپ کی بجائے) اپنے ٹوٹم کی برادری میں شامل کیا۔

دل ڈیوران نے بڑی خوبصورتی اور وضاحت سے ٹوٹم پرستی کا ذکر کیا ہے۔ اس کا موقف یہ ہے کہ قبل تہذیب ہی سے آدمی زمین اور عورت دونوں ہی میں پیدائش اور پیداوار برقرار رکھنے کے لئے شدت سے مضطرب رہتا تھا۔ یہ اس کی سب سے بڑی آرزو تھی۔ پھر جب زرعی تہذیب کا آغاز ہوا تو یہ آرزو اور بھی زیادہ شدت اختیار کر گئی کیونکہ اب پیٹر پودے اور اناج اگانے میں عورت کی کارگزاری بھی شامل ہو گئی۔ عورت پر اسرار ہستی مانی جاتی تھی کیونکہ اوائل دور کا انسان عورت اور صرف عورت کو بچے کی پیدائش کا ذمہ دار قرار دیتا تھا۔ ”و در وحشت کا آدمی لطفے اور تخلیقی جراثیم کے بارے میں کچھ نہ جانتا تھا۔ وہ تو بس بیرونی نسائی اعضاء سے آگاہ تھا جو پیدائش کے عمل میں کام کرتے۔ انہی کو وہ مقدس گردانتا۔ اس کے نزدیک ان میں ارواح پوشیدہ تھیں جن کی پرستش ضروری تھی۔ کیا یہ پر اسرار تخلیقی قوتیں تمام قوتوں میں سب سے زیادہ حیرت انگیز تھیں؟ زرخیزی اور پیدائش و پرورش کا معجزہ زمین سے کہیں زیادہ عورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اسی بنا پر نسائی اعضاء براہ راست مافوق الفطرت قوت کا منظر تھے۔ قدیم زمانے کے قریباً سبھی لوگ کسی نہ کسی شکل اور ریت میں عورت کی پرستش کرتے۔ غیر مہذب ہی نہیں بلکہ نہایت مہذب قومیں کامل طور پر زن پرستی میں اپنے جذبات کا اظہار کرتے۔ قدیم مصر، ہندوستان، بابل، آشوریا، یونان اور روم میں یہیں جنسی پرستش کا سراج ملتا ہے۔ اوائل عہد کی دیولوں کے جنسی کردار اور اعمال و افعال کو احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ یہ طرز عمل دماغی خلل یا نفس پرستی کے باعث نہ تھا۔ یہ اس خواہش کا نتیجہ تھا جو عورت اور زمین کی قوت پیدائش کی نسبت لوگوں میں شدت سے پائی جاتی تھی۔“ (سٹوری آف

یہ خواہش اندھی تھی اور اسی بنا پر ٹوٹم نے جنم لیا۔ سائنڈ اور سانپ ایسے بعض جانور ہیں
سبب پوجے جانے کہ لوگوں کے خیال میں ان کے اندر اعلیٰ درجے کی مقدس تخلیقی قوت پائی جاتی تھی
یا پھر یہ اس قوت کی علامت تھے۔ ناگ کو نکم کا مثل ٹھہراتے ہیں۔ آدم اور حوا کے قصے میں یہ
شرکی طاقت ہے اور جنسی بیماری سے درحقیقت خیر و شر کی آگہی کا آغاز ہوتا ہے (ایضاً)

»مصری گوری کیڑے (گبریلا) سے لے کر ہندوؤں کے ہاتھی تک سائنڈ ہی کوئی ایسا جانور
ہو جسے کہیں نہ کہیں دیوی دیوتا کے طور پر پوجا نہ جاتا۔ اور جبوا قبیلے کے لوگوں نے اپنے مقدس جانور
کو ٹوٹم کا نام دیا اور اسی پر اپنے قبیلے کا نام رکھا۔ قبیلے کے ہر فرد کا نام بھی اسی ٹوٹم پر ہوتا۔»

ہر ٹوٹم قبیلہ کسی خاص جانور یا پودے کی پوجا کرتا۔ یہ جانور یا پودا اس قبیلے کا ٹوٹم ہوتا۔ ٹوٹم
پرستی کے بارے میں سب سے عجیب حقیقت یہ ہے کہ عہد قدیم میں اس کا رواج ان قبیلوں میں
تھا جو جغرافیائی اعتبار سے باہم کوئی رابطہ نہ رکھتے تھے۔ ان کے درمیان زمینی فاصلے اتنے زیادہ
تھے کہ وہ آپس میں تعلق پیدا ہی نہیں کر سکتے تھے۔ شمالی امریکہ کے انڈین، افریقہ کے جنگلی
لوگ، ہندوستان کے دراوڑ اور آسٹریلیا کے وحشی قبائل ایک دوسرے سے ہزاروں میلوں پر رہتے
تھے لیکن ٹوٹم پرستی سب میں ملتی ہے۔ یہ کوئی فطری طلب تھی جسے یہ سب لوگ یکساں طور پر
محسوس کرتے اور ان پر عمل پیرا ہوتے۔

ٹوٹم سے قبیلے کے افراد میں اتحاد اور مقدس رشتہ قائم ہوتا تھا۔ یہ لوگ خود کو ٹوٹم کی اولاد سمجھتے
اور ٹوٹم کے رشتے سے ایک دوسرے سے بندھے رہتے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ ریچھ، بھیرے، ہرن وغیرہ
ایسے جانوروں کی اولاد ہیں جو عورتوں سے مخلوت ہوئے۔ جون جون زمانہ بدلتا گیا ٹوٹم قوموں اور حکمرانوں
کے اقتدار کے نگہبان جانور ہو کر رہ گئے۔ یونان کے حکمرانوں نے عقاب کو اپنا جانور بنا لیا۔ مصری فرعون
کی روح کو عقاب اہرام کی چوٹی سے اڑا کر رجب الشمس کے پاس لے جاتا۔ ناگ یونان کے علاج دیوتا
کا محافظ و معادن ہو گیا۔ بعض اقوام نے شیر کو اپنا لیا۔ رفتہ رفتہ ٹوٹم کی دینی معنویت ختم ہو گئی لوگوں

نے اپنی حفاظت، سرپرستی اور اعانت کے لئے بہتر خدا گھڑ لئے اور پھر جب تہذیب و تمدن نے خوب ترقی کرنی تو انسان، نما خداؤں کا دور شروع ہوا۔ لوگوں نے اپنی شکل و صورت و خصائل اپنے خداؤں میں منتقل کر دیں۔ ایک سرج سے رفعت یافتہ آدمی ہی خدا بن گیا۔“

ناختہ آج امن عالم کا جانور ہے۔ درحقیقت یہ قبل تہذیب کا ایک ٹوٹا تھا۔
 ”بیشتر حالتوں میں ٹوٹ جانور شجر ممنوعہ تھا۔ اسے چھوٹنے کی اجازت نہ تھی۔ خاص خاص حالتوں میں کسی سحری تقریب پر اسے کھاتے تھے۔ مذہباً وہ اسے خدا خوری قرار دیتے۔ جنت کے لوگ جس مقدس مچھلی کی پرستش کرتے جب اسے کھاتے تو محسوس کرتے کہ اس کی روح ان کے اندر حرکت کر رہی ہے۔“
 ”متعدد دوسرے ملکوں کی طرح ٹوٹ پرستی کی ابتداء بھی غالباً خوف کے باعث ہوئی۔ لوگ جانوروں کو اس لئے پوجتے کہ وہ زبردست ہوتے تھے۔ ان کی دلچسپی ضروری تھی۔ جب تھکار کی وجہ جنگوں میں جانور نہ رہے اور کھیتی باڑی نے زراعت کی جگہ لے لی جو نسبتاً زیادہ بھروسے کے لائق ذریعہ معاش تھا۔ تو ان جانوروں کی دہشت، وحشت اور تعصبات ان کی جگہ لینے والے نئے خداؤں میں آئے۔“
 گپا۔ انتقال کی اس واردات کا سراغ ان کہانیوں میں ملتا ہے جن میں آدمی اور خدا اپنی شکلیں بدلتے ہیں“ (ایضاً ص ۴۲)

اس سلسلے میں یونان کے رب زیوس کے معاشقے قابل ذکر ہیں۔ وہ اژن سانڈ اور بٹ کی شکل بدل لیتا ہے۔ اگر ہم آدمی کے معبودوں کی داستان بیان کریں۔ تو نقطہ آغاز ٹوٹ قابل پرستش جانور ہوا ہوگا۔

ہندسوں کی جادوگری

تہذیب کی کہانی، ہندسوں کی زبانی۔۔۔ اعداد و شمار کا گورکھ دھندا

دین کے انداز میں جادو کا تصور۔۔۔

پریٹ کی ضرورت سے اعداد و شمار کا شعور۔۔۔

یہ تصور اور یہ شعور آدمی کی پیدائش کے ساتھ ہی بر دئے کار آئے اور رفتہ رفتہ پردان چڑھے۔

آدمی نے سب سے پہلے اپنے لئے معبود بنائے کہ عبودیت اس کی فطرت ہے۔ پہلے پہل اس نے

معبودوں کو نام نہیں دیئے کیونکہ ابھی اس کے پاس کوئی ٹلمبی چوڑھی لغت تھی، نہ اسمائے معرفہ کا اتنا

بڑا ذخیرہ تھا۔ وہ اپنے معبود کو ”وہ“ یا ”تو“ کہہ کر پکارتا۔ وہ مذقوں بے نام خداؤں سے کام چلاتا تھا

زمین، سورج، پانی، بجلی کی گرج چمک، سیلاب، زلزلہ اور دوسرے قدرتی مظاہر دیکھتے ہی

اس نے اپنے معبود بنائے۔ گرمی، سردی، دھوپ، موج ہوا، نمی کے لمبیائی تجربے سے بالواسطہ یا

بلاواسطہ خالق سے تعلق قائم کیا۔۔۔ اس تعلق نے بڑا فساد ڈالا۔ اسی تعلق کی فلسفیانہ موٹنگائیوں

کی مدد سے ویدانت میں ادتار (بھگوان بہ شکل انسان) اور جولوئی مسک کو فروغ دیا۔ یہی ایک خاص

شکل میں انا الٰہی، من تو شدم تو من شدی، آپے رانجھا ہوئی اور اسی نوع کے نظریات میں ڈھل گیا۔

صحیح تہذیب کے پردہ پرت (ساحر) کے لئے ممکن نہ تھا کہ خالق جزو کل کو اکائی کی صورت میں

سمجھتا۔ زرعی تہذیب کے انتہائی ترقی یافتہ دور میں ۴ صدی قبل مسیح میں فرعون آخن عٹون پہلا

منکر تھا۔ جس نے وحدانیت کا نظریہ پیش کیا (بشریات کے نامور عالم اور مصریات کے ماہر جے اے

بریسٹڈ کے نزدیک حضرت موسیٰ اسی کے دور میں گزرے ہیں۔ اور انہوں نے آئن عطفون کی موت کے بعد وحدانیت کا پرچم بلند کیا، ساحر پر دہرت نے کائنات کی تعمیر اور تخریبی قوتوں کے حوالے سے معبودوں کو الگ الگ شعبوں میں تقسیم کیا۔ دین ساحری (دیو مالا کی شکل میں) اسی ابتدائی سوچ کے خام مال اور مصالحے سے تیار ہوا۔ شاعر پر دہرت نے شعری صداقتیں گھڑیں اور پھر ان کی شیرازہ بندی اور تانوں بانوں سے انتہائی دل فریب افسانوی ایوان کھڑا کیا۔

اعداد و شمار کا تصور روزمرہ کی سیکولر سرگرمیوں میں پیدا ہوا۔ بعد ازاں جادو کی لپیٹ میں آیا اور اس طرح اعداد و شمار تقدس کا سمبل بن گئے۔

آج سے ہزاروں سال پہلے لوگ میمٹھ کا شکار کرتے تھے جو ہاتھی کی نوع کا تھا۔ لیکن اس سے کہیں بڑا درندہ تھا۔ (ابریہ الا شرم جس عظیم الجثہ ہاتھی پر بیٹھ کر کعبے کو ڈھانے آیا تھا، وہ تاحی محمد سلیمان سلمان منصور پورمی کے بقول میمٹھ تھا) انہوں نے اسے محمود کے نام سے معرب کیا ہے) جب ایک بہت بڑے قبیلے یا دو تین چھوٹے قبیلوں نے مل کر بڑے بڑے پتھروں اور پیڑوں کے تنوں سے لمبے لمبے بالوں والے اس خونخوار جانور کو مارا تو انہوں نے اس کے چار پاؤں، ایک سونڈ اور باقی جسم کو ٹکڑوں میں تقسیم کیا ہو گا۔ اور پھر الگ الگ قبیلوں کے ارکان کی گنتی بھی کی ہو گی۔ یہ گنتی انہوں نے شعور کی پختگی کے بعد انگلیوں کی مدد سے کی ہو گی۔ نہ جانے اس سلسلے میں انہیں کتنی مشکل کا سامنا کرنا پڑا ہو گا۔ بہر حال اعداد و شمار کے شعور کا آغاز کچھ اسی انداز سے ہوا ہو گا۔ کچھ گوشت اور پھلوں کی ڈھیریاں لگانے اور بانٹنے میں بھی گنتی کا شعور درکار ہوتا تھا۔ پھر جب قبیلے کی زندگی نے ترقی کی تو گنتی کا شعور بھی بڑھا اور اس کے بعد جب آدمی نے غار اور جنگل کو خیر باد کر کے ایگری کلچر (زرعی کلچر) اپنایا، خود رو پیڑ، پودوں کی بجائے اپنی اگائی ہوئی فصلوں پر تکیہ کیا، جنگلی جانوروں کو پالتو بنایا اور لین دین کے نئے جنس برائے جنس کا طریقہ اختیار کیا تو اعداد و شمار لامحالہ روزمرہ کا معمول بن گئے۔

زرعی تہذیب کے آنے سے دین ساحری کی شیرازہ بندی زیادہ سائنسی طریقے سے کی گئی اور یہ باقاعدہ مسلک اور موثر تر حربے کی صورت اختیار کر گیا جوں جوں زمین سے آدمی کا رشتہ مضبوط ہوا تو

توں دینِ ساحری کی جڑیں (زمین اور دل میں) مستحکم ہوئیں۔ آدمی اور زمین میں قرب بڑھا اور وصال کی حد تک جا پہنچا۔ غار اور جنگل کی زندگی کے بعد زمین کی قدر و منزلت سوا رہی اور اس کے احترام و تقدس میں گرا۔ قدر اضافہ ہوا۔ دھوپ، پانی اور مٹی ۳ مسلہ اکائیاں تھیں۔ ان ۳ اکائیوں نے مل کر توانائی کی ایک نئی تخلیق کی۔ اکائی کو جنم دیا۔ یہ کاشتکار کی سیدھی سادی اکائی تھی جسے ساحر (شاعر) نے اپنے نصرف میں لے لیا۔ درحقیقت زمین کی تخلیقی کرشمہ کاری سے شاعر کو خیال، سوچ اور قیاسات کی نئی حسین دنیا مل گئی۔ نئی دیو مالا نے جنم لیا جو غار اور شکار کی زندگی کے بعد نیا ارتقائی اقدام تھا۔ نیا معاشرہ مرتب ہوا۔ نئی سرگرمیوں نے راہ پائی، فکر و عمل کے نئے زاویے پیدا ہوئے۔ شاعری کو نیا حسن، نیا روپ ملا، نئی ترتیب ملی،

اعداد و شمار میں اضافہ ہی نہیں ہوا بلکہ انہیں واضح طور پر تقدس کا لبادہ اڑھایا گیا۔ دینی پیرائے میں اعداد و شمار کو نئی معنویت ملی۔

زرعی تہذیب سے قبل سورج ہی سب کچھ تھا لیکن اب زمین اور آسمان گر جنے برسے والے بادل نے آدمی کی توجہ اپنی جانب کھینچ لی۔

زمین نے آدمی کی ماں اور پالنہاری کا روپ دھار لیا۔ زمین کی کوکھ مٹھے اناج اور پھل پھول اگتے ہمرنے کے بعد زمین آدمی کو اپنی گود میں چھپا لیتی۔ انہی اوصاف اور اجماعیات کی وجہ سے آدمی زمین کو پوجنے لگا۔ معبود کوئی ہوس۔ خدا ہو یا بت، آدمی میں بہر حال عبودیت کا جذبہ داخلِ فطرت ہے۔ اس طرح دھرتی دیوی کو ہر اس ملک کی دیو مالا میں پہلا درجہ ملا جس کا دار و مدار کاشت کاری پر تھا۔ داوی نیل، دو آبِ فرات و دجلہ (مسیو پو تیمیا) اور داوی سندھ میں یہی صورت پیدا ہوئی۔

دھرتی دیوی سے اکائی اور رُوح (دوئی یا ثنویت) کا تصور ابھرا اور مقدس ہو گیا۔ دینِ ساحری کے یہ دو قدیم ترین مقدس ہند سے تھے۔ اسی دور میں رقص اور شاعری نے عروج پایا۔ چونکہ رقص اور شاعری نے جڑواں بچوں کی طرح جنم لیا۔ اور ریٹ کے شعبے میں گھل مل کر رہے اس لیے سائنسی اور حسابی لحاظ سے ستر سال اور لے کے ذریعے زیادہ صحت سے ہندسوں کی اکائیاں دہائیاں معرض

وجود میں آئیں۔ ڈھول کی گت اور رقاصہ کے پاؤں کی ضربوں اور شعر کے پیالوں میں کاہلی آہنگی ہوتی۔ یاد رہے کہ رقاصہ کا پاؤں اور شعر کا پیمانہ "فت" ہی کہلاتے ہیں۔ اسی اثناء میں موسیقی نے بھی جنم لیا اور ان تینوں فنون لطیفہ سے ریت کو ترتیب اور جلا ملی۔ یہ تینوں ہی ریت (دین ساحری کے دور کی جلا) کے اجزائے ترکیبی تھے۔

ایک اور دور کے ہند سے زرعی صنمیات میں اہم ترین اور اساسی مقام رکھتے ہیں۔ اور دھرتی دیوی کی بدولت مقدس ہیں۔ بشریات و سحریات کے باوا آدم سر جیمز فریزر نے یونان کی دھرتی دیوی دیچی تر کے حوالے سے ان ابتدائی اساسی ہندسوں کی وضاحت کی ہے۔

اسی دیوی (دیچی تر) نے یونان میں سر ریت اور پراسرار سحری رسوم کو جنم دیا۔ یہ دیوی قدیم شام کی عیسا طرطی (افرو داسی) تریجیا کی سائیل اور مصر کی آئی سس کے مماثل تھی۔ دیچی تر زمین کی عام دیوی نہیں بلکہ خاص دیوی تھی۔ اور صرف زرعی تہذیب کے ترقی یافتہ عہد کی نہایت شائستہ اور مہذب دیوی تھی۔

دیچی تر اور اس کے مماثل دوسری دیویاں زرخیزی اور ہریالی کی انسانی شکلیں تھیں۔ دھرتی دیوی "جی آ" جس سے جیوگرانی، جیوگزس، جیومیٹری اور زمین سے تعلق رکھنے والے دیگر علوم کو نام ملے، دیچی تر سے زیادہ پرانی ہے۔ یونانی ریاست اسے تیکا کے شہر ایلپوس میں دیچی تر کی انتہائی مجسمی رسوم ڈرامائی انداز میں ادا کی جاتی تھیں۔ آج تک علمائے بشریات ہزار گوشش کے باوصف ان مجسمی رسوم کی تفصیلات سے محروم ہیں۔ یونانی پردہتوں نے ہند کے ویدستروں کے رکھوالے برہمنوں سے کہیں زیادہ ان رسوم کی حفاظت کی اور ان کا راز فاش نہ ہونے دیا۔ اس راز کو فاش کرنے کی سزا موت تھی۔ دراصل ان کا راز فاش کر کے پردہت ان کی سحری تاثیر اور اہمیت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔

دیچی تر دیوی کی پوجا کامرگز۔ ایلپوس بذاتہ چھوٹی سی خود مختار ریاست تھی (جیسے آج کل اطالیہ میں پوپ نگر۔ دیشکن ہے) ایلپوس میں اناج (جو) اگتا تھا۔ دوسری جانب علم و فضل کی سرزمین میں مسقراط، افلاطون، ارسطو، ایکسانیس، یوری پیدریہ اور سوفو کلیس ایسے

ہنرمندوں کا گہوارہ۔ ایتھنز (ایتھنز دیوی کا شہر) تھا جس کے میدان زیتون کے پیڑوں سے ڈھکے رہتے تھے۔ دیوی کے تہوار پر جلوس نکالے جاتے، گیت گائے جاتے۔ دیوی دی مگر درحقیقت حیوانی و نباتاتی زندگی اور تخلیقی عمل کی علامت نیز موسمی تبدیلیوں کی اشاراتی چھڑی تھی۔

دیومالا کی کہانی کے مطابق دیوی تر کی زندگی میں جب بری گھڑی آئی تو پاتال دیو پلوٹو (جو ہیریڈ بھی کہلاتا تھا) اپنے سنہری رتھ میں سوار سطح زمین پر نمودار ہوا اور دیوی کی کنواری بیٹی۔ پرسیف اونی کو اٹھا کر اپنے ساتھ زمین تلے لے گیا۔

یہاں برسپلیر بتا دیا جائے کہ پرانے زمانے کے لوگوں نے اپنی ضرورت کے مطابق اپنے خدا ہی وضع نہیں کئے، انہیں اپنی شکلیں ہی نہیں دیں بلکہ اپنے بھلے برے اوصاف بھی دیئے۔ یہی سبب ہے کہ ان کے تراشے ہوئے خدا انہی کی طرح اغوار اور آبروریزی کی وارداتیں کرتے پھرتے اور پرے بھی نہ بنتے۔ ان خداؤں کا نظام اخلاق اور نظام زندگی ان کے پجاریوں کے نظام اخلاق اور نظام زندگی سے مختلف نہ تھا۔ چنانچہ جب سقراط نے ان بدکار خداؤں کا محاسبہ کیا اور انہیں برا بھلا کہا تو بہت بڑا ہنگامہ کھڑا ہوا جس نے یونان میں چوتھی۔ پانچویں صدی قبل مسیح میں اخلاقی اور فلسفیانہ انقلاب برپا کیا۔ اس کے ساتھ دیومالا کا دور تمام ہوا اور یونان میں فلسفے کے دور کا آغاز ہوا۔

سنہری بالوں والی دھرتی دیوی دیوی تر اپنی بیٹی کی گمشدگی پر غمزدہ بھی ہوئی اور برافروختہ بھی مانتی لباس پہن کر وہ اسے بحرِ دیر میں ڈھونڈنے نکلے۔ دیوی کا پارہ سورج دیوتا سے بھی تھا اور پاتال دیو سے بھی اچھا پھر رتھ الشمس پالونے اسے پرسیف اونی کے اغواء کا حال بتا دیا۔ یہ جان کر دیوی تر نے سرزمین ایلینوس میں ڈیرہ جما یا جہاں اناج (جو) اگتا تھا۔ وہ "کنواری کے کنویں" کے پاس زیتون کے پیڑ تلے بیٹھ گئی۔ شاہ ایلینوس کی بیٹیاں برنجی گھڑے لے کر "کنواری کے کنویں" پر پانی بھرنے آئیں تو وہ دیوی تر کو خاطر میں نہ لائیں جو اپنی پیاری بیٹی کی موت پر غمگسار تھی اور بڑھیا کا بھیس بدلے ہوئے تھی۔ اس نے عہد کیا کہ جو بنگا اسے پرسیف اونی نہیں ملتی وہ اناج کے دانے زمین تلے چھپائے رہے گا اور اسے اگنے نہ دے گی۔ یہی نہیں بلکہ کوہ ایلینوس پر خداؤں

کی قابل رشک اور بے نظیر بستی کا رخ بھی نہیں کرے گی۔

دیوتا اس کی بے اعتنائی سے سخت پریشان ہوئے۔

کسان بیلوں کو نئے کھیتوں میں ہل چلاتے رہے اور جو کے دانے بکھیرتے رہے لیکن دھوپ سے جلی بھنی زمین کی کوکھ سے کچھ نہ اگتا۔

دیوتا ان قربانیوں سے محروم ہو گئے جو زرعی میلوں پر دی جاتی تھیں۔ آخر بڑے دیوتا اربت برشکال... میگھ دیوتا زیوس نے اس بھیانک صورتحال پر توجہ دی جس سے قحط کا اندیشہ ہو گیا تھا۔ اس نے آتے رفتگان پلوٹو کو حکم دیا کہ پرسیف ادنی کر رہا کر دے۔ پلوٹو نے سرسپیم خم کیا اور پرسیف ادنی کو رہا کر دیا۔ اس کے آتے ہی اناج پھوٹ پڑا۔ پلوٹو سے زمین سے باہر نکل آئے اور مردہ کھیتوں میں جان پڑ گئی۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ شاعر پر وہرت نے کس طرح قحط سالی، خشک سالی، زمینی تخلیقی عمل کو داستان میں ڈھال دیا۔ دیو مالا ایسی ہی داستانوں کا مجموعہ ہے۔

مال بیٹی... دھرتی دیوی دیوی تزا اور کنواری پرسیف ادنی کا یہ قصہ دراصل ایک اور دیوتا ایک میں دو اور وہیں ایک کا گورکھ و صندا ہے وہی مال ہے، وہی بیٹی ہے۔ ایک ہی کے دو روپ ہیں۔

ان ہندسوں ہی میں زرعی سائنس کی حقیقتیں میں گی جنہیں ساخر پر وہرت نے دیو مالا کی زبان میں بیان کیا۔ ہل سے زمین میں نالیاں بنانا، ان میں بیج گاڑنا، کھیت کو پانی دینا، بیج کا ایک معینہ مدت تک مٹی تلے پراسرار طریقے سے پڑ سے رہنا اور جڑ پکڑنا، پھر ایک صبح نمودار ہونا، پروان چڑھنا اور پک کر تیار ہونا، فصل کا کٹنا اور پھر کئی مہینوں تک زمین کا افسردہ اور برباد رہنا۔ یہ سب کچھ صبح تہذیب کے انسان کی سمجھ سے بالاتر تھا۔ وہ حیران و پریشان تھا۔ حیرانی اور پریشانی کے روگ سے چھٹکارا پانے کے لئے اسے شاعرانہ پیرائے میں سمجھا اور سمجھایا اور نہ صرف انسان بلکہ زمین کے تخلیقی عمل کو دیو مالا بنا دیا۔

ایلیوس کی شہزادیاں ہرے بھرے کھیت دیکھ کر خوش ہوئیں۔ انہوں نے دیوی کے لئے معبد بنایا اور دیو داسیاں بن کر اسے پوجنے لگیں۔

یوں ۲ کاہندسہ زرعی تہذیب میں زرخیزی و شادابی اور زندگی کی علامت بن گیا۔ سال ۴ حصوں میں بٹ گیا۔ پریسیف ادنی زمین پر ماں کے ساتھ ۴ حصہ گزارتی اور ایک تہائی زمین تلے (جوب بیج مٹی میں جا چھپتا) پاتال دیو پلوٹو کے ساتھ گزارتی۔ ان ۴ حصوں میں ۳/۴ اور ۱/۴ کا تصور موجود ہے۔ اس لحاظ سے ایک ۲ اور ۳ معنی خیز ہیں۔

۲ دیویوں کا نظریہ زرعی تہذیب کی پیداوار ہے۔ اور اناج (دانہ گندم یا دانہ جو) کہ انسانی شکل میں متصور کیا گیا ہے۔ یہ بے شوہر کی ماں اور بیٹی کا تصور ہے۔ یا پھر یہ وقت کا تصور ہے، ماضی اور حال کا تصور ہے۔ ماں بیٹی کو جنم دیتی ہے، بیٹی ماں کی جگہ لے لیتی ہے اور وقت کے دھارے پر یہ سلسلہ یونہی چلتا رہتا ہے۔ اس ماضی اور حال کے بعد مستقبل بھی ہے لیکن حقیقت صرف حال ہے۔ مستقبل حال میں منتقل ہو جاتا ہے، حال سے گزر کر ماضی بن جاتا ہے۔ حال بہر حال برقرار رہتا ہے ایک ہی اکائی وقت کے سانچے میں ڈھل کر ۳ روپ اختیار کر لیتی ہے "دیوی (بیٹی) ۳ اور ایک دوسری روایت کے مطابق ۶ ماہ زمین تلے مردوں کے ساتھ گزارتی ہے اس دوران میں جو کایہ بیج مٹی میں چھپا رہتا ہے۔ جب وہ واپس آتی ہے تو بیج پھوٹتا ہے۔ یہ دیوی سرسبزی اور ہریالی کی صنمیاتی شکل کے سوا کچھ نہیں، جو موسم بہار میں جلوہ افروز ہوتی ہے،

صنمیاتی دور کے بوجھ بھگڑوں نے ایک اور ۲ کا فرق یوں بیان کیا کہ بقول فریئر پچھلے سال کے اناج کو ماں اور نئے سال کے اناج کو بیٹی کر دیا۔ سجرے دانوں میں کمزور پن کی شادابی تھی۔ پرانے دانوں میں ماں کا ہاسی پن تھا۔ عملی شکل یہ تھی کہ پچھلی فصل کے دانے بیج کے طور پر بوٹے جاتے جن سے نئے دانے پیدا ہوتے۔ زمین کو ماں کہنے والے (دھرتی پجاری) اس فطری تخلیقی عمل کو حیوانی جنسی عمل ہی کے مماثل قرار دیتے۔ اسی طرح زندگی گردش میں سالِ رواں کی پریسیف ادنی سبب دو شیزہ (نئی فصل) اگلے سال ماں — دیوی تر (بیج) بل جاتی :

اگر ان ضمیقاتی گروہوں کو کھوپس اور انہیں جسمانی سطح پر پرکھیں تو واضح ہوگا کہ ان میں زندگی کے عروج و زوال کی کہانی ہی بیان کی گئی ہے۔ جسمانی سطح پر زندگی عروج و زوال کے ۲ حصوں پر مشتمل ہے ایک تخلیقی اور دوسرا غیر تخلیقی اور، رب العزت نے زندگی کو یہی انداز بخشا ہے۔ دیو مالا کے تصورات ہزاروں سال پرانے ہیں۔ چھ سات ہزار قبل تک ہمیں ان کے آثار ملتے ہیں ان تصورات کی رو سے ایک ہی سال میں نمود، پیدائش کا عمل اور موت کا عمل پانچ تکمیل کو پہنچتا۔ یونانی تقویم کا آغاز خزاں (ستمبر) سے ہوتا اور موسم بہار سے گزرنے کے بعد خزاں پر جا کر سال تمام ہو جاتا۔

تیری راج کی دھرتی دیویاں اور پدری نظام (PATRIARCHY & MATRIARCHY) کے دھرتی دیو لافانی تھے۔ یالیوں کہئے کہ فصل کٹنے کے بعد یہ دیوی دیوتا مہر جاتے تو حیوانی زندگی برقرار رکھنے، نباتات۔ ہر قسم کی ہریالی، شادابی اور زرخیزی کو واپس لانے کے لئے انہیں دوبارہ زندہ کرنا ضروری تھا۔ بہار کے بعد ان کے مرنے ہی سے خزاں آتی، حیوانی زندگی کی تازگی ماند پڑ جاتی اور ہریالی نہ رہتی ساسی لئے ان دیوی دیوتا کے لئے انسانی قربانی دی جاتی۔ غلام اور دو شیزا ہیں قربان کی جاتیں حیوانی قربانی بعد کی چیز ہے۔ مصر، میسوپوٹیمیا (دو آری) یونان اور ہندو کہیں قربانی کے خون سے دیوتا کو مرنے کے بعد دوبارہ جلا یا جاتا۔

اس ساری گفتگو کو ۲ کے ہندسے تک محدود رکھنے کا سبب یہ ہے کہ زرعی تہذیب کے ابتدائی دور میں تیری راج برڈ سے کار آیا تو جنسی عمل میں آدمی کے کردار کا ادراک نہ کیا جاسکا۔ بشریات بالخصوص یونان کے عہد جاہلیت کی محققہ۔ مس جین ایلین ہیری سن کا یہ بیان اس حقیقت کو عیاں کرتا ہے۔

”دورِ حاضرہ کے شعور مندوں کو یہ جان کر تعجب ہوتا ہے کہ دورِ ساحری میں کھیتی باڑی کا کام بیشتر عورتیں کرتی تھیں، وہی دیویوں کی شکل میں جلوہ گر ہوتی تھیں۔ اس زمانے میں جب مرد شکار اور لڑائی بھڑائی سے وابستہ رہتا تھا تو قدرتی طور پر کھیتی باڑی اور متعلقہ کام عورتوں کو سونپا جاتے۔ مزید برآں معاشرتی ضرورت میں ایسے وہم

کو شامل کیا گیا جس کی بڑی کھسکی تھیں۔ آج بھی اوائلی عہد کی طرز زندگی رکھنے والا مرد کھیتی باڑی میں دخل دینے سے باز رہتا ہے۔ سحری لحاظ سے وہ زرعی شعبے کی کامیابی کا سہرا عورت کے سر باندھتا اور اس کی تولیدی ہنرمندی کو اس کا موجب قرار دیتا ہے۔ جب عورتیں مٹکا (مکئی) بوئیں تو اس کا تناؤ دو دین بایں لاتا۔ یہ کیوں؟ یوں کہ عورتیں بچے پیدا کرتی جانتیں۔ وہ اس کام کو مردوں سے بہتر جانتیں اور کرتیں۔

۲ کاہندسہ ایک کنارے سے دوسرے کنارے۔ خزاں میں کشت کاری (بیج بونے) سے بہار (اپریل، مئی) میں فصل کاٹنے تک پھیلا تھا اور قدیم تر (زرعی دنیا کے عہد جاہلیت) میں عورت سے عورت تک محدود تھا۔ دھرتی دیو بعد کی چیز ہے۔ جب مرد کے تخلیقی کردار کا شعور پیدا ہوا، مرد نے اہل کی ہتھی تھامی، کھیتی باڑی میں اس کی کامیابی عیاں ہوئی اور اپنی قوت کا لوہا متوایا، تریاراج کا طلسم توڑ کر برسر اقتدار آیا تو دھرتی دیو معرض وجود میں آیا۔ ۲ میں ایک اور شامل ہوا۔ یوں ۳ کاہندسہ بھر ۳ کے اس انقلاب نے مرد کو نیا شخص بننا، عورت کا زیر دست نہ رہا اور اس نے اس نظریے کا اعلان کیا کہ صرف عورت اپنے جنسی تخلیقی وصف کے باعث کھیتی باڑی کرنے کی اہل ہے اور اسی کے دم قدم سے بزم ہستی کی روئیں قائم ہیں۔ وہ کھیت میں پاؤں نہ دھرے اور اہل نہ چلائے تو فصل ہی نہ آگے۔ مرد کو اچانک تجربہ ہوا کہ وہ بھی فصل اگا سکتا ہے تو وہ شیر ہوا اور اس نے زندگی کے امور و معاملات کی باگ ڈور عورت سے لے کر خود سنبھال لی، مادری نظام کو رخصت کیا اور پدری نظام کو رواج دیا۔

۴ کاہندسہ دراصل زرعی تہذیب میں انقلاب کی نشاندہی کرتا ہے۔ مادری نظام (تریاراج) پر پدری نظام کا غلبہ پانا ایک انقلابی اقدام تھا۔ معاشرے نے زنانہ کینچلی آواز کو مردانہ کینچلی پہن لی قبیلے کی قیادت، اٹلاک و اموال کی ملکیت، اولاد کی نسبت اور شناخت میں مرد کا عمل دخل ہو گیا اب باپ کے مرنے پر اس کی بیویاں بیٹے کے تصرف میں آئیں۔ عورت کا اثر و رسوخ پہلا سانس رہا۔ بیویوں کا رخ بدل گیا۔ شو اور پارہ بٹی کے مندروں، انفرادی اور مشترک (سامیوں کی دیوی) کے معبدوں،

کہانت گا ہوں (جن میں عربوں کے عہد جاہلیت کی کہانت گاہیں شامل ہیں) اور منگم پوجا۔ اور دیو داسیوں کے روپ میں عورت کا عمل دخل تو رہا لیکن مرد نے ہر کہیں اپنی خواہش اور جذبہ برتری کی تسکین کا اہتمام کیا۔ اس نے سیاہ و سفید بن کر عورت کو اپنی آرزوں کی قربان گاہ اپنی پراسرار اندرونی تپش کی جوالا مکھی کے سپرد کیا۔

مادری نظام (MATRIARCHY) میں عورت نہایت پر وقار اور مقدس مقام رکھتی تھی۔ آج کا قاری اس مقام کا صحیح تصور نہیں کر سکتا کیونکہ اس کا تعلق اس سحری دور اور سحریاتی ماحول سے تھا جو اب معدوم ہے۔ یہ مقام عاشق صادق اور شفیق ماں کے درمیان تھا۔ ماں/عورت اپنے آدمی کی محافظ بھی تھی، چاہنے والی بھی تھی۔ وہ اسے مہم جوئی پر تیار اور ماہور بھی کرتی۔ وہ خود بھی لڑتی۔ یونان کی لہجارت سپارٹا کی ایمیزن (لڑاکا خواتین) نے بڑا نام پیدا کیا۔ عورت سرپرست تھی۔ اس کی ذات باعث برکت تھی۔ جیسں بہر اکلینز وغیرہ ایسے زخیم مادری نظام کی عورتوں (دیویوں) کی سرپرستی اور معاونت سے فائدہ اٹھا کر حیرت خیز کارنامے سرانجام دے سکے (مس ہیری سن کی تالیف ”پرو لیگو مینا ص ۲۷۳)

دھرتی دیوی اور دھرتی دیو کے ساتھ اناج کی روح (CORN-SPIRIT) کا تصور بھی عیاں ہوا جسے اناج سے مادرا، ایک بیرونی قوت مانا گیا۔ فریزر کے نزدیک روحیں ہی کائنات میں جان ڈالتی روح پرستی (ANIMISM) دیوی دیوتاؤں کے وجود میں آنے سے پہلے بھی دنیا میں مردج تھی۔ نظریہ یہ تھا کہ کائنات نیک اور بد ارواح سے بھر پور ہے۔ دیوی دیوتا تو اس وقت پیدا ہوئے جب زخیموں (ہیرن) نے غیر معمولی کاموں اور فتوحات سے اپنا سکہ جمایا۔ یہی زخیم مرنے کے بعد دیوی دیوتا بن گئے۔ فرعون اور سائرس جس نے دنیا میں پہلی بار خود کو گنم کی بجائے اپنے ہاتھ سے کھیتوں میں گنم اگائی، اپنی حیرت خیز ایجاد اور کادشس کی وجہ سے دیوتا بن گیا۔

۳ کے ہند سے کے عمل دخل سے مردوں اور عورتوں کے درمیان نئے سڑ سے امور و فرائض کی تقسیم ہوئی۔ اس بٹوارے سے دیوی کو زمانہ اوصاف اور دیوتا کو مردانہ اوصاف دیے گئے۔ دیوتا کو پہلی حیثیت اور دیوی کو دوسری حیثیت ملی۔

عورت اقتدار سے محروم تو ہوئی، لیکن اس کے اختیار کی صورتیں مرث نہ سکیں۔ وہ گاڑی کا

مضبوط پہیہ بنی رہی۔

۳۴ کاہنہ سہ نہی تہنزیسی علامت بن گیا۔ دیسی تھر (دھرتی دیوی) نے بڑے دیوتا دیوس سے بیاہ
 رچایا اور ان کے یہاں پر سیف ادنی پیدا ہوئی۔ اس تشکیلت نے دیو مالا کو نیارنگ دیا۔ دھرتی دھرم کے
 ساتھ دین شمسی (اور فلکی ضمیات) کا چلن ہوا۔ ارضی خدا اپنی جگہ پر تو رہا لیکن ان کی اجارہ داری ٹوٹ گئی فلکی
 خدا بھی آن ٹپکے۔ انہوں نے فاتحین کی قوت سے اپنے لئے جگہ بنائی اور بہت اونچی بنائی۔ یہ ایلپس پہاڑ کی
 چوٹی پر جا پہنچے اور انہوں نے اپنے لئے ولا دیز ایوان بنائے جن کے چمکتے دکھتے درو دیوار پر دکھائی نہ دینے والے
 پردے تھے وہے اور دنیا بھر کو روشنی سے زیر کرنے والے سورج کے ساتھ ساتھ دنیا کو فتح کرنے کے
 منصوبے بناتے رہے۔ چونکہ زمین پر رست کھیتی باڑی کے باعث ایک ہی جگہ پر قیام کرتے، اپنی زمینیں
 نہ چھوڑتے، اپنے کھیتوں کی مٹی سے چمٹے رہتے اس لئے وہ بے حس و حرکت ہو کر رہ گئے۔ ہند کے
 باشندے دراوڑ اور یونان کے زمین پر رست پیلار جی اسی سبب سے بیرونی حد آوروں (شمس پر رست
 آریاٹل اور آکیاٹل) کے ہاتھوں شکست کھا گئے۔ صرف مصر وہ خطہ ارض تھا جہاں لوگ بیک وقت زمین
 پر رست اور شمس پر رست تھے۔ یہ خود ہی اپنے ملک پر حکمران رہا۔ تھوڑا سا زمانہ ضرور آیا جب بیرون ملک سے
 ”ہک سوس“ (گڈریا حکمران) آئے اور یہی اسرائیل کو ساتھ لائے۔
 ”ایلپس پہاڑ ۳ x ۴ (۱۲) دیوتاؤں کا مسکن بن گیا۔ یہ اکائی کے روپ میں اسی سے شہزیت اور
 تشکیلت نے راہ پائی۔

۳۴ کاہنہ سہ راج ہوا تو دیو مالا میں نہی ترتیب در آئی۔ انتقام کی دیویاں (ایری ای نیز) جو ایک خاص
 واقعے کے بعد رجم و کرم کا دیویاں بنائی گئیں۔ ۳ تھیں۔ یہ کالی، چندری اور ڈرگاٹے مختلف تھیں۔ بشرکین شہر
 کی خونی دیوی۔ منات کے بھی مماثل۔ تھیں۔ ان دیویوں کی عبادت گاہ میں ان کی جو مورتیاں رکھی
 گئیں وہ کسی طور ڈراؤنی نہ تھیں، انہیں پر یوں کی طرح پرنگے تھے۔ یہ عبادت گاہ اتھنٹر میں اس عدالت
 (ایری اور پاس) کی بغل میں واقع تھی۔ جہاں مشہور تاریخی اور رزمیہ شاہی کی شخصیت اور اپنے عہد کی حسین

ترین عورت۔ ہیلین کی بہن کلائی ٹیم نیسترا کے قاتل بیٹے کے خلاف مقدمہ چلاتا تھا۔ اسے سزا نہ دی گئی جس کا سبب زمیں پرستی اور فلک پرستی کا باہمی تنازعہ تھا۔ ہیلین اور کلائی ٹیم نیسترا دونوں بہنیں زمین پرستوں کے معزز خاندان سے تھیں۔ انہیں حملہ آور اور فاتح فلک پرستوں نے جبراً اپنے گھروں میں ڈال لیا۔ ہیلین اپنے زمین پرست منگیتر پیرس کے ساتھ بھاگ گئی۔ پیرس جزیرہ طروئے (ایلی ادن) کا شہزادہ تھا۔ طروئے فلک پرستوں کا مخالف، زمیں پرستوں کا دوس تھا۔ درحقیقت یونان اور طروئے کی جنگ اس مذہبی اختلاف کے باعث ہوئی۔ یہ زمیں اور آسمان کے مابین لڑی گئی۔ ہیلین بہانہ بن گئی۔ اس کی بہن کلائی ٹیم نیسترا نے اپنے فلک پرست شوہر کو بیٹی کی قربانی دینے پر قتل کیا۔ کلائی ٹیم نیسترا کو اس کے بیٹے نے قتل کیا۔ یہ قتل دھرتی دیوی کا تھا۔ فلک پرستوں نے اسے اہمیت نہ دی اور قاتل کو معاف کر دیا۔ انتقام کی دیویاں (جو دھرتی دیویاں تھیں) بہت سٹیٹائیں تو انہیں رحم و کرم کی دیویاں بنا دیا گیا۔ دونوں حالتوں میں تعداد ۳ ہی رہی۔

ہومر جو فلک پرست فاتحین کا شاعر تھا قدیم ہاشندوں — پیلاز جیوں کی تہذیب اور زمیں پرستی کے مسک کا پیری تھا۔ اس نے ہیلین کو خوب بدنام کیا کیونکہ وہ دھرتی دیوی تھی، ہومر دھرتی دھرم کو مٹا کر فلک پرستی کو ترقی اور زرعی تہذیب (زمیں پرستی) کی بجائے شمشیری تہذیب کو برتر جگہ دینا چاہتا تھا اس سلسلے میں یونان اور طروئے کی وہ ہستیاں اس کی عصبیت کا شکار ہوئیں جو دھرتی دھرم سے نسبت رکھتی تھیں۔ یونان میں ۲ کا ہندسہ جو دیوی ترا اور پرنسیف ادنیٰ سے تعلق رکھتا تھا دھرتی دھرم کی علامت تھا، رفتہ رفتہ ماند پڑ گیا۔ ہومر اور اس کے معاصرین کی کاوش سے پرانی علامتیں مٹنے لگیں لیکن دھرتی دھرم جس کی جڑیں بے حد گہری تھیں، مٹنے نہ میں آہستہ دھرتی دیویاں اقتدار سے محروم ہوئیں۔ فلکی دیوتا کئی دھرتی دیویوں — پیرا، ایتھنی، افرودائی کو اٹھا کر آسمان پر لے گئے اور وہ آپس کے ایوانوں میں رہنے لگیں جہاں ان کی رسوائی کا سامان کیا گیا۔ سنہری سیدب کا افسانہ خاص طور پر مشہور ہے۔

جادوگری کے شعبے

جادو زودہ اور جادو پرست اقوام و قبائل کے شاعروں (پروہتوں) نے سائنسی معلومات کی کمی یا فقدان، اسباب و علل اور نتائج کے منطقی تعلق کی لاعلمی اور ناکافی تجربے کے باعث تجسس پسند طبع انسانی کو مطمئن کرنے کے لئے اور ازل سے اب تک پھیلے ہوئے استفہام کا جواب دینے کی غرض سے جو سعی کی اینج دکھائی اور تخلیقی صلاحیتوں سے کام لے کر جس جادو نگری کو آباد کیا وہ خیر و شر کا اکھاڑا بن گئی۔ پھر اس اکھاڑے میں غلامی کی ایسی رسم پڑی کہ ہزاروں سال کے بعد جا کر ختم ہوئی، لاکھوں انسان ایک فرعون کو ہمیشہ کی زندگی دلانے کے لئے اس کے مقبرے کو تیار کرنے والے مصالحوں میں مر کھ چکے۔ صاف ستھرا ماحول برباد ہوا۔ شرکی طاقتیں کھل کھپیں لگیں۔ عورت اور مرد کے تعلقات اصول فطرت کے مطابق سیدھے سادھے نہ رہ سکے۔ جادو گر پر وہبت کی نیت میں فتور آیا۔ وہ تنگم یو جا جو دھرتی و ہرم (زمین پرستی در سوم زرخیزی) کے تحت انسان کی تخلیقی قوت بیدار کرنے کے لئے راج کی گئی تھی، ہند میں اگر جنسی بے راہروی، عیاشی اور بدکاری میں تبدیل ہو گئی۔ سلطان محمود غزنوی نے سومنات کی شومند میں بقول۔۔۔ (مولف ٹیلک در شب) جو انتہائی گریہ، بد وضع اور بہت ہی بڑا لٹھ دیکھا وہ یقیناً کوئی بت نہ تھا۔ اس بھونڈے اور بیہودہ پیکر (تنگم) میں کوئی فنی خوبی کوئی محسن نہ تھا۔ محمود غزنوی جیسے عظیم مہذب انسان، صاحب ذوق، علم دوست اور تہذیب کے مرقی اعظم کا جالیاتی ذوق اس بری طرح مجروح ہوا کہ اس نے اسے توڑ دیا۔ اس کے دور میں اس قسم کے واہیات اور ہر نفارت پسند کی طبع پر گراں گزرنے والے پیکر ہند کے طول و عرض میں درجن بھر تھے یہ معنی

دراپہ واسیوں سے بھرے رہتے اور خواتین بہ تعداد کثیر یہاں آتیں۔ ان کے تہہ خانے جہاں شو ویو کے اوتار (پروہت) وارد ہوتے، سادہ لوح خواتین کی آبروریزی کے مرکز بن گئے۔

پانچ ہزار سال تک دڑیرہ شاہی اور ملوکیت نے اس جادو نگری کو نہایت آب و تاب اور گلہم کے ساتھ برقرار رکھا لیکن پھر سیاسی نظام کے انسانیت سوز معاشرتی کردار، بد وضع رویوں اور ان کے ساتھ جادو گر کی خوفناک قوت، اس کی خوشخوار اجارہ داری اور سحری رسوم میں جذبات کے عدم توازن، شرانگیزیوں اور جنسی تباہ کاریوں نے اس کا پٹر ڈر کر دیا۔ اسلام نئی توانائی، صحیح فکر و عمل، فطری سادگی، بلند خیالی، بلند کرداری اور ان کے ساتھ اخوت و مساوات کے ذریعے معاشرے میں انسانوں کی شیرازہ بندی کا نیا ہنر لایا تو پچاس صدیوں کی پرانی عکاظیتیں دور ہو گئیں۔

بشریات کے طالب علم کے ذہن میں بار بار یہ سوال ابھرتا ہے۔ جب وہیں ساحری غلط سوچ کا نتیجہ تھا، غلط کاریوں کا مسلک تھا پھر یہ کیوں اتنی مدت تک دنیا میں رواں دواں رہا؟ اس کا جواب چنداں مشکل نہیں۔ جیٹ طیاروں اور ستاروں پر کمندیں پھینکنے والے فلک شکن خلائی جہازوں کی پرواز کے اس دور میں قدیم عہد کے انسان کی رفتار کار، رفتار فکر اور فکر کی محدود رسائی کا اندازہ کرنے میں غلطی کھاتے ہیں۔ یہ درست ہے کہ ان جناتی لوگوں نے ہرم اکبر جیسی عظیم الشان اور عجیب و غریب تعمیر و تعمیر سال کی انتہائی قبیل مدت میں ہاتھوں کی مدد سے مکمل کی اور آج کے برقی میکینکی دور کے انجینئر اور سائنس دان جدید ترین آلات اور تکنیک کی مدد سے اسے دس گنا مدت میں بھی تیار نہیں کر سکتے لیکن ماضی کی بڑی بڑی تہذیبیں بہر حال ہمارے مقابل انتہائی سست رہیں اور انہیں بدلنے کے لئے جس فکر و عمل کے اثاثے کی ضرورت تھی وہ کم و بیش اتنی ہی مدت میں جمع ہوا۔ جادو کا آخری تہذیبی گڑھ جہاں مصر کے پروہتوں کی دانش کے خزانے صرف ہوئے، یونان تھا۔ یہاں پانچویں صدی قبل مسیح میں سقراط کی آمد سے رب البرق داررغدزیوس کی دیوتا کی ٹوٹ پھوٹ کا عمل شروع ہوا۔ اس کے بعد اس کی معنوی اولادوں، افلاطون و ارسطو اور دوسرے مفکروں نے فلسفے کے پیشے سے اس کی جڑیں کاٹیں پھر جوہر ساتویں

صدی کے نصف اول میں تہذیب کے افق پر اسلام طلوع ہوا تو فلکی دیومالا اور ارض پرستی کے تمام باقیات پامال ہوتے، جادو نگری کھنڈر ہوئی کعبے کی تطہیر کے بعد جہاں جہاں مسلمان پہنچے انہوں نے بت کدے کی تطہیر کا کام اپنے ذمے لیا۔ ساتویں صدی عیسوی تک کی داستان فکری و علمی کج روی کے خلاف جہاد کی ناقابل فراموش تاریخ ہے۔ آخری جہاد حضرت احمد سرہندی مجدد الف ثانی نے دین اکبر کے خلاف کیا اور کفر و الحاد کا گڑھ ڈھایا۔ الغرض اسلام کے تعمیری و تطہیری فکر و عمل سے پرانے پیکر کیسے بدل گئے۔ علامہ اقبال نے اسلام کے چہرے سے جو گرد و در کی اور غلط تاثرات رفع کئے، وہ بھی ایک طرح سے مجددانہ کارنامہ ہے۔

جادو گرتے پانچ ہزار سال میں جو علمی و فنی شعبے قائم کئے وہ اپنی تہذیبی سرگرمیوں کے اعتبار سے کمال کی آخری حد تک پہنچے۔ آج ہمیں شاعری، رقص، موسیقی، افسانہ و داستان، ڈرامے، سنگتراشی، کوزہ کاری، فن تعمیر، کیمیا، علم ہندسہ، نجوم اور بعض دوسری علمی و فنی سرگرمیوں میں جو رونق دکھائی دیتی ہے وہ جادو ہی کا کارنامہ ہے۔ ابتداء میں جب چھوٹے چھوٹے قبیلے اور چھوٹی چھوٹی بستیاں تھیں تو ایک ہی شخص سب کچھ کر لیتا۔ وہی بیک وقت سردار قبیلہ، سپاہ سالار، طبیب اور جادوگر ہوتا لیکن امتداد زمانہ کے ساتھ جیب کام میں ترقی ہوئی۔ الگ الگ شعبے بنے۔ کاروبار بڑھا تو نظم و نسق کا دائرہ بھی پھیلا اور تقسیم کار کی رو سے پروہتی نظام کے کارکنوں، اعلیٰ و ادنیٰ کارکنوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوا ایک بڑی حکومت بڑی قوم اور بڑی ریاست پر کنٹرول کرنا سہل نہ تھا اس کے لئے بے انتہا مستعدی، ہوشیاری اور ذہانت کی ضرورت تھی یہ کام عملے کے بغیر نہ ہو سکتا تھا۔

پانچ ہزار سال میں ذیل کے تہذیبی شعبے برڈے کار آئے۔

- ۱۔ دیومالا۔ یہ خدا سازی و داستان تراشی اور داستان سرائی کا شعبہ تھا۔ پر و بہت (شاعر) قومی زعمیوں (ہیر و زرا) کو خدا بناتے انہی نے مصر کے بادشاہ آدم فرعون اور سائیں رس کو خدا بنایا اور پاتال کی دنیا اس کے حوالے کی۔ اس کی بہن (دیوی اور محبوبہ) آئی رسیس کو دیوی بنایا۔ یہ دھرتی دیوی تھی۔ اسی طرز پر یونانیوں (ہی سیوڈ)، ہنوز اور دیگر شعرائے ہیرا، سلیس، ایلیسی، افرودیتی (عربوں کی عشتار) کو دیوی بنایا۔ رومنوں

کی دنیس (زہرہ) اور دیانا (ناہید) کو بھی دھرتی دیویوں کا درجہ ملا۔ یونانیوں نے اپنے قومی ہیرو اور اولمپک کھیلوں کے بانی ہیرا کلز کو آسمان پر ہیرا دیوی کے پاس پہنچایا اور اسے عالی مقام بنایا۔

ہر فرعون کو پہلے رب الشمس کا اوتار اور ارضی خدا بنایا پھر مرنے کے بعد اسے آسمان پر پہنچا کر رب الشمس بنایا۔

مس جین ایلن ہیریسن کے خیال میں آدمی نے اپنی شکل و صورت پر اپنے لئے خدا تراشے، ان خداؤں کو اپنے اوصاف سے اپنی اچھائیاں اور برائیاں دیں۔ فطرت کی طاقتوں اور قدرت کے مظاہر کو بھی خداؤں کا روپ دیا چنانچہ یونانی دیو مال میں پرانے اور نئے خداؤں کی وہ سالہ جنگ و حقیقت فطری طاقتوں کی باہمی کشمکش تھی جس کا بنیادی مقصد پرانی پیلازجی تہذیب کو شکست دے کر نئی شمسی تہذیب کو بروئے کار لانا تھا۔

زعیموں اور خداؤں سے جو داستانیں منسوب کی جاتیں بسا اوقات وہ دوسرے غیر معروف زعمیوں اور ادھر ادھر بکھری ہوئی لوگ کہانیوں کی شیرازہ بندی سے تیار کی جاتیں مثلاً ہیرا کلیئر کے بعض کارنامے دوسروں نے سرانجام دیئے لیکن اسے قد آور بنانے کے لئے اس سے منسوب کر دیئے گئے۔

یہ کام جیب وقت کے ساتھ ساتھ بڑھا اور ایک آدمی کے بس کا رہا تو بقول مس ہیریسن اس میں دیو داسیوں اور چھوٹے پروہتوں کو بھی شامل کر لیا گیا ضمیاتی فلسفے کی تراش و تراش اور ترمیم و اضافہ کا کام اسی شعبے میں ہوتا۔

کلام ... داستان گوئی اور داستان سرائی کے پہلو بہ پہلو ایک اور اہم کام شیدوں اور منتروں کی گھڑائی تھا۔ عملی سحر میں کلام کو منزل مراد تک پہنچنے کا کلیدی ذریعہ سمجھا جاتا۔ سفلی عمل ہوتا یا علوی عمل، بالمثل ہوتا یا لمسی، بہر حال کلام کا استعمال ناگزیر تھا۔ ہمارے خیال میں خالص منتروں کی سب سے بڑی اور سب سے اہم کتاب مہری پرہتوں کی "کتاب رفتگان" ایک آف دی ڈیڈ ہے جو کئی صدیوں میں جا کر تیار ہوئی۔ اس کے منتروں پرہتوں نے گھرے، وہی ان کی دھنیں باندھتے اور نغمہ سراہتے۔ بڑے بڑے تہذیبی مرکزوں میں مہماہنت اور اس کے تربیت یافتہ سپوت یہ کام کرنے۔

یہ نہایت ہی مخفی علم تھا جسے کام اور مطلوبہ شخص کے درجے کے مطابق اس کے ہم پایہ پر وہت ہی استعمال کرتے۔ مثلاً فرعون کا پر وہت معمولی آدمیوں کے لئے نہیں تھا۔ ان کے لئے نچلے درجے کے پر وہت تھے۔ معاوضہ گاہک کی مالی حیثیت کے مطابق ہوتا۔ فرعون کی عزائی رسوم ادا کرنے، تابوت میں رکھنے کی غرض سے "کتاب رفتگان" کے نسخے تیار کرنے اور اس کے منتر پڑھنے والے جو معاوضہ وصول کرتے وہ کبھی کبھی فرعون کی دولت و ثروت کو بھی شرط تے۔ یہ عالی قدر پر وہت صحیح رسوم ادا کرتے۔ صحیح منتر پڑھتے اور فرعون کی کعب (روح) کو رب الشمس تک پہنچاتے اور اسے رب الشمس بناتے وہ اہم کے تحفظ اور اس کی سلامتی کے بھی ذمہ دار ہوتے۔

کلام گوئی اصلاً نغمہ سرائی تھی اور اسی سے موسیقی اور شاعری نے جنم لیا۔ رقص پہلے سے موجود تھا۔ یہ فن اعضاء کی موزوں و متناسب اور خیال افروز حرکات کی ترتیب و ترکیب کا نام ہے اور شیلڈن چیلنے نے اپنی کتاب "تھیٹر" میں اسے ام الفنون قرار دیا ہے۔ شاعری کا اس سے گہرا تعلق تھا موصوف نے اس تعلق کی یوں مثال دی ہے کہ رفاہ فٹ ورک سے کام لیتی اور نال کا نظام قائم کرتی ہے۔ شعر کے پیمانے کو انگریزی میں فٹ ہی کہتے ہیں۔

ہند میں موسیقی کا آغاز بگ وید سے ہوا لیکن واوی سندھ میں یہ جہت پہلے سے معمول حیات تھی۔ شعر، رقص اور موسیقی سے منٹروں میں اثر انگیزی آتی۔ دیونا کو رام کرنے اور حکما اس سے کام لینا ممکن اور سہل ہو جاتا۔

دین ساحری میں کلام کی مدد سے پر وہت خداؤں کو تابع کر لیتے۔ ظاہر ہے خدا کیوں تابع نہ ہوتے؟ خود انہی نے تو انہیں گھڑا تھا۔ وہ اپنی مخلوق سے ایسا سلوک کیوں نہ کرتے؟ پورج تو پہلے سے موجود تھا لیکن رب الشمس ان کا من گھڑت تھا۔ زمین موجود تھی لیکن رب الارض (دھرتی دیوان) کی دریافت یا ایجاد تھی۔

خدا سے کام لینے کے لئے جو منتر بنائے گئے ان کا بہت بڑا ذخیرہ ہم تک پہنچا ہے "کتاب رفتگان" (جلد دوم، ص ۸۰-۱۱۶) سے ایک منتر کا کچھ حصہ درج ذیل ہے۔

”اے مقدس خدایا، اے رب! تو آپ ہی پیدا ہوا۔ تجھی سے سب کچھ پیدا ہوا۔

تیرے لئے سر تسلیم خم ہے۔“

”جہاں تک تیری دوا آنکھیں دیکھتی ہیں وہاں تک تو نے افلاک برپا کئے۔“

”دیو یوری اُس نے تیرے بیروں کو ٹھکانے لگا دیا ہے۔“

”تو حسین ہے۔“

”جب تو اپنی پر عظمت روشنی بھجھتا ہے تو پاتال کے اصحاب مسرور ہو جاتے ہیں۔

ان کی دونوں آنکھیں تیری جانب ہو جاتی ہیں۔“

”وہ جو تابوت میں پڑے ہیں تو ان کی صدا سنتا ہے۔“

”ان کی بے بسی دور کرتا اور ان کے آس پاس سے ان کے بیروں کو بھگا دیتا ہے۔

تو ان کے نتھنوں میں سانس ڈالتا ہے۔“

یہاں ایک بات قابل توجہ ہے۔ اس سحری منتر میں ایک سائنس کی حقیقت بھی بیان کی گئی

ہے۔ گو وہ آج کی تحقیق سے پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتی۔ اس منتر میں سورج کو ہر شے کا خالق

بتایا گیا ہے۔ موحّد فرعون آخن عطون نے اپنے ربّ الشمس کے لئے جو طویل حمد لکھی اس میں بھی

عطون سورج دیوتا کو زندگی کا خالق قرار دیا ہے۔ خلاف ازیں قرآنی حکمت کے بموجب پانی سرچشمہ

حیات ہے چنانچہ ارشاد ہوا۔ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيًّا۔

جدید ترین تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ آج سے چند ارب سال قبل جب ایک خلیہ زندگی، نمودار

ہوئی تو اس کے بردے کار کرنے اور تابکاری کی بوجھاڑ کے بعد مزید خلیے اور بالآخر ”زیو پلانکٹن“

کے حیاتی ذروں سے جانداروں کی پیدائش کا جو طویل عمل۔۔۔ کروڑوں سال تک ہوا اس کا محل وقوع

پانی تھا۔ پانی ہی میں حیاتیاتی بلقوبہ تیار ہوا تھا۔

• فن تعمیر اور سنگ تراشی، انجینئرنگ کا یہ شعبہ ہزاروں سال قبل کے ساحروں کے فکر و عمل

کی طویل جدوجہد کا حاصل ہے اس نے معمولی سی خستی قبروں اور ننھے مئے مقبروں سے بڑھ چھیل کر اہرام

ایسے جہاتی مقبروں کی شکل اختیار کر لی جس کے معمار سلوں کی تعمیر تراش و تراش اور انہیں ایک دوسرے پر جملنے میں ایسے ماہر تھے کہ پچیس پچیس اور پینتیس پینتیس ٹن کی سلوں کے طول و عرض میں بال بھر فرق نہ ہوتا۔ یہ معمار ریاضی کے موجد بھی تھے اور فن تعمیر میں اس کے استعمال میں یکتا بھی تھے۔ یہی نہیں بلکہ علم آب و ہوا اور علم النجوم میں بھی یکتا تھے۔ دریا تے نیل کے سیلابوں کو زراعت میں بحسن و خوبی کام میں لاتے۔

معدوں اور بتوں کے بنانے کا کام بھی یہی لوگ کرتے۔

انہی میں مصور ہوتے اور ہائرڈ گلیفکس کے ماہر بھی جو فرماں رواں کے کارنامے تصویروں میں منتقل کرتے اور ان کی عبارتیں پتھروں پر کندہ کرتے۔ ان کے بنائے ہوئے محسمے، مخطوطے، الواح اور منقش ظروف علمائے بشریات کے لئے بصیرت کا سامان رکھتے ہیں۔

۹ ریت، عبادات کا یہ شعبہ جادو گروں کی بہت بڑی ایجاد ہے۔ بعض ریتیں اتنی خفیہ اور پراسرار تھیں کہ ان کی پوری تفصیل معلوم نہ ہو سکی۔ اس دور میں ان کا ذکر کسی کی زبان پر نہ آتا۔ دھرتی دھرم جسے سحر بالمثل کا سب سے بڑا کارنامہ قرار دیں گے ریتوں ہی کا مجموعہ تھا۔ تصوف انحصاراً عجیب تصوف اور ستریت کا مبداء بھی یہی ہے۔

قربانی کی ریت، شامل قبیلہ کرنے کی ریت اور مردے کی ریت کو سب سے زیادہ اہمیت دی جاتی۔ بعض ریتیں اجتماعی شکل میں ادا کی جاتیں۔ جلوس نکالے جاتے، میلے منائے جاتے، عزائی گیت گائے جاتے۔

اس ریت ہی نے ہمیں رقص، موسیقی اور ڈراما دیا۔

۱۰ طب ساحری، یہ شعبہ بھی بنیادی اہمیت کا حامل تھا۔ آدمی کے ساتھ ہی موت اور بیماری آزادی نے بھی سراٹھایا۔ چوٹ بھی ضرور لگتی ہے۔ فرعون خون زرع کا لاش کے ایک سرے اور دوسرے تجربے کرنے سے کئی بیماریوں کا پتہ چلا ہے جن میں وہ مبتلا ہوا اور جو اس کے دور میں پائی جاتی تھیں۔ جادوگر طبیب نے دو اول کے ذریعے علاج کا طریقہ تو معلوم کیا لیکن طبیب کا شعبہ براہ راست جادو سے تعلق رکھتا تھا

ہر جڑی بوٹی اور ہر شے جو دوا کے طور پر استعمال ہوتی اپنے اندر سحری تاثیر اور مخفی طاقت رکھتی جسے "مانا" کا نام دیا گیا۔ دوا کے ساتھ منتر اور گٹھے تعویذ کا بھی چلن رہا۔ دنیا بھر کا علم طب اسی طب سحری کے کمالات اور تجربات سے حاصل ہوا۔ سائنسی طور پر اسے حضرت عیسیٰ سے چند صدی قبل یونان میں بقراط اور جالینوس ایسے چند اطباء نے رائج کیا اور دین سحری سے الگ کیا۔

۹ کہانت، کاہن اور ساحر ایک ہی تھیلی کے پچھے بیٹھے ہیں۔ کہانت گاہ اور معبد میں تکنیکی طور پر فرق ضرور ہے لیکن یہ دین سحری ہی سے براہ رارت متعلق ہے۔ اسے جادو گر کا دفتر خارجہ اور پبلک ریلیشنز ڈیپارٹمنٹ بھی کہہ سکتے ہیں۔ ویلنی کی کہانت گاہ۔ یونان کا عظیم القدر اعصابی مرکز تھا۔ اور ملک کے لئے سیاسی بصیرت کا ذریعہ تھا۔ شہزادہ ایدی پس کو اپنے ماں باپ کا کھوج لگانے کے لئے یہیں آتا اور کاہنہ سے رُجوع کرنا پڑا جس نے پیشگوئی کی کہ وہ باپ کو ہلاک کرے گا اور ماں سے بیاہ کرے گا۔ اسی طرح عرب میں بھی کہانت گاہیں تھیں جو مشکل کے وقت لوگوں کے اڑے آئیں۔ جب عبدالمطلب کے دس لڑکے ہوئے اور انہیں اپنا عہد یاد آیا کہ دس لڑکے ہونے پر وہ ایک کو خدا کی راہ میں قربان کر دیں گے تو انہوں نے کعبے کے پرورت سے عزیزی کے بت کے قریب رکھے ہوئے تیروں کے ذریعے فال نکلائی جو عبد اللہ کے نام نکلی اور وہ اس کی قربانی پر تیار ہو گئے۔ بالآخر لوگوں کے منع کرنے پر انہوں نے فال ہی کے ذریعے بیٹے کی قربانی کی بجائے سواونٹوں کی قربانی قبول کی اور عرب کی کاہنہ سے توثیق کروائی۔

۱۰ سائنس! یہ شعبہ دین سحری کا جزو لاینفک تھا اور علیحدہ کوئی حیثیت نہ رکھتا۔ کئی جگہ ساحر ہی کو "میدیسین مین" کہتے ہیں جو معاشرے میں نہایت وقیع مقام رکھتا۔ ساحر طبیب ہی نے سائنسی رجحان پیدا کیا۔ طب کے علاوہ سائنس کے کتنے ہی دوسرے شعبہ سے، دین سحری کے زیر سایہ معرض وجود میں آئے۔ علم النجوم، اقلیدس، حساب و ہندسہ، انجینیئری، علم آب و ہوا (ہائیڈرولکس) آبیات (ہائیڈرولوجی) علم زراعت اور کیمیا نے بڑا عروج پایا۔

عہد ماضی کی پچاس تہذیبی صدیوں میں جادو کو بڑا عروج ملا۔ آدمی کی فطرت میں ڈر خوف اور

شک کا جو عنصر شامل ہے جس نے لاتعداد غیر یقینی کیفیات اور ادہام دوساوس پیدا کئے۔ انہی کی شیرازہ بندی سے جادو گرنے اپنے علم و فن کو جنم دیا۔ اسی نے قبائلی نظام سے نکل کر بڑے پیمانے پر وڈیرہ شاہی قائم کی۔ اسی لئے جادو نے ملکیت کو سہارا دیا اور اس کے لئے سہارا بنا۔ اسلام کے تطہیری اور انقلابی عمل سے جادو کے تانے بانے بکھر گئے اور تمام علوم و فنون کو طلسم خانہ ادہام دوساوس اور قیاسات کی دنیا سے نکال لیا گیا۔

معدوم تہذیبی قدر

ایک معدوم تہذیبی قدر جس میں صدیوں انسان بتلائے تھے۔

دینِ ساحری جسے بشریات دان جادو کے نام سے پکارتے ہیں دنیا کے ذہین ترین شاعروں کی فریب آفرین ایجاد ہیں۔ یہ لوگ قوم کی جملہ معاشرتی اور تہذیبی ضروریات پوری کرنے پر مامور ہوئے۔ یہ اعلیٰ ترین منصب انہوں نے اپنی قابلیت اور زورِ بازو سے حاصل کیا۔ پھر ارضی خداؤں سے فرعونوں اور مہرودوں کو اپنی ٹھہول بھنیاں میں پھینک کر انہیں اپنی کٹھ پتلیاں بنا لیا۔ ان کے خیالوں کی غلام گردشوں میں بھٹکنے اور پھر انہی میں دم توڑنے والے لائقانی ارضی اور سماوی خداؤں کی مدد سے انہوں نے اتنی طاقت پکڑ لی اور ایسی زبردست اجارہ داری بنالی جو ہر نبی اور رسول کے لئے دردِ سر مہنی۔ تاریخ گواہ ہے کہ ختمِ الرسل کے سوا، کوئی بھی صدیوں پرانی اس PRIESTHOOD پر دستہی اجارہ داری کے تار و پود بکھیر نہ سکا۔ یہ اتنا بڑا تہذیبی کارنامہ ہے کہ مصری ڈیلٹا کے پرہتوں کی تیار کی ہوئی بارہ مہینے، ۳۶۵ دن کی سب سے پہلی تقویم (۴۲۴۱ - ق م) سے لے کر غارِ حرا میں نزولِ وحی (۶۱۰) تک اس کی بیخ کنی نہ کی جا سکی۔ اس کی غارت گری کے سلسلے میں ختمِ الرسل کی ۲۳ سالہ اتھک جہدِ جہد ایک پوری کتاب کا موضوع ہے۔

لوگوں نے جس عاجزی اور بے بسی سے جادوگر (شاعر پرہت) کی طاقت اور اس کی پھیلاؤ ہوئی ٹکرائی کو قبول کیا اس کی مثال ارضی خدا فرعون منقورع (ہرم اکبر کے معمار فرعون خود بخود کا بیٹا) ہے جس نے ہرم اکبر کی تعمیر کے بعد باپ کے خالی کئے ہوئے خزانے دے کر نئی پالیسیاں وضع کیں اور جادوگروں کے مطلق العنان ٹولے کی ناراضگی مول لینے کی حماقت کی۔ بوطوع کے کاہن نے

بد و عادی اور اسے کھلا بھینجا کہ وہ مزید چھ سال جئے گا اور ساتویں سال میں مرجائے گا۔ اس نے دیوتا کو برا بھلا کہہ کر کہانت گاہ میں غضب آلود جواب بھینجا کہ اس جیسے پاکباز فرعون کو اتنی جلدی مرنے کا حکم صادر کیا گیا ہے جس نے معیشت کو استحکام بخشا اور عدل کے قیام کے لئے کام کیا، بند معبدوں کو عوام پر دوبارہ کھول دیا۔ اس کے باپ اور چچا فرعون خیف رع نے لمبی عمر پائی جبکہ انہوں نے معبدوں کی تالہ بندی کی اور ڈیڑھ صدی تک لوگوں پر ظلم کیا لیکن اس کی شنوائی نہ ہوئی۔ پردہ ہتوں کے ہاتھوں اپنی قسمت کا دروازہ بند دیکھ کر اس نے ڈھیر ساری مشعلیں بنوائیں اور اپنی راتوں کو دن میں بدل دیا۔ وہ روز و شب جشن منانے لگا۔ رات کو دن میں منتقل کرنے اور اپنی زندگی کے باقی ماندہ چھ سالوں کو طول دینے سے اس کی مراد یہ تھی کہ وہ کاہن پر جھوٹ کا الزام دھر سکے۔

بہر حال اس ایک مثال سے عیاں ہوتا ہے کہ پر وہی نظام میں جاوے گا کہ کس ہیئت کس طرح عوام خواص کے دلوں پر طاری تھی۔

دینِ ساحری کو ہر بشریات دان نے فریب کہا ہے۔ اس میں بت پرستوں کی دیو مالہ، ریت (عبادت)، فکری نظام اور عملی طریقے شامل ہیں۔ بابائے بشریات سر جیمز جارج فرینر (مؤلف GOLDEN BOUGH مورخہ ۱۹۲۲ء) کے الفاظ میں دینِ ساحری ضابطہ فطرت کا حرامی بچہ اور انسانی روئے کے لئے غلط کارگانڈ ہے۔ جھوٹی سائنس اور ادھورائن ہے۔

ان الفاظ کی تشریح ضروری ہے۔ جیب آدمی نے ہوش سنبھالا اور ابھی تکر و شعور کی سطح پر پھر لوہا انگریزی نہیں لی تھی کہ اس کی دنیا اور خود اس کی ذات سوالیہ علامت بن کر سامنے آئی۔ سورج کا طلوع و غروب، موسموں کا تغیر، زمین اور حیوانات کا تخلیقی عمل، بیکراں کائنات اس کے عجائبات زندگی اور موت سب کچھ حیران کن پہلی تھا۔ اس کا علم اتنا نہیں تھا کہ سائنسی سلیقے سے کاغذ قدرت کو سمجھ سکتا اور کسی منطقی طریقے سے اسباب و علل اور علت و معلول کا کھوج لگا سکتا لیکن اس کی تجسس آمیز اور اضطراب انگیز فطرت سے یوں صبر بھی نہ ہو سکتا تھا کہ وہ حیات و کائنات کے اسرار و رموز جاننے اور اپنی معرفت ذات کے بغیر ہی زندگی بسر کرے۔ جب عقل

اڑے نہ آئی اور آئی تو بمقدار قلیل آئی تو اس نے وجدان اور جذبات سے رجوع کیا۔ وجدان اور جذبات کی دولت اسے بمقدار کثیر میسر تھی چنانچہ ابتدائی دور میں صمیاتی فلسفہ تو تراشہ جاسکا البتہ عملی شکل میں جاوے ضرور جنم لیا۔ بستی یا قبیلے کے سب سے قابل آدمی نے غیر معمولی طاقت والی ہر چیز (سورج، سمندر، زمین، سیلاب، طوفان، دریا، زلزلہ، مینہ، موت) کو اپنا آفا مانا اور اسے زیر کرنے کی غرض سے سحری ریتیں (بت پرستوں کی عبادتیں) تراشیں۔ ان ریتوں میں جسمانی حرکتیں (جنہوں نے بعد ازاں قص کی شکل اختیار کی) شور و غل، چیخ و پکار، مختلف نوع کی اصوات (جن سے موسیقی نے جنم لیا) اور منتر یا شبد (جو ارتقائی منتر ہیں طے کر کے شاعری بن گئے) سے یہ ریتیں عبارت تھیں۔ بستی یا قبیلے کا یہ قابل آدمی پر وہبت، سردار اور ساحر طبیب بھی ہوتا اور جملہ امور و معاملات کا منصرم اعلیٰ بھی۔ اسی کے سحری عمل، ٹونے ٹونکے سے بلائیں بستی سے دور رہتیں لڑائی میں دیوتا قبیلے کی مدد کرتا۔ مینہ پڑتا، زمین اپنی کوکھ سے دولت اگلتی، اس ضمن بنیادی نکتہ یہ تھا کہ جادو گر حکماً اپنے خداؤں کو اپنی ضرورت اور منشاء کے مطابق کسی کام پر مامور کرتا۔

پھر جوں جوں عقل بڑھی، مشاہد سے اور تجربے کی دولت ملی جادو کرنے ماہریت نشیا جاننے کیلئے وجدان اور جذبات کے ساتھ ساتھ سائنسی طریقہ بھی اختیار کیا لیکن رجحان وہی شاعرانہ رہا۔ کائنات اور خود اس کی اپنی ذات، شاعرانہ صداقت سے آگے نہ بڑھی۔ جو خدا بے نام اور بے صورت تھے انہیں نام ملے صورتیں ملیں، یہ ترقی یافتہ نسل نے کی اونچی باتیں ہیں۔

ابتدائی عہد جاہلیت اقبل تاریخ و فلسفہ کے دور میں آدمی کو اتنی فزیا لوجی نہ آتی تھی کہ قدرت کے دلچسپ کئے ہوئے جنسی عمل تخلیق کو سمجھ پاتا۔

آیت کریمہ خلق الانسان علق (ہم نے آدمی کو جسے ہوئے خون سے پیدا کیا) کا مفہوم سمجھنے کا ابھی وقت نہ آیا تھا اور اس کے نزدیک انسانی تخلیقی عمل میں مرد کا کوئی عمل دخل نہ تھا بقول دل ڈیورنٹ تخلیقی عمل میں مرد کے کردار کی بات غالباً ادین انسانی گروہوں کے علم میں بالکل نہیں آئی۔ دنیا کے بعض قبائل تو اب تک اس حقیقت سے ناواقف ہیں۔ ان کے نزدیک جمل جنسی

عمل کا نتیجہ نہیں بلکہ یہ تو عورت کے بطن میں بلو ما (بھوت) داخل ہونے سے ہوتا ہے بچوں کے بارے میں پوچھا جائے تو عورتیں کہیں گی، یہ بلو ما کی عطا ہے۔ وحشی دور کا انسان جانتا ہی نہ تھا کہ بیضہ حیات اور مادہ حیات کی کیا ماہریت ہے۔ وہ تو یہی سمجھتا تھا کہ پیٹ میں ارواحیں ہیں۔ وہ حاملہ عورت کو قابلِ پریش سبھتا تھا۔ یہ پراسرار دنیا، قدرت کا مخفی کارخانہ جادوگر کی سوچہ بوجھ سے ماورا تھا۔ قریب قریب ازمنہ قدیم کے سب لوگ عورت کو پوجتے تھے۔ اسی لئے دیوتا سے پہلے دیوی نے اور مرد کے راج سے پہلے تریاراج معرض عمل میں آیا۔ عورت اپنے تخلیقی عمل کے باعث قابلِ احترام قرار دی گئی۔ یہی سبب ہے کہ ابتداء میں اولاد اسی سے منسوب ہوتی، تمام املاک اس کی تھی، وہی قبیلے کی سردار تھی۔ بشریات کی زبان میں اسے مادری نظام (MATRIARCHY) کہتے ہیں۔ مرد کو تخلیقی اہلیت سے محروم سمجھ کر اسے کھیت کھلیان کے قریب پھٹکنے دیا۔ مبادا زمین بانجھ ہو جائے اور فصل سے ہاتھ دھونا پڑے۔ کھیتی باڑی کا کام عورت ہی کرتی۔ اگرچہ بعد ازاں یہ نظریہ برقرار نہ رہا اور مرد نے ہل کی سبھی تمام لی لیکن آج بھی بعض علاقوں میں عورت کھیتی باڑی کرتی ہے۔

کہانت کا فریضہ بھی عورت ہی ادا کرتی۔ دورِ تہذیب میں بھی اس کا وجود قائم رہا۔ دیلفی (یونان کی قدیم کوہستانی کہانت گاہ) کی کاہنہ جس نے شہزادہ ایڈی پس کو باپ کو ہلاک کر کے مال سے بیاہ کرنے کی خبر دی تھی، محتاجِ تعارف نہیں۔ عرب کے عہدِ جاہلیت میں بھی کاہنہ موجود تھی۔ ابن ہشام نے بیان کیا ہے کہ جب عبدالمطلب نے دیوتا کو دریا ہوا یہ عہد پورا کرنا چاہا کہ دس بیٹے ہوئے تو وہ ایک کو قربان کر دیں گے تو بیٹے کی قربانی کا بدلہ معلوم کرنے کے لئے خیرا کر کاہنہ سے رجوع کیا۔

الغرض ابتدائی مسخریاتی دور میں حیات و کائنات کے بارے میں جو سوالات اٹھتے ساحر انہیں اپنے تیاکس اور تخمینے سے شاعرانہ پیرائے میں حل کرتا تھا۔ اسی لئے فریزر اور دوسرے بشریات دونوں نے وین ساحری کو گمراہ کن قرار دیا۔

وین ساحری کی گمراہی ابتداء سے دمِ آخر قائم رہی جب مادری نظام کی جسگ پدری نظام

مرد نے کھیتی باڑی اور قبیلے کی

(PATRIARCHY) راج ہوا۔

سربراہی کا کام سنبھالا، کچی قبروں کی جگہ عالیشان اہرام تعمیر ہونے لگے۔ فرعون کو زمینی خدا بنا دیا گیا۔ مرنے کے بعد اسے رب الشمس بنا کر ابدی زندگی دی گئی، فن تعمیر، کیمیا اور ریاضی میں غضب کی ترقی ہوئی تب بھی جادوگر کے انداز اور سوچ میں کوئی بنیادی تبدیلی نہ آئی۔ وہ خود بھی گمراہ رہا اور لوگوں کو بھی گمراہ کرتا رہا۔ اس نے اقتدار اپنے ہاتھ میں رکھا۔ ہندوستان میں تو اب تک دینی علم کی کنجی برہمن کے ہاتھ میں ہے۔ منور شاستری کی پابندیاں اب بھی عائد ہیں۔ اب بھی غیر برہمن دید نہیں پڑھ سکتا۔ کبھی یہ عالم تھا کہ شورور کی زبان پر وید کا شبہ آجانا تو زبان کاٹ دی جاتی۔ کان میں پڑ جانا تو اس میں پگھلایا ہوا سیسہ ڈال دیا جاتا۔ اب بھی وہ پیچھے (ناپاک) ہے۔ سنسکرت کا ایک عالم مسلمان وہاں کسی دفتر میں کلر کی کرتا ہے۔ اسے سنسکرت پڑھانے کی اجازت نہیں۔ فرعون ہی کی طرح ہندوستان کے ساحروں نے ادتار (زمینی خدا) تراشا اور ان کی پرستش کا رواج دیا۔ رام اور کرشن زمینی خدا تھے۔ انہی برہمنوں نے کمال عیاری اور اسلام کی برتری ختم کرنے کے لئے "رام اور رحیم ایک ہے" کا نعرہ لگایا اور بعض مسلمان صوفیاء نے یہ مسلک قبول کیا پچھے شام نے دراز کیا۔

گل سمجھ لشی تے رولا کیہ

ایہہ رام ، رحیم تے مولا کیہ

بہتر حال جادوگروں کی دینی اجارہ داری یعنی پردہ سی نظام تا دیر قائم رہا اور تہذیب و

تمدن کے نہایت خوشنما گل کھلانے کے باوجود اساسی طور پر جادو کی ماہیت نہ بدلی۔ ادب و ہاتھوں

یونانی ڈرامے اور زمیہ، رقص، موسیقی، دیوال، ریت اور دیگر متعلقات میں حیرت خیز ترقی ہوئی۔

سرپال ہاروے نے جادو کے باپ میں صحیح کہا ہے۔ "دین ساحری جس میں واقعات کے

فطری بہاؤ کو مشبدوں، گنڈوں، تعویذوں اور دوسری رسوم کے ذریعے متاثر کرنے کا دعویٰ کیا جاتا،

ہمہ گیر طور پر ابتدائی عہد کے قبیلوں میں راج تھا۔ علم و فن کے ابتدائی مرحلوں پر قدرتی قوانین کو غلط

انداز سے سمجھنے اور ان کے اسباب و علل جاننے میں دشواری پیدا ہونے کے باعث جادو بروئے

کار آیا۔ یہ وہیم عام ہو کہ کائنات ارواح نیک و بد سے لیریت ہے اور وہی کاروبار حیات میں عمل دخل رکھتی ہیں۔

سرپال ہاروے کا یہ بھی خیال ہے کہ شروع میں مذہب اور جادو ایک دوسرے میں گھل مل کر رہے۔ بعد ازاں ان کے رویے بدلے اور یہ ایک دوسرے کے خلاف ہو گئے۔ یہاں مختصراً ان کا فرق بتایا جاتا ہے۔ جادو نے بہت پرستی کو جنم دیا، مذہب نے بہت شکنجی کی، جادو میں آدمی کو خدا اور اوتار کا مرتبہ حاصل ہے۔ مذہب میں وہ خلیفۃ اللہ فی الارض ہے خدا نہیں۔ جادو میں ریت عبودیت کے عنصر سے خالی ہے۔ اس کا مقصد من گھڑت خداؤں کو جنس منتر اور کلام کے ذریعے رام کرنا اور ان سے حکماً کام لینا۔ مذہب میں عبودیت کے بغیر عبادت کا کوئی تصور نہیں۔ بندہ اپنے رب عبادت کرتا اور ایتانک نعبدو ایتانک نستعین کہتا ہے۔ یہ فرق جاننے کے بعد ہی دین ساحری کو ٹھیک سے سمجھا جاسکتا ہے۔ رہا پروہتی اجارہ داری کا مسئلہ تو اس کے بارے میں یہی کہا جائے گا کہ یہ فی لقسہ معاشرتی مسئلہ ہے تاہم مذہب بالخصوص اسلام جس نے اپنے تانے بانے کسی فرعون، نمرود یا کسی من گھڑت دیوتا کے گرد نہیں بننے بالضرورت جمہوری ہے، یہ کسی گروہ کی گرفت یا اجارے میں نہیں۔ ہر شخص پروہت کی محتاجی کے بغیر نظریاتی طور سے بھی اور عملاً بھی اسے اپنا سکتا ہے۔ پروہتی نظام براہ راست جاگیر داری کی پیداوار تھا۔ جادوگر معاشرے میں سپر میں تھا اور بے پناہ اختیار رکھتا تھا۔ وہ سائنسدان بالخصوص طبیب۔ ساحر طبیب تھا، وہی اپنی شکل و صورت پر خدا تراشتا، ہیر کو مرنے کے بعد خدا بنا کر معبود کا درجہ دیتا، وہی شید، بانی اور منتر تراشتا اور انہیں جادو اثر بتاتا، وہی شاعر تھا اور ہر علم و فن کا ماہر، فرعون کے زمانے میں اس نے اتنی دولت سمیٹ لی تھی کہ اس کے خزانے قابل رشک تھے۔ مالی اعتبار سے جادوگری کا پیشہ انتہائی منفعت بخش تھا اختیار و اقتدار کا یہ عالم تھا کہ بڑے سے بڑا حکمران بھی اس کے منہ نہ لگتا اور اس کے جادو سے خائف رہنا تاریخ میں ہمیں فرعون اسٹین عطلوں کا ذکر ملتا ہے، جس نے عمون کے پروہتی نظام کو شکست کیا اور اس کے معبد تھس تھس کے لیے لیکن آخر کار وہ بھی انہی کے ہاتھوں مات کھا گیا۔ یہ شرف ختم المرسلین کو

ہے کہ انہوں نے پریسٹ ہڈ کا ہزاروں سال پرانا طلسم توڑا اور مذہب کو جمہور کے سپرد کر دیا۔
 جادو کرنے عقل کے سارے حربے آزمائے، قیاس کے گھوڑے دوڑائے اور اپنے دائرہ فکر و
 عمل میں پوری کائنات کو سمولیا۔ زندگی کے وہ تمام پہلو جو رات دن کا معمول تھے اس نے اپنی گرفت
 میں اس طرح لئے کہ اس کے بغیر پتہ نہ چل سکتا، کا رخا نہ قدرت نہ چل سکتا۔ مرنے کے بعد کی زندگی جہاں
 اس کی رسائی نہ تھی اور جن کے بارے میں وہ خاک نہ جانتا تھا اس کے بھی اس نے خاک کے تیار کر دیئے۔
 اس کے بارے میں اس نے اپنی زندگی کی سب سے بڑی، سب سے اہم کتاب لکھ ماری، دنیا کی کوئی
 کشتے جانور، پتھر، پیٹر، جڑی بوٹی، زمین، آسمان، ہوا، اس کی ایجاد کی ہوئی سحری قوت (مانا) سے خالی نہ
 تھی۔ وہی تھا جو اس مانا سے کام لیتا۔ ہر ایک پر اس کا اختیار چلتا تھا۔

ابتدائی دور میں جادو گر صرف عمل کرتا۔ ناچتا، گاتا، شور مچاتا۔ یہی اس کی ریت تھی اور اس
 کے ذریعے وہ مسائل حل کرتا۔ کبش مین کے بارے میں بتاتے ہیں کہ اس کا قص جو ظاہر ہے سحری تاثیر
 رکھتا تھا ہر مسئلہ حل کرنے کے لئے تھا۔ اس سے پوری طرح فائدہ اٹھانے اور مکمل طور پر سحری اثر پیدا کرنے
 کے لئے پورے قبیلے کے قدموں، دوسری جسمانی حرکات اور آوازوں میں اس قدر آہنگ ہوتا جیسے ایک
 آدمی رقص کر رہا ہو۔ دن دن بھر رات رات بھر یکساں جوش و خروش اور صحت کے ساتھ ناچتے، اگر شتر
 بھر غلطی ہوتی تو نئے سرے سے ناچنا شروع کرتے۔ صحت ضروری تھی۔ یہی تو اس عمل میں سحری اثر پیدا
 کرتی۔ عمل کے ساتھ سوچ اور فلسفے کی بازی بعد میں آئی۔

انگریزی لفظ "میجک" کے معنی پیر میناں۔ "ماگی" کا علم ہے یہ لوگ زرتشتی دین
 کے پردہت تھے۔ اہل یونان اور ایران میں کسی نہ کسی شکل میں رابطہ رہا ہے۔ تھیسیر پر ایرانیوں کے
 حملے کو بہت شہرت ملی اور یونانی شاعروں نے اس پر تمثیلیں لکھیں۔ یونانی زبان میں جادو گر کے لئے
 پہلے سے لفظ موجود تھا اس کے معنی تھے ایسا شخص جو منتر جانتا اور چلا چلا کر پڑھتا ہو۔ یونانی اب
 میں جادو گر نبیوں کے تذکرے ملتے ہیں جنہوں نے آدمیوں کو جانور بنا دیا یہ واقعہ بھی موجود ہے کہ جب
 ادوی سیس کو جنگلی سور نے زخمی کیا تو ایک سحری نے اس کے ذریعے اس کا جریان خون بند کیا گیا۔ جنس

نامی یونانی ہیرو نے جو ناممکن کارنامے سرانجام دیئے تو اس کا سبب میدیا جادوگرئی کے منتر تھے۔
 جادوگر ہی تمام رسومات اور تقریبات کی صدارت کرتا۔ یونانی ڈراما جو دراصل سحری ریت سے
 پیدا ہوا تھا اور بین سحری ہی کا اہم حصہ تھا۔ اس کا سرپرست دیا یونانی سس دیوتا تھا اسے جس
 جگہ کھینا جاتا وہ عبادت گاہ کا درجہ رکھتی، جو لوگ کام کرتے، اسے دیکھتے اور کسی دوسری شکل میں اس
 سے وابستہ ہوتے وہ شریک عبادت سمجھے جاتے۔ پر وہیت (جادوگر) تماشاٹیوں میں سب سے آگے
 بیٹھتا اور صدر نشین ہوتا۔

یونان اور اطالیہ میں بقول فرینز جادوگر کو بادشاہ کا لقب ملا تھا۔ اس کی بیوی ملکہ کہلاتی یہ قربانی
 کا بادشاہ یا مقدس رسوم کا بادشاہ کہلاتا اور سیاسی فرماں روا اس کے کام میں مداخلت نہ کرتا بعض
 یونانی ریاستوں میں ایک سے زیادہ دینی بادشاہ ہوتے۔ پارتا میں بسا اوقات سیاسی حکمران ہی دینی
 بادشاہ اور دیوتا کا اوتار ہوتا۔ ایشیاٹک کوچک میں بھی یہی کیفیت تھی۔ ایک ہی وقت میں ایک
 شخص کا بادشاہ اور پر وہیت ہونا کوئی انوکھی بات نہ تھی۔

جادو جس کے بارے میں ہم نے عرض کیا کہ گمراہی کے سوا کچھ نہ تھا دو شاخوں میں تقسیم تھا۔ یہ
 دونوں شاخیں تالیعی سحر کی تھیں ایک کو سحر بالمثل (ہومیو پیتھک میجک) کہتے، دوسری کو لمبیاتی سحر
 (چھوت کا جادو) کہتے۔ دونوں کی بنیاد غلط تھیں۔ سحر بالمثل میں جو عمل کیے جاتے وہ ایک جیسے
 خیالات پر منحصر ہوتے۔ یہ بات سرے ہی سے غلط تھی کہ یکساں خیالات یکساں نتائج پیدا کرتے
 ہیں اور لمبیاتی سحر کا یہ قانون بھی غلط تھا کہ ایک بار جب کوئی چیز کسی سے چھو جائے تو پھر ان کا لمس
 دائماً برقرار رہتا ہے۔ آج بھی یہ وہم قائم ہے عورتیں اپنے بدن کا کپڑا، اپنے بال وغیرہ دوسروں
 کی تحویل میں نہیں جانے دیتیں مبادا کوئی ٹونا ٹوٹ کر دے۔

ہزاروں سال تک وادی فرات و دجلہ، مصر، ہندوستان اور دوسرے ملکوں کے جادوگر سحر
 بالمثل کی رد سے کسی کے دشمن کو غارت کرنے کے لئے اس کا پتلا بناتے، پھر اسے سوٹیاں چھوتے
 اس کی گردن مروڑتے، اسے جلاتے، افریقہ میں جادو کی یہ قسم عام تھی۔

جادو کی یہ شکلیں ادنیٰ درجوں کی ہیں۔ اس جادو سے اس کا مقابلہ نہیں جس نے تہذیب و تمدن کو جنم دیا لیکن سحر بالمثل کا عمل دخل مہذب و متممّن معاشروں میں بھی رہا۔ دشمن پر حملہ کرنے سے پہلے بیدہ ناچ ناچا جاتا۔ منتر اور گنڈے تعویذ جو آج تک رائج ہیں اسی اصول کے مطابق ہیں۔

جادو سے قطع نظر ذہن انسانی بعض اثرات کو قبول کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے اس طرح تعویذ اثر کرتا ہے۔ یہ مسئلہ نفسیاتی ہے اور اسی سے ہنرمند لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ آواز کثرت پر پھونکیں مار کر پانی دم کرنا اور اس سے شفایاب ہونا کسی سائنسی اصول سے تعلق نہیں رکھتا۔ یہ ذہنی کیفیت کا معاملہ ہے جس سے کوئی اثر قبول کرنے کی آمادگی اور صلاحیت پیدا ہوتی ہے باور کروانے اور باور کر لینے ہی سے بات بن سکتی ہے۔ فرعون متقورع کو پروہت نے باور کروایا اور اس نے باور کر لیا کہ چھ سال کے بعد اس کا چراغ زندگی بجھ جائے گا

یہ خیالی جادو ہے جو لوگوں کی نفسیاتی کمزوریوں، ضعف ایمانی، ادہام و وساوس اور بے یقینی سے پنتا ہے۔

جب کوئی مریض طیبوں اور ڈاکٹروں سے مایوس ہو جاتا ہے تو بالعموم ٹونوں ٹونوں پر آ جاتا ہے۔ مایوسی کے عالم میں ایک اور علاج بھی ہے لیکن اس کا تعلق جادو سے نہیں۔ یہ دعا ہے جو آدمی کی قوت مدافعت بڑھاتی اور اس کے یقین کو محکم کرتی ہے یہ عبودیت کا مظہر ہے۔ جوں جوں ہلت و معلول کے ضمن میں سائنسی معلومات بڑھتی گئیں توں توں آدمی جادو کی گریہ کھوٹا اور اس سے پیچھا چھڑاتا گیا۔ طب السحر جیسی مفید سائنس ساحر طبیب ہی نے ہمیں دی ہے۔ کتنے ہی علوم و فنون جنہیں اس نے جادو کی گرفت میں لے رکھا تھا بعض ازاں سیکولر شکل اختیار کر گئے یا پھر ان پر مذہب کا رنگ چڑھ گیا۔

ابتدائی تہذیبی قدر اور علم و فن کا سرچشمہ جادو ہے جسے بالائے اتفاق علمائے بشریات نے گمراہ کن قرار دیا ہے۔

قدیم ایام میں عامل جنات کی طرح عامل ارواح پائے جاتے تھے۔ یہ نیک و بد رجوں کا

کاروبار کرتے تھے۔ اچھی بری روحیں اچھے برے آدمیوں کی ہوتیں۔ وہ سحر بالمثل کے اصول کے مطابق اچھی روحوں سے اچھا کام اور بری روحوں سے برا کام لیتے۔

جادوگر ایک بات کا اقرار کرتا کہ وہ غیر محدود طاقت کا مالک نہیں۔ وہ جو بھی عمل کرتا ہے منتر پڑھتا ہے ان کا اثر اسی صورت میں ممکن ہے جبکہ عمل میں گڑ بڑ نہ ہو، منتر صحیح ہوں۔ ان میں خرابی آئے گی تو مطلوبہ نتیجہ حاصل نہ ہوگا۔ جیسے لوگ ویسے ان کے جادوگر، وہ جو کہتے، جو کرتے لوگ اسے مان لیتے کیونکہ ذہنی اور فکری خلل پر کرنے کے لئے اس وقت یہی کچھ تھا۔ سائنس آج کی طرح ڈرنگے نہیں لگا رہی تھی۔ چیونٹی کی چال نہیں چل رہی تھی کیونکہ چیونٹی بہت تیز رفتار ہوتی ہے بس یہ تو بہت ہی دھیرے دھیرے حرکت کر رہی تھی۔ پھر ذہن انسانی میں جھوٹ کو مان لینے اور فریب کھا لینے کی صلاحیت فی نفسہ موجود ہے۔ آج بھی شیطان اسے وسوسوں میں ڈالنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

جس دور کی ہم بات کرتے ہیں اس دور میں جادوگر نے پورے ماحول میں اپنے فکر و عمل کو یوں پھیلا دیا اور ہمہ گیر کر دیا تھا کہ اس سے باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہ تھا۔ یہ ایسی دنیا تھی جس میں سوچ، ریتیں رسمیں، انسانی رویے اور عمل کے تانے بانے جادوگر نے بکھیرے تھے اس نے ان میں رنگ بکھیرا تھا۔ پھر اس کا طریق کار ایسا تھا جو قابل فہم اور قابل تسلیم تھا۔ سوئیاں چھونے، بدن کے کپڑوں سے ٹونا ٹونکا کرنے، منتر اور گنڈے تعویذ سے کام لینے میں لوگوں کو کوئی خرابی نظر نہ آتی۔ یوں جادوگر اور عوام کے درمیان مفاہمت قائم تھی۔ مفاہمت اور قبولیت کی صلاحیت جادوگر کو کامیاب کرواتی اور اس کے احکام کو صحیح گردانتی۔

جادو کو گمراہ کن اور جعلی قدر فرار دینے کا یہ مطلب نہیں کہ صدیوں تک تہذیب و تمدن کے شعبے میں جو کام ہوا ہے جادوگر کو اس کا کریڈٹ نہ دیا جائے۔ سائنسدانوں اور مذاہب کے داعیان نے قبلہ راست کر دیا تو تہذیب و تمدن کا شعبہ غلط عناصر سے پاک ہو گیا۔

بات سمیت کے غلط ہونے کی ہے۔ وہی کعبہ جسے حضرت ابراہیم نے اپنے فرزند ابرہہ حضرت

اسمعیلؑ کے ساتھ مل کر بنایا اور جہاں خدا کی عبادت کو رائج کیا جب مگر انہوں نے قہقہے میں آیا تو انہوں نے اسے جادو کا طلسم خانہ بنا لیا۔ اس کے اندر، باہر اور گرد و پیش میں ۳۶۰ بت رکھ دیئے۔

حد تو یہ ہے کہ بقول ابن ہشام نائیکہ اور اساتذہ زانیہ اور زانی کے بت بھی رکھ دیئے اور یہیں قربانی کے جانور ذبح کئے جانے لگے۔ یوں جادوگروں نے کعبے کا مصرف ہی بگاڑ لیا۔ پھر اللہ کے حکم سے ختم المرسلین نے اس بت کدے کو از سر نو خانہ خدا بنایا۔

ہم کعبے کو بت خانے میں تبدیل کرنے والے جادوگروں کو کریڈٹ نہیں دیں گے کیونکہ علوم و فنون اور تہذیب تمدن میں ان کا کوئی کارنامہ نہیں یہ امر واقع ہے کہ ایام جاہلیت میں عرب جادوگروں نے نہ تو مصر اور سپر پویمیا کی طرح کوئی زبردست دیو مالا مرتب کی اور نہ یونان و اطالیہ کی طرح بیرون ملک (مصر سے اسے برآمد کیا۔ اسی لئے ان کے یہاں جادو کوئی تہذیبی قدر نہ تھی۔ بس اتنا تھا کہ گھر میں کسی دیوی یا دیوتا کا بت رکھ لیتے، تیروں کے ذریعے کسی معاملے میں فال یعنی ہوتی تو کعبے کے پرہت کے پاس آجاتے۔ دعا مانگتے تو اللہ کے نام کے ساتھ اپنے کسی بت کا نام بھی پکارتے نگری اور عملی اعتبار سے ان کی دنیائے سحر و طلسم نہایت محدود اور اوائلی عہد کے قبائل سے بہتر نہ تھی۔

جادو، طلسم اور قدیم اوبام

ٹوٹم قبیلے کے مشیرک پیٹر پودے اور جانور کا تصور خدا سازی کے عہد سے پہلے پیدا ہوا ہم کہہ سکتے ہیں کہ تب ٹوٹم ہی سب کچھ تھا، اسی سے درندہ صفت وحشی قبیلوں کا دینی جذباتی سرمایہ عبارت تھا اور آنے والے تہذیبی دور (کم و بیش چھ سات ہزار سال قبل) کے خدائی تصورات کے عناصر ترکیبی رکھتا تھا۔ ممکن نہیں کہ پچھلے دس ہزار سال میں کوئی زمانہ معبود کے خیالی یا حقیقی، سائنسی یا ناسائنسی تصور سے خالی رہا ہو آدمی ٹاک ٹوٹے مارتا رہا اور اپنی شعوری بے بسی کے باوجود ڈوبتے میں تنکے کا سہارا لیتا رہا۔ جب اور کچھ ہاتھ نہ آیا تو اس نے قبائلی اور جزائی ضرورت سے برا بھلا کوئی جانور، کوئی پیٹر پودا منتخب کر لیا اور اسے مقدس قرار دیا یہ اس کا مورث اعلیٰ اور جدِ مخرج بن گیا اسے خور بنا کر اس نے معاشرتی رشتے قائم کئے اور اپنی دانست کے مطابق شجر ممنوعہ تیار کیا۔

ٹوٹم مقدس جانور یا پیٹر کا رشتہ اس قدر قومی تھا کہ اس کے سامنے خونی رشتے بھی بیچ تھے ممنوعات اور محرمات کا ضابطہ بھی ٹوٹم کے حوالے سے مرتب کیا گیا۔ یہ ضابطہ قبائلی اخلاقیات کا نگہبان تھا اور اس پر انتہائی سختی سے عمل کیا جاتا تھا۔ اس ضابطے کو ٹیبو کہتے۔ بقول فریڈریش بربتی انسولپٹر (حاجڑ) کا کام دیتا۔ یعنی یہ برائی اور تباہی کی لہر کو روک لیتا اور قبیلے کو نقصان سے بچاتا۔ بقول فرائیڈ اس ضابطے کو توڑنے والا خود بخود سزا پالیتا۔ وہ خود ٹیبو ہو جاتا۔ یہی ٹیبو اس سے انتقام لیتا قدرت اس انتقام کا ذمہ لیتی (جیسے ایدی پیس نے باپ کو ہلاک کرنے کے بعد جیب اپنی ماں جیکو ستا سے بیاہ رچایا اور اولاد پیدا کی تو رب الشمس اپالونے پکڑ کی اور شہر تھیبیز کو طاعون میں مبتلا کیا

جب معاشرے کی شعوری سطح بلند ہوئی تو معاشرے نے ٹیبو شکن کو سزا دینے کی ذمہ داری قبول کی۔ ٹیبو شکنی معاشرے میں بدامنی پیدا کرتی اور افراد قبیلہ کی سلامتی کو خطرے میں ڈالتی ٹیبو ہی سے اولیس دور کے قبائل نے اپنی اپنی پینل کو ڈنٹیا کی۔ ٹیبو کا سرچشمہ وہ مخفی سحری قوت تھی جو پرہتوں کے خیال میں افراد اور ارواح میں پائی جاتی تھی۔ اور ان کی وساطت سے غیر جاندار اشیاء میں منتقل ہو جاتی تھی۔ آدمی کے تراشیدہ بالوں، کپڑوں، حوتوں، لاکھٹیوں، ہتھیاروں اور اوزاروں میں جسمانی لمس کے ذریعے یہ مخفی سحری قوت آجاتی تھی اور دوسروں کے لئے خطرناک بن جاتی تھی۔ انسانی کھوپڑیاں زبردست سحری قوت کی حامل ہوئیں قبائلی جنگوں میں دشمن کے سر کاٹ کر ان کی کھوپڑیاں محفوظ کر لی جاتیں انہیں غلط طریقے پر چھیڑا جاتا یا ان سے متعلقہ ضابطہ توڑا جاتا تو ان سے ایٹمی توانائی جیسی سحری قوت خارج ہوتی اور کمزور غلط کار کو تباہ کر ڈالتی۔ بادشاہوں اور قبائلی سرداروں میں زبردست سحری قوت مخفی ہوتی۔ ان کے حضور گستاخی کرنے والے کو موت آ لیتی۔ کمزور رعایا میں اتنی سحری قوت (مانا) نہ ہوتی کہ ان کی طرف دیکھتے یا ان کے سامنے اکر کر کھڑے ہوتے۔ اب بھی لوگ بڑی شخصیتوں سے مرعوب و مسحور ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے وہ زیادہ سحری قوت رکھنے والے معتمدوں، مصاحبوں اور وزیروں کے ذریعے بات کرتے۔

سحری قوت دائمی بھی ہوتی اور عارضی بھی۔ فزائیڈ کی تقسیم کی رو سے پھر وہ ہتوں، قبائلی سرداروں بادشاہوں اور مردوں میں مستقلاً سحری قوت ہوتی ان کے بارے میں ضابطہ ممنوعات (ٹیبو) بھی مستقل حیثیت رکھتا۔ ٹیبو کی عارضی صورتیں یہ تھیں۔

• ایام حیض وزچگی میں عورت ٹیبو ہوتی ہے۔ ایسے میں اس کے قریب جانا خطرناک تھا۔

• جنگ پر جلنے والا سپاہی بھی ٹیبو ہوتا۔

• شکار بھی ضابطہ ممنوعات کے تابع تھا۔ شکاری پر کئی پابندیاں لگائی گئی تھیں۔

• ٹوٹم اور ٹیبو میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ٹوٹم ہی سے ضابطہ ممنوعات و محرمان (ٹیبو) برآمد ہوا ہے۔

• ایس کے رشتے ٹوٹم کے ذریعے قائم ہوئے اور پھر ان کا احترام کیا جانے لگا۔

ٹوٹم (مقدس جانور یا پیر) قبیلے کا جدِ امجد ہوتا۔ اس لئے پورا قبیلہ اسی کی اولاد ہوتا۔ غیر قبیلے کی عورتیں شادی کے بعد شریک قبیلہ ہوتیں تو وہ بھی اسی ٹوٹم سے وابستہ ہو جاتیں اور ٹوٹمی قبیلے کا فرو بن جاتیں۔

کنگر قبیلے کی عورت ہرن قبیلے میں آکر ہرن کی اولاد قرار دی جاتی۔

ٹوٹم ہی کی وجہ سے مرد کے لئے اس قبیلے کی عورتیں ٹیٹو ہو جاتیں اور وہ ان سے بیاہ نہ کر سکتا۔ خوئی رشتہ ہونہ ہو۔ ٹوٹمی رشتہ اس ضابطے کی روحِ زداں تھا۔ جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا۔ ٹوٹمی رشتہ خوئی رشتے سے بھی زیادہ مضبوط تھا۔

ٹوٹم کی وساطت سے جو کنبہ قبیلہ بنتا اس میں خوئی یا معاشرتی لحاظ سے کتنی ہی دور کا رشتہ کیوں نہ ہوتا، مرد و زن میں جنسی تعلق کی اجازت نہ تھی۔ یہ ٹیٹو (شجر ممنوعہ) تھا۔ اس طرح حقیقی کنبے نے ٹوٹمی کنبے کو اپنی جگہ دے دی۔ اور اٹلی عہد کے بوجھ بھگڑوں نے اپنی فہم و فراست کے مطابق قبیلے کی سلامتی کے لئے ایسے اخلاقی قوانین وضع کئے جن سے برائی نہ پھیلے۔ بچے قبیلے کی عورتوں کو اپنی ماں کی بہنیں اور مردوں کو ان کے بھائی سمجھتے وہ انہیں حالہ اور ماموں کہہ کر پکارتے۔ زنا یا المحرمات کی روک تھام کے لئے بیرون قبیلہ شادی (EXOGAMY) کا رواج ہوا۔

بقول فرائیڈ او ایسلی قبائلی کا دستور محرمات و ممنوعات کینتھو کک چرچ میں بھی ملے گا، جو عمر اڈن میں شادی کی اجازت نہیں دیتا۔

وحشی قبائلی نظام بڑا سخت تھا۔ وہ لوگ زنا یا المحرمات کے بارے میں بے حد خوف زدہ تھے اور ان کا یہ خوف آج بھی موجود ہے۔ آج یہ بدترین جرم ہے کوئی معاشرہ اس کی اجازت نہیں دیتا۔ چشم پوشی نہیں کرتا۔

جزیرہ لیپیز (فرائیڈ طص ۱۱) میں دستور تھا کہ جب لڑکا خاص عمر کو پہنچتا تو ماں باپ کا گھر چھوڑ دیتا۔ کلب ہاؤس میں جا کر رہتا۔ یہ کلب ہاؤس کیا تھا؟ چھپر کا بنا ہوا مکان جس کے آگے احاطہ

ہوتا جوان لڑکے ماں باپ کا گھر چھوڑ کر یہیں رہنے آجاتے۔ البتہ یہ لڑکا کھانا لیتے باپ ہی کے گھر جاتا
لیکن اسے کلب ہاؤس لاکر کھانا باپ کے گھر کے باہر بھی بیٹھ کر کھانا اگر بہن اکیلی گھر میں ہوتی تو
کھانا کھاٹے بغیر ہی لوٹ آتا۔

بہن کے سامنے جانا ٹیو تھا۔ اگر کبھی کھلی جگہ پر بہن بھائی کا آمناسامنا ہو جاتا تو لڑکی ذرا چھپ
جاتی۔

اگر وہ کہیں ایک دوسرے کے قدموں کے نشان دیکھ لیتے تو راستہ بدل لیتے۔
ماں کا رویہ بھی بہن سے ملتا جلتا تھا۔ اگر کبھی ماں اکیلی گھر میں ہوتی اور بیٹا کھانا کھاٹے آتا تو
ماں اسے کھانا نہ پکراتی بلکہ زمین پر دھرتی۔

جزیرہ نمائے غزالیں میں تو بہن شادی کے بعد بھی بھائی سے گفتگو نہیں کرتی۔ وہ اس کا نام بھی
زبان پر نہ لاتی۔ نام کی بجائے کوئی اور لفظ تراش لیتی۔ اسی طرح ایک علاقے میں عم زاو بہن بھائی چند
گز کے فاصلے پر کھڑے ہو کر بات چیت کر سکتے ہیں لیکن ایک دوسرے کو تحقہ نہیں دے سکتے۔ ان
میں زنا بالمحرمات کی سزا چھانسی ہے فحش میں یہی دستور مروج ہے لیکن وہاں بعض ایسی تقریبات منعقد
کی جاتی ہیں جن میں اس دستور کو توڑنے کی اجازت ہے۔
وحشی قبائل کے لوگ سمجھتے تھے کہ ”تنہائی میں عورت اور مرد کی ملاقات انہیں غلط آشنائی
کی راہ پر ڈال دیتی ہے“

سزا کی دہشت سے وہ قرب سے گریز کرتے۔ یہ گریز ہی ٹیو تھا۔
جزیرہ سلیمان کے لوگوں میں خوشدامن سے ہمکلام ہونا تو کجا اس کی صورت دیکھنا بھی منع

تھا۔ اگر کہیں سمر ہے وہ نظر آجاتی تو برخوردار وہاں سے دوڑ لگاتا اور دوڑ چلا جاتا۔
خوشدامن کا یہ رویہ درحقیقت اس ناراضگی کا اظہار تھا جو اسے اپنی بیٹی کے موردنی ٹوٹی قبیلے
سے کٹ کر دوسرے ٹوٹی قبیلے میں شامل ہونے سے پیدا ہوتی۔ فرائڈ کے نزدیک یہ نفرت ایک
حرج سے محبت ہی کی بگڑی ہوئی صورت تھی۔ محبت کا جذبہ مجروح ہو جاتے تو وہ نفرت میں بدل جاتا

ہے۔ اگر یہ جذبہ بحال ہو جائے تو نفرت، محبت میں بدل جاتی ہے۔ اسے جذبے کی دو رخا (AMBI-VALENCE) کہا جاسکتا ہے۔

بے رخی اور ناراضگی کا سبب یہ تھا کہ ماں اجنبی (دوسرے قبیلے کے فرد) کو بیٹی دے کر خوش نہیں ہوتی۔ قبائل میں بیاہ کے لئے دوسرے قبیلے کی پسندیدہ لڑکی کو بھگالانے کا رواج بہت عام تھا۔ پرتھوی راج اور سنجوگتا کے ہرن کا قصہ بہت مشہور ہے۔ بعد ازاں آریاؤں میں سوہمیر کی رسم پڑی جس میں اجنبی آتے اور لڑکی اپنا شریک حیات منتخب کر لیتی۔

خوشدامن کی ناراضگی دائمی نہ ہوتی۔ بچہ پیدا ہونے کے بعد رفع ہو جاتی۔ لیکن معاشرتی رویے ٹیبو کی زد ہی میں رہتے۔

ٹیبو جو ٹوٹی قبائل کا مخصوص تعزیراتی ضابطہ تھا پولی نیشیائی لفظ ہے جس کے دو معنی تھے۔ ایک معنی تھے۔ مقدس

دوسرے معنی تھے۔ شجر ممنوعہ، خطرناک، تاپاک

ٹیبوئی ضابطے کی ابتداء نامعلوم ہے تاہم اسے قدیم ترین انسانی سوچ کا حاصل قرار دیا جاتا ہے یہ سوچ قبائلی ضرورتوں سے پیدا ہوئی۔ تب بھی خدا اور مذہب کسی شکل میں موجود نہ تھا۔ ٹیبوئی ضابطہ مذہب اور خدا کے تصور سے قدیم تر بتایا جاتا ہے۔

ٹیبو کے اطلاق کے سلسلے میں تین باتیں ملحوظ ہوتیں۔

۱۔ جس شخص جانور، پتھر، پودے یا چیز کو ٹیبو کہا جاتا اس کا تقدس یا احترام کس وجہ سے

ہے یا کس نوع کا ہے؟

۲۔ تقدس اور احترام کی اس خصوصیت یا خاصیت کی نگہداشت کا تعزیراتی یا قانونی تقاضا

کیا ہے؟ کیا بندش لگائی جائے؟

۳۔ اس بندش کو توڑنے سے کیا خطرہ لاحق ہوتا ہے

ٹیبوئی ضابطے کے نفاذ سے مقصود یہ تھا کہ

۹۔ پردہت قبائلی سردار اور خاص خاص آدمیوں کو لوگوں کے ضرر سے بچایا جائے اور ان کے احترام کی نگہداشت کی جائے۔

ب۔ ناتواں مخلوق۔ عورتوں، بچوں اور عوام کی حفاظت کی جائے انہیں زور آدروں کی دست درازی سے بچایا جائے۔

ج۔ لاشوں اور بعض غذاؤں کو قانونی تحفظ دیا جائے۔

د۔ پیدائش، شریک قبیلہ کرنے کی رسم، شادی بیاہ اور جنسی تعلقات کو مداخلت بیجا سے بچایا جائے۔

۸۔ بد رجوں اور خداؤں کا غضب ٹالا جائے اور انسانوں کی جہانیں محفوظ کی جائیں۔

و۔ ٹیبو کر کے آدمی کے اموال و املاک۔ کعبیتوں، اوزاروں اور ہتھیاروں کو چوروں سے بچایا جائے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ٹیبوئی عنایت کی اختراع معاشرتی ضرورت کے باعث تھی۔ ٹیبو کے ذریعے آدمی، جانور اور پیر پلووے کو مقدس اور خوفناک قرار دے کر لوگوں کو خوفزدہ کیا گیا اور قانون شکنی کی حوصلہ شکنی کی گئی۔ ان کی مخفی طاقت کو چھیننا تباہ کن انتقام کو دعوت دینا تھا۔ یہ انتقام خود کار ہوتا اس لئے بچاؤ کی صورت ممکن نہ تھی۔

چونکہ ٹیبوئی نظام پردہتوں نے وضع کیا اس لئے بنیادی طور پر اونچے طبقے کے مفاد کی خاطر تھا۔ انہوں نے سب سے پہلے اپنی ذات کو ٹیبو کیا اور اس کے بعد قبائلی ضروریات کا پاس کیا پہلے اس کی شکل رواج کی تھی۔ پھر یہ روایت بنی اور روایت پختہ ہوئی تو اس نے قانون کی شکل اختیار کی۔ اس طرح شجر ممنوعہ۔ انسان، حیوان، پتھر، اشیاء کو چھوننا یا غیر قانونی طور پر استعمال کرنا ممنوع ہو گیا۔

بقول فرائیڈ تھڈ ہی ارتقاء اور دیو مال کا یہ رویہ ہے کہ ارتقاء کی ایک منزل کے بعد جب اگلی منزل آتی ہے تو پہلی منزل کی باتیں مرث نہیں جاتیں بلکہ کمتر و جے پر اس میں شامل رہتی ہیں۔ یہی صورت ٹوٹم اور ٹیبو کے باب میں ہوئی۔ وین سائری میں تبدیلیاں آتی رہیں، روہینے بدلتے

رہے لیکن پرانا ورثہ بھی کسی نہ کسی شکل میں موجود رہا۔

یٹیوٹی ضابطے کو قبیلوں نے اس لیے قبول کیا کہ لوگ طرح طرح کے ادہام میں مبتلا تھے۔ ان کے تحت الشعور میں ڈر خوف جاگزیں رہتا تھا۔ ڈر سے سہمے رہتے تھے اور سمجھتے تھے کہ یٹیو توڑنے سے وہ خود یٹیو ہو جائیں گے۔ نہ کوئی انہیں چھوئے گا، نہ قریب پھینکے گا۔ اور وہ اچھوت ہو جائیں گے مر جائیں گے یہ موت انہیں اپنے ہی مخفی ڈر خوف سے ملتی۔

ایک قدیم قبیلے کا سردار کبھی پھونک مار کر آگ نہ جلانا کیونکہ اس طرح اس کا مقدس سانس آگ میں چلا جاتا اور اسے مقدس کر دیتا۔ یہ تاثیر آگ پر دھرے ہوئے برتن میں اور اس سے گوشت میں داخل ہو جاتی جسے پکانا مقصود ہوتا۔ پھر اگر کوئی شخص اس مقدس گوشت کو کھالیتا تو مر جاتا۔ ایسا پسخ ہو جاتا۔ پرانے وقتوں کے لوگ اپنے ادہام اور اندرونی خوف سے کسی بہانے مارے جاسکتے تھے۔ یہ صرف ایک مثال ہے۔ بشریات والوں کی کتب میں ایسی ہزاروں مثالیں ملیں گی جن میں ایسے مفروضوں کا سراغ ملے گا جنہیں مراعات یافتہ لوگوں کیلئے قائم کیا گیا اور ان کے مفاد کی نگہداشت کی گئی۔ آدمی کی فطرت ہے کہ اسے جس چیز سے منع کیا جائے وہی کرتا ہے یا کرنے کا آرزو مند رہتا ہے۔ یٹیو توڑنا آدمی کی فطرت ہے لیکن یہاں فریڈ نے بڑی خوب صورت بات کی ہے۔ آدمی کا اندرونی خوف اس کی آرزو سے قوی تر ہوتا ہے۔ خوف ہی کے مارے وہ اپنی خواہش کا مطالبہ رو کر دیتا ہے۔ یٹیوٹی ضابطے کی بقا اسی خوف کی بدولت ہے جب پورا قبیلہ پر دہرت (ساحر سردار) کی اجازت سے اس کی قیادت میں اسی یٹیو کو مذہبی تقریب کی شکل میں توڑتا ہے تو اسے کسی قسم کا ضرر نہیں پہنچتا۔

قدیم ترین ٹوٹی قوانین دو ہیں۔ ٹوٹی جانور کو مارنے اور ٹوٹی قبیلے کی عورتوں سے جنسی تعلق قائم کرنے کی ممانعت۔

معلوم ہوتا ہے کہ آدمی کی قدیم ترین شدید آرزو میں انہی دو قوانین کے خلاف تھیں۔ ان

آرزوؤں اور جذبوں کی تہذیب ضروری تھی۔ ایسا نہ کیا جاتا تو انسانی معاشرہ بدترین اخلاقی بحران اور انتشار کا شکار ہو جاتا۔ اسی لئے ان جذبوں کو سختی سے دبایا اور تحت الشعور میں دھکیل دیا گیا۔ ہم نے قبائلی سردار اور بادشاہ کا ذکر کیا ہے کہ یہ بے پناہ سحری قوت (مانا) کا حامل ہوتا ہے چھونا منع تھا۔ جو اسے چھوتا وہ مر جاتا۔ ایسے میں اس کا منہ زور بیجا جیب بڑا ہوتا اور اس میں بوڑھے باپ کی اٹلاک و اموال پر دسترس حاصل کرنے کا شدید جذبہ پیدا ہوتا تو وہ اسے مار ڈالتا اور خود ٹیو ہو جاتا۔ باپ کی تمام عورتیں اس کے قبضے میں آجاتیں ایک دن اس کا بیٹا اسے مار ڈالتا اور بقول فریئر عہد قدیم میں کوئی قبائلی سردار اپنی موت نہ مرتا بیٹے کے ہاتھوں مارا جاتا۔

قبائلی سردار، پروہیت، سردار کے مقریوں، عورتوں، بچوں اور عام آدمیوں میں ایک جیسی ایک مقدار میں سحری قوت (مانا) نہ ہوتی۔ اسی لئے ٹیو بھی یکساں طور پر زیر دست نہ ہوتا۔ تریاراج، مادری نظام میں عورت کا ٹیو مرد سے زیادہ قوی اور شدید ہوتا۔ پدری نظام میں معاشرہ الٹ گیا۔ اسی طرح ٹیو شکنی کی سزا بھی کم و بیش ہوتی قتل اور زنا بالمحرمت کی سزا سب سے کڑی تھی بلکہ جیکوستان نے اپنے بیٹے سے بیاہ کر کے پھانسی لے لی اور بیٹے (ایدی پس) کو اپنے جرم کی خبر ہوئی تو اس نے آنکھیں پھوڑیں مطلق العنان ہوتے اور بے پناہ طاقت رکھتے ہوئے بھی انہیں اپنے ہاتھوں سزا بھگتنی پڑی۔ کیونکہ ٹیوئی ضابطہ، معاشرتی و باؤ اور پروہیت کا اثر و رسوخ ملکہ اور مطلق العنان بادشاہ کی طاقت سے بھی کہیں زیادہ طاقتور تھا۔

(شاہ انگلستان ہنری ہشتم کو شادی بیاہ کے قوانین توڑنے سے پہلے پاپائے اعظم کو بے دست و پا کرنا پڑا۔ جو دینی قوانین کا محافظ اعلیٰ تھا)

پرانے وقتوں میں دینی خدمات، معاشی خطرات اور توہمات شدید صورت اختیار کر گئے تھے ٹیو کا ٹیو شکن میں منتقل ہونا اسے غیر محفوظ کر دیتا تھا۔ یہ چھوٹا کامرض تھا جس کے تصور ہی سے آدمی کی جان نکل جاتی۔ قبائلی سردار کو چھونے والا ٹیو تو ہو جاتا لیکن اس میں بادشاہ کی مخفی سحری قوت (مانا) منتقل نہ ہوتی۔ جس کی بنا پر طاقت (مانا) کے بغیر اس کا ٹیو ہونا اس کے لئے ہلکے

ثابت ہوتا۔

ٹیبو وہ بندش تھی جو پردہت اور قبائلی سردار کے اختیار سے لوگوں پر لاگو کی جاتی اور براہ راست زبردستی انسانی خواہشوں کو تختہ مشق بناتی ان خواہشوں کو کچل کر رکھ دیتی۔

ٹیبو کانسب سے عجیب اطلاق اس وقت ہوتا جب کوئی قبیلہ اپنے دشمن کو تہس نہس کر کے آتا اور خوشیاں مناتا۔ دشمن کی لاشیں وہیں چھوڑ آتا لیکن سر کاٹ لانا کیونکہ سحری نظام میں کٹے ہوئے سر تعویذ (CHARM) کا کام دیتے۔ دشمن کی کھوپڑیاں زبردستی سحری قوت مانا کی حامل ہوتیں اور اگر ان کی بے حرمتی کی جاتی، ضابطہ ممنوعات و محرمات (ٹیبو) کو نظر انداز کیا جاتا اور بے احتیاطی سے کام لیا جاتا تو فتح قبیلہ تباہی کی نذر ہو جاتا۔

جزیرہ تیمور کے لوگ جب قبائلی جنگ میں دشمن کو شکست دے کر آتے اور مقتولین کے سر کاٹ کر لاتے تو فاتحین کے سردار پر کئی پابندیاں عائد کی جاتیں جن سے انحراف ناممکن تھا۔ مردوں کی روح کو خوش کرنے اور ان کے غضب سے بچنے کے لیے قربانیاں دی جاتیں۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ قربانی نہ دی گئی تو مارے گئے دشمن کی رو میں انتقام لین گی اور قبیلے پر کوئی آفت نازل ہوگی۔ قربانی کی اس ریت میں سحری رقص بھی شامل ہوتا۔ سحر پرستوں کے یہاں رقص موسیقی اور شاعری کے عناصر ترکیبی ہی سے عبادت کی تشکیل ہوتی۔ عبادت جسے سحریات وال ریت (RITUAL) کہتے "قربانی" رقص، موسیقی اور شاعری ہی کا مجموعہ ہوتی۔ قربانی قدیم ترین ریت ہے قربانی کے ساتھ شاعری اور غنائی رقص کر کے اس میں سرکمانے والوں کا ماتم کرتے اور ان سے معافی مانگتے اس ریت اور رقص کی قیادت سردار قبیلہ کرتا۔ یہ لوگ کہتے۔

”خفا مت ہو، یہ رہا تمہارا سر ہمارے پاس، ہم کم نصیب ہوئے تو ہمارے

سر تمہاری بستی میں سرعام رکھے جاتے، ہم نے تمہاری خفگی دور کرنے کے لئے قربانی

دی ہے۔ اب تمہاری روح چین پکڑ سکتی اور چین چین سے رہنے دے سکتی ہے۔ تم

کیوں ہمارے دشمن ہوئے؟ کیا یہ بہتر نہ تھا کہ ہم دوست بن کر رہتے؟ تمہارا خون بہا یا نہ جانا اور

تمہارا سر کاٹا نہ جاتا“

یہ منتر بھی سحری تاثیر رکھتے اور بوقتِ رقص ادا کئے جاتے تو اثر انگیز ثابت ہوتے۔
فاتحانہ مہم کے بعد دشمن کی غضب ناک روح کو تالو میں لانے اور اس کی تسکین کے لئے قربانی
بے حد ضروری تھی۔ مشرقی افریقہ کے بعض قبائلی تو قربانی دیئے بغیر گھر میں قدم نہ رکھتے اس ترکیب سے
دشمن روجوں کو خوش کر کے (قربانی کے ذریعے ان کی شان بڑھا کر) انہیں دوست، قبیلے کا نگہبان
اور مہربان بنا لیا جاتا۔

سرا دک کے لوگ جب دشمنوں کی کھوپڑیاں لے کر فاتحانہ گھر آتے تو کئی کئی مہینوں تک ان
کا ادب کرتے اور انہیں بڑے پیارے پیارے ناموں سے مخاطب کرتے۔ ہلاکت کے بعد دشمن
سے یہ پیار و حقیقت اپنی عاقبت کے لئے اور روح کے غضب سے بچنے کے لئے ہوتا۔ یہ لوگ
کھوپڑی کے منہ میں نوالے تک ٹھونستے۔ کھوپڑیوں سے بار بار التجا کی جاتی کہ اپنے پرانے ساتھیوں
کو بھول جائیں اور نئے میزبانوں سے پیار کریں۔ کیونکہ اب یہ انہی میں شامل ہو گئے ہیں۔

جزیرہ تیمور میں جنگی مہم کا فاتح سردار ریت کے فوراً بعد گھر نہ جاتا۔ یہ ٹیپو تھا۔ اس کے لئے
خاص جھونپڑا بنا جاتا جہاں وہ دو ماہ تک رہتا۔ یہاں اس کی جسمانی اور روحانی تپہ سیر کی جاتی۔
تو بیوی کے پاس جاتا اور نہ اپنے ہاتھ سے کھانا کھاتا۔ بعض جگہ لوہے کو چھونا ممنوع تھا کیونکہ لوہے
(تیر، بھالے) کے لئے دشمن کو مارا اور اس کا سر کاٹا جاتا۔ گوشت ممنوع تھا۔ خاص برتنوں میں سیریاں
تیار کر کے دی جاتیں۔ گوشت کی ممانعت اس لئے تھی کہ اس نے گوشت پورٹ کے انسانوں کو مارا
تھا اس طرح فاتح کو مقتول کے لہو کی بو سے محفوظ رکھا جاتا۔ ورنہ وہ بیمار ہو جاتا اور مر جاتا۔

مقتول دشمن کا ماتم اسی اہتمام سے کیا جاتا جیسے کسی اپنے عزیز کا کیا جاتا۔
یہ سب کچھ اس لئے کیا جاتا کہ وحشی قبائل مقتولوں کی روجوں سے بہت ڈرتے۔ انہیں وہم
تھا کہ یہ مروے سے کہیں زیادہ قوی اور ہلاکت آفرین ہوتی ہیں۔ مرنے والا تو مر گیا اور دشمن کا بال بیکا
نہ کر سکا! لیکن اس کی روح اسے تباہ کر سکتی ہے۔ شکسپیر کے ڈراموں میں مقتولوں کی روجوں کی غضب ناک

اسی وہ ہم کی غمازی کرتی ہے ۔

وہ سحری ہیں یہ خیال بہت عام تھا کہ مقتول کی روح اپنے قاتل کا بیچھا کرتی ہے چنانچہ اسے بھگانے کے لئے منتر پڑھے جاتے، رقص کئے جاتے، قربانیاں دی جاتیں اور ٹیہوئی صنابٹے کی پابندیاں عائد کی جاتیں ۔

ایک بات یاد رہے کہ ”خدا کی طرف سے کسی نوع کے قوانین نازل ہونے سے بہت پہلے وحشی قبائل کے پاس اپنا ہی تیار کیا ہوا یہ فرمان تھا۔ ”تو کسی کو قتل نہیں کرے گا اور اگر تو نے قتل کیا تو سزا سے نہ بچے گا۔“

قتل کا احساس جرم اسے تائب ہونے اور دشمن کی روح کو منانے پر مجبور کرتا اور وہ اپنی عقل کے مطابق ریت (عبادت) کے ذریعے اپنے پچاؤ کی تدبیر کرتا ۔

فرعون کی لاش

قدیم مصر کے دینی فلسفے اور آداب و رسوم کے بارے میں جو معلومات میسر آئی ہیں، اہرام ان کا سب سے اہم ماخذ ہیں جہاں سے ہزاروں سال پرانی تہذیب برآمد ہوئی ہے۔ یہ تہذیب فرعون کی حکومت شدہ لاشوں، تعویذوں، سحری نقوش، ساز و سامان اور "منترن اہرامیہ" کی صورت میں ملی ہے (منترن اہرامیہ میں "کتاب رفتگان" سب سے بڑھ کر واقع ہے۔ اسی میں مردوں کی حیات ابدی کے نسخے درج ہیں پر وہنتوں کے نزدیک اس کے منتر سحری تاثیر رکھتے، سفر آخرت کو سہل بنانے اور مرنے والے کو لگاتار دوام کی ضمانت دیتے منتروں کا ورد کیا جاتا۔ قدیم مصری زبان میں کتاب رفتگان کو "ریوع نوع برطام حروع" کہتے تھے۔

ملاوگیت نے قدیم مصری فلسفے اور ریتوں رسموں کو جنم دیا۔ فرعون کے لئے اس کی منشا اور طلب کے مطابق مذہب کے تانے بانے بنے گئے اور نہایت مضبوط پر وہتی نظام قائم کیا گیا۔ مذہب اور پروہت کی اصل ضرورت کا آغاز فرعون کی موت سے ہوتا۔ ادھر فرعون مرنا ادھر کتاب رفتگان اور دوسری کتابوں کے منتروں کا عمل شروع ہوتا۔ پروہتوں کی کھپ چمروے کی سلامتی، لازوال زندگی اور آخرت کی آزمائشوں میں کامیابی بننے کی سعی کرتی۔ فرعون کی حیات آخری اہم تر تھی آج حیات دنیوی سے پانچ ہزار سال پرانے اہرام اور حکومت شدہ اجسام اس کا ثبوت ہیں۔ اگر ہم یہ کہیں کہ قدیم مصری مذہب سامریت اور مسک ساحری زندوں سے کہیں زیادہ مردوں کا مذہب تھا تو یہ غلط نہیں۔

حیات بعد از ممات کے تصور نے فن تعمیر اور علم الکیمیا کو بے مثال عروج بخشا۔ بت پرستوں کی کوئی



— فرعون عمون تخت کے مقبرے میں گھیر ڈلیوٹا عنوہیس خاندان رع موسیٰ
کے فرعون کی صنوط شدہ لاش کی تکمیلی رسم ادا کر رہا ہے۔

تہذیب اس باب میں ارضِ فرعون کی تہذیب کا مقابلہ نہیں کرتی۔ کہیں ایسے مہار اور کیمیا دان پیدا نہ ہوتے۔ ایسے دیہ پامقبرے اور ایسی دیہ پالاشیں اتنی بڑی تعداد میں نیل دیس کے سوا کہیں سے دستیاب نہیں ہوئیں۔

قدیم مصر میں جسم کی سلامتی اور مرتے کے بعد اس کے تحفظ کی مثال دیومالا میں موجود ہے۔
 رُب الارض (اور رُت دیو) ادسانی رِس اس دنیا میں جسمانی زندگی بھی بسر کر چکا تھا۔ اس نے مزدجہ ضابطہٴ اخلاق کے بموجب اپنی بہن آئی سس سے بیاہ کیا۔ لوگوں کو زراعت اور عبادت کے طریقے سکھائے۔ انہیں دین اور اخلاق کا ضابطہ دیا اور آدم خوری سے نجات دلائی۔ اس کا عہد حکومت بے مثال تھا اور یہی خصوصیت اس کی ہلاکت کا سبب بنی۔ اس کا بھائی سبط اس سے جلنے لگا۔ اس نے ساتھیوں سے مل کر ادسانی رِس کو موت کے گھاٹ اتارا اور لاش کے ٹکڑے ٹکڑے کیے۔ غمزوہ آئی سس نے منتشر ٹکڑے جمع کر کے سحر پاتی عمل کیا۔ منتر پڑھے۔ ٹکڑے جڑ گئے۔ ادسانی رِس پھر جی اٹھا اور لانانی ہو گیا۔ اب یہ پاتال میں چلا گیا۔ وہاں جا کر مڑوں کا بادشاہ اور یوم حشر کا قاضی بن گیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی بہنوں (آئی سس اور نیف تیس) نے اس کی قمی تیار کروائی۔

یہ سٹوٹ شدہ لاش کی سب سے پرانی مثال ہے۔ اس کی تاریخ متعین نہیں کی جاسکتی بہر حال لاش کی حفاظت کا مسئلہ بڑا اہم تھا۔ فرعون کی آمد (۳۴۰۰ ق م) سے پہلے جب مصر الگ الگ (زیریں یا شمالی اور بالائی یا جنوبی) مملکتوں میں بٹا ہوا تھا لوگ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ "انہوں نے دھرتی پر جو جسم دھرے ہیں مڑوں سے انہی سے ملتے جلتے جسموں میں دوبارہ جی اٹھیں گے" وہ مڑوں کے جسمانی اجزاء کے قائل تھے۔ چنانچہ قبروں اور مقبروں میں کھانے پینے اور روزمرہ کے استعمال کی جو چیزیں رکھتے وہ اگلی دنیا میں کام آنے کے لئے ہوتیں۔ بعد کے زمانوں میں اس عقیدے میں جزوا "ترمیم و اصلاح کی گئی۔ تعلیم یافتہ لوگوں کے خیال میں جسم تو یہیں رہتا البتہ مڑوں کی غیر فانی ذات آسمان پر چلی جاتی اور وہیں رہتی۔

یہ تو پھلے لوگوں کی بات تھی کہ وہ سفرِ آخرت کا میاں بی سے طے کر لیتے جس کی بدولت انہیں

رَبُّ الشَّمْسِ کا قُرب حاصل ہوتا اور وہ مگر ابدی زندگی پاتے ورنہ بُرے لوگ تو سفرِ آخرت کی پہلی منزل ہی پر ختم ہو جاتے۔ اوسانی رِس دیوتا کے ضابطہ عدل کے مطابق مردے کا دل یا ضمیر ٹولا جاتا اگر ترازو کے پلڑے برابر ہوتے تو مردے کو رَبُّ الشَّمْسِ کے پاس جانے دیتے اور اگر دل بوجھل نکلتا تو مگر مچھ کے منہ والا خوٹخوار درندہ اسے وہیں ہٹپ کر جاتا اور پھر مردے کا کام تمام اور وہ حیاتِ اخروی سے محروم ہو جاتا۔

بہر حال عقائد کے رد و بدل میں یہ حقیقت اپنی جگہ قائم رہی کہ فرعون کبھی جسم کے تحفظ سے غافل نہیں ہوا۔ وہ جیتے جی معمولی سے ایوان میں رہتا لیکن اپنے مدفن کی تعمیر پر حتی الامکان اپنی زندگی ہی میں تمام مادی وسائل صرف کر دیتا۔ غلاموں کا شکر مصروف تعمیر رہتا۔ ذہین ترین انجینئر لگتے تیار کرتے اور تعمیر کے دوران میں اس غضب کی نگرانی کرتے کہ پتھروں کی پیمائش نراش خراش اور تنصیب میں بال برابر فرق نہ آنے دیتے۔ اسی طرح حسب دستور بہ کمال احتیاط اس کی لاش کو کیمیائی اجزاء سے محفوظ کیا جاتا۔

اہرام اور حُوط شدہ لاشیں علم کا خزانہ ہیں۔ دنیا کے عجائب خانے اہرام کے نو اور سے مال مال ہیں۔ بشریات والوں نے دنیا کی مختلف زبانوں (خصوصاً جرمنی، فرانسیسی اور انگریزی) میں سینکڑوں کتابیں لکھی ہیں۔ تالیف و تصنیف اور تحقیق و تفتیش کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

لندن یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر ایمرے جن کی تالیف "قدیم مصر" ۳۲۰۰ سے ۲۶۰۰ ق م تک معاشرے اور دینی رسوم پر روشنی ڈالتی ہے مصر کے تپتے ہوئے ریگزاروں میں حُوط شدہ اجسام تلاش کر رہے ہیں۔ انہیں دنیا کے ادین معمار اور طبیب عمون حوطیب کا مقبرہ اور اس کی حُوط شدہ لاش مطلوب ہے۔ تین سال قبل انہیں ایسا وینہ ملا تھا جس میں لاکھوں حُوط شدہ اجسام تھے یہ اجسام فرعون شلیع عوفس کے ہرم کے قریب میل بھر لمبی سرنگ میں سے برآمد ہوئے علم البشر (اینتھروپولوجی) کے فروغ اور اس کے دائرہ کار کی توسیع میں بالعموم قدیم مصری تہذیب و ثقافت اور بالخصوص اہرام اور فرعون کی حُوط شدہ لاشوں کا بڑا دخل ہے۔ انیسویں صدی

سے ان پر مسلسل کام ہو رہا ہے اور اب تو بیسویں صدی کی جدید ترین سائنسی اختراعات اور معلومات کے ذریعے بھی گتھیاں سلجھائی جا رہی ہیں۔ عملِ حنوط کی تفصیلات معلوم کرنے کے لئے لاشعاعی و سٹاسی (ریڈیو گرافی) سے کام لیا جا رہا ہے۔ آدمی کی اصل، اس کی تہذیب و ثقافت اور قبل تاریخ کے حالات جاننے کے لئے عصرِ حاضرہ کے علوم و فنون مفید ثابت ہوئے ہیں۔

ایک مدت تک علمائے بشریات سمجھتے رہے کہ دنیا کی قدیم ترین تہذیب و ثقافت کے سلسلے میں مقبرے، خالقا ہیں اور معبد معلومات کا سب سے پرانا اور سب سے معتبر ذریعہ ہیں۔ مروجے آپ اپنی شہادت دیتے ہیں۔ ان کے ڈھانچے، ان کی حنوط شدہ لاشیں اور قبریں ایسے شواہد فراہم کرتی ہیں جن کی مدد سے پرانی تاریخ کی کڑیاں مرتب کی جاتی ہیں۔

اہرام میں فرعون کے لئے اس کی مٹی کے ساتھ وہ تمام اشیاء دفنائی جاتیں جنہیں وہ زندگی بھر استعمال کرتا۔ کھانے پینے کی اشیاء بکثرت رکھی جاتیں۔ خدام کو قربان کر کے فرعون کے ساتھ دفنایا جاتا۔ سونے کے انبار لگائے جاتے۔ ان انمول دھنوں کا تعلق دینی عقائد سے تھا۔ تالیوت میں مٹی کے پاس ”کتابِ رنتگان“ کا نسخہ رکھا جاتا۔ فرعون کے بدن پر جگہ جگہ تعویذ باندھے جلتے اور نقش رکھے جاتے جو اپنی سحری تاثیر کی بدولت فرعون کو ابدی زندگی بخشنے میں معاون ثابت ہوتے۔ نقش میں ”رب الارض اوسالی برس کی مٹی نیز اس کی بہن (اور بیوی) آفی سس اور دوسرے دیوی دیوتاؤں کی تشبیہ ہوتی۔ ناگ دیوی اور شاہین کے نقش بھی تیار کئے جاتے۔ دینِ ساحری میں ناگ اور شاہین خاص مقام رکھتے۔ شاہین فرعون کا روح بردار تھا اور ناگ زمین پرستوں کا دیوتا تھا۔

یہ تعویذ اور نقش اپنے سس سے مروجے کے لئے موجب خیر و برکت ٹھہرتے۔
فراعذہ کی جو حنوط شدہ لاشیں ملی ہیں ان میں فرعون طوطی بھون نے بڑی شہرت پائی ہے
۱۹۲۲ء میں آئنار قدیمہ کے برطانوی ماہر ہاورڈ کارٹر نے اس کھسن فرعون کا مقبرہ دریافت کیا
اور اس کا تالیوت کھولا۔

۱۹۲۷ء میں کارٹر کی کتاب ”طوطخ عمون کا مقبرہ“ لندن سے شائع ہوئی۔

طوطخ عمون دنیا کے سب سے پہلے توحید پرست فرعون آخن عطون کا داماد تھا۔ غنوس نیفا عطون (رب واحد عطون کی بدولت زندہ رہنے والی) کے شوہر کا پہلا نام طوطخ عطون (رب واحد عطون کی زندہ شبیہ تھا۔ خسر کی ذات کے بعد رب عطون کا زور ٹوٹ گیا چنانچہ اسے عطون کا شہر بھی چھوڑنا پڑا اور وہ رب عمون کے شہر ”تھی بیز“ میں منتقل ہو گیا۔ اور اسی کو اس نے پایہ تخت بنایا۔ پھر متروکہ بستی میں ایک بھی آدمی نہ رہا۔ رب واحد عطون کے پوجنے والے ایک ایک کر کے وہاں سے اٹھ گئے۔ شہر کے گلی کوچے ویران ہو گئے۔ پرانا پر دستہ نظام از سر نو جی اٹھا اور شہر عطون قہر آفرین انتقام کی نذر ہوا۔ ایک ایک گھر منہدم کیا گیا ایک ایک معبد کھنڈر کیا گیا۔ عطون اور اس کا ہر نقش مٹا دیا گیا۔ عمون کے پر دستہ پھر پہلے کی طرح طاقتور ہو گئے اور انہوں نے طوطخ عطون کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ اسے اپنا نام تک بدلنا پڑا۔ اس نے نیا نام طوطخ عمون (رب عمون کی زندہ شبیہ) رکھا۔ پرانے شہر میں اس نے اپنی زندگی ہی میں مدفن تیار کر والیا تھا۔ لیکن اسے بھی چھوڑ دیا اور ”تھی بیز“ میں نیا مدفن بنوایا۔ یہ مدفن وادی فرات (شاہی قبرستان) میں تھا۔

پچھلے سال جب طوطخ عمون کا ہرم دوبارہ کھولا گیا تو لوگ یہ دیکھ کر دنگ رہ گئے کہ حنوط شدہ لاش کا سر کٹا ہوا تھا۔ ۱۰ سے ۱۲۰ ق م میں دفن کیا گیا تھا۔ بے احتیاطی کا یہ عالم تھا کہ مٹی لکڑی کے ایسے صندوق میں پڑی تھی جس میں شکر رکھی جاتی تھی۔

لورپول یونیورسٹی کے معلم عضویات ڈاکٹر جارج ہیری سن کی قیادت میں ایک جماعت وادی فرات میں آئی اور اس نے دوبارہ مقبرہ کھولا تاکہ طوطخ عمون کی حنوط شدہ لاش کی لاشعاعی تصویر لی جاسکے۔ اور اس کی ہلاکت کا سبب دریافت کیا جائے۔ بریٹینڈ (موقف تاریخ مصر) بتاتا ہے کہ یہ قبر ۱۰۰۰ سال تک حکومت کرنے کے بعد اچانک غائب ہو گیا۔

حنوط شدہ لاشوں پر لاشعاعی عمل بکثرت ہو رہا ہے اور اس سلسلے میں نئے نئے حقائق سامنے آ رہے ہیں۔ عام آدمی کچھ نہیں جانتا۔ اس کے لئے عجائب خانے میں رکھی ہوئی تمثیلات

دیکھنے اور جی خوش کرنے کی شے ہیں اور ایس لیکن سائنسدانوں کے لئے یہ علم و فن کا خزانہ ہیں۔ وہ
لا شعاعی عمل اور دوسرے ذرائع سے ان کا مطالعہ اور مشاہدہ کر کے معدوم نسل انسانی کی جسمانی بیدت
معلوم کرتے ہیں۔ ان کا مدفن پرانی تہذیب کی گراں قدر کتاب ہے۔

حفوظ شدہ لاش اور ڈھانچے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ محفوظ شدہ لاش کی نیچی بافتیں (نشو)

بڑی اہمیت رکھتی ہیں ان سے ایسی معلومات حاصل ہوتی ہیں جو ڈھانچوں یا تہذیبی سرمائے سے

دستیاب نہیں ہوتیں۔ علمائے بشریات نے ان پر تجربہ کر کے پرانے وقتوں کی بیماریوں کا کھوج لگایا

ہے۔ یوں زندگی کے مطالعے نے تاریخی شکل اختیار کر لی ہے۔ پھر محفوظ شدہ لاشیں کیمیا دانوں کے

لئے بھی علم و فن کا انمول ذخیرہ ہیں۔ حناطی کا فن مصر سے مخصوص تھا اور اس میں رہاں کے کیمیا دانوں

نے بے مثال کمال پیدا کیا۔ حناطی محض کیمیا دان نہ ہوتا بلکہ اس کا فن مذہبی عقائد کے تابع تھا مرنے

سے ریتوں رسوں کا طویل اور پیچیدہ سلسلہ وابستہ تھا اور اسے دائماً محفوظ کرنے کی غرض سے جن

ادویہ اور کیمیائی اجزاء سے کام لیا جاتا وہ عقیدے کی رو سے "مانا" (سحری تاثیر رکھتے "مانا"

ایسی قوت تھی جو ہر ذی روح اور ہر غیر ذی روح میں پائی جاتی (ناگ کی "مانا" مہلک تھی جسے

ڈسا وہ ہلاک ہو جاتا۔ اسی طرح فرعون خوفناک "مانا" کا حامل ہوتا۔ اجنبی اس کے حضور میں جاتا

تو اس کی آنکھوں سے آنکھیں نہ ملتا اس کے قریب جانا نہ اسے ہاتھ لگانا کہ اس کے قریب اور ایس

میں ہلاکت تھی اسی طرح جرہی بوٹیوں اور دوائی اثر رکھنے والے پتھروں میں "مانا" ہوتی۔ یہی

"مانا" بیماری دور کرتی)

وقتی ضرورت کے تحت تجہیز و تدفین سے تعلق رکھنے والوں نے علیحدہ بستی بسالی۔ گورکنوں

کی اس بستی میں حناطی، تابوت ساز، سنگتراش، بڑھتی، پروہت اور وہ سب لوگ رہتے مڑوہ

جن کی خدمات کا محتاج ہوتا۔ حناطوں کے اڈے عارضی ہوتے۔ جیب لاش آتی تو مٹی تیار کرنے

کے لئے اڈا بن جاتا۔ کام کی تکمیل کے بعد اڈا توڑ دیا جاتا۔

حناطوں کے یہاں نظروں (خام شورہ) کے حوضوں سے بو آتی رہتی۔ ان میں مقررہ ایام



ملکہ نیفرتاری کے مقبرے کی ایک تصویر۔
دیوتارح، خرختلی اور عمون، طیٹا دیوی بصد جاہ و جلال بیٹھے ہیں۔

تک لاش رکھتے۔ مٹی تیار کرنے کے تین طریقے تھے۔ پہلے طریقے میں نفاست تھی اور اس سے صحیح معنی میں مٹی تیار ہوتی۔ یہ طریقہ گراں تھا اور فرعون، ملکہ، شہزادوں، شہزادیوں اور اہل دربار کے لئے مخصوص تھا۔ باقی طریقے نسبتاً ارزاں تھے۔ لوگ حسب حیثیت ان میں سے کوئی طریقہ منتخب کر لیتے۔

کامل عمل حنوط کے مطابق سب سے پہلے لوہے کے آنکڑے (بک) سے نکتوں میں سے دماغ نکالتے۔ اس طرح کچھ حصہ خارج ہو جاتا۔ باقی دماغ ادویہ ڈال کر خارج کرتے۔ پھر پتھر سے پہلو میں شکاف ڈالتے اور آنتیں نکال لیتے۔ شراب سے پیٹ صاف کرتے۔ خوشبو میں ڈال کر اسے اور اچھی طرح صاف کر لیتے۔ اس کے بعد خالص مڑکی (بہول کی پیڑ) تیج پات کے سفوف اور دوسری خوشبودار چیزوں سے پیٹ بھر دیتے۔ ان میں لوبان شامل نہ ہوتا۔ اب شکاف سہی کر بند کر دیتے۔ آخر میں لاش کو نظرون (خام شورے) کے حوض میں ڈال کر اوپر سے ڈھانپ دیتے۔ ستر دن تک لاش یہیں رہتی۔ اس سے زائد مدت تک حوض میں لاش کار کھنا ممنوع تھا۔ مقررہ دنوں کے بعد لاش نکال کر صاف کی جاتی۔ بعد ازاں گوند سے ترکی ہوئی نفیس بلبل کی پٹیاں ارد گرد لپیٹی جاتیں۔ پیٹوں کا مجموعی طول کسی کسی سو گز تک پہنچتا۔ ایک مٹی کی پٹیاں ساڑھے چار سو گز لمبی نکلیں۔ ایک اور مٹی کی پٹیاں ۸۷ گز لمبی نکلیں۔ اب مٹی تیار ہوتی اور ڈرٹا آ کر اسے لے جاتے۔ اس کے قدر و قامت اور شکل و صورت سے ملتے ہوئے کاٹھ کے صندوق میں رکھ دیتے آنتیں الگ مرتباں میں رکھ لی جاتیں اور مٹی کے ہمراہ دفنائی جاتیں۔ اس سے کم گراں طریقہ یہ تھا کہ پہلو میں شکاف کرتے ز آنتیں باہر نکالتے۔ پچکاری کے ذریعے دیو دار کا تیل اندر داخل کر کے شکم بھر دیتے۔ مقعد کا سوزن بند کر دیتے تاکہ تیل باہر نہ نکلے۔ ستر دن تک لاش کو نظرون میں رکھتے۔ آخری دن دیو دار کا تیل خارج کر دیا جاتا۔ تیل اتنا تیز ہوتا کہ آنتیں وغیرہ مائع کی شکل میں بہہ جاتیں۔ نظرون گوشت کو بھی زائل کر دیتا۔ صرف کھال اور ہڈیاں رہ جاتیں۔ یوں مٹی تیار کر کے ڈرٹا کو سونپ دی جاتی۔ حنوط کا آخری طریقہ سب سے سستا تھا۔

اس میں بدن اندر سے صاف کر کے لاش کو ستروں تک لٹروں میں بھگوٹے رکھتے اور دُزخا کے حوالے کر دیتے۔

نامور یونانی سیاح ہیروڈوٹس نے پانچ سو سال قبل مسیح لاشیں محفوظ کرنے کے جو طریقے سپردِ قلم کئے وہ ہزاروں سال سے رائج تھے۔ مرد و زن سبھی کی مہیاں تیار کی جاتیں۔ پروہت میوں میں تعویذ رکھتے۔ پٹیوں کے اندر ذاتی استعمال کے زیورات، جواہرات اور قیمتی پتھر رکھتے۔ فرعون کا جنازہ بڑے اہتمام سے مقبرے تک لے جلتے۔ سب سے آگے خدام سروں پر سنگِ مرمر کے مرتبان اٹھائے چلتے۔ ان میں کھانے پینے کی چیزیں اور قیمتی مرہم ہوتے پیچھے پیچھے لوگ لکڑی کے لمبے لمبے صندوق لے آتے۔ ان میں مرنے والے کے زیورات اور ملبوسات ہوتے عورت ہوتی تو عطر دان، خوشبودان، زیبائش اور افزائشِ حسن کا سامان بھی ہمراہ ہوتا ان کے بعد چند آدمی بے پیہ کی گاڑی کھینچتے آتے جس میں چھتر والا مرتبان رکھا ہوتا۔ مرتبان میں مردے کی حنوط شدہ آستیں ہوتیں۔ اس کے آگے آگے چھوٹا پروہت خاموشی سے شدید چپتا اور فرعون کے حق میں کلمات خیر ادا کرتا جاتا۔ باقی پروہت حنوط شدہ لاش کے ہمراہ ہتے لاش چھتر والی پہیہ گاڑی پر دھری ہوتی۔ یہ گاڑی دوسری بے پیہ گاڑی پر جانی جاتی۔ پھوڑے پھوڑے وقفے کے بعد پروہت باواز بلند کہتے جاتے "امن و سلامتی سے ربِ عظیم کی جانب روانہ" ان کے پیچھے دُزخا و اعزرا اور اجاب ہوتے۔ پیشہ در عورتیں ہوتیں جو ماتم کرتیں، چھاتیاں بیٹھتیں، بال نوچتیں اور روتیں۔

مذہبی تقدس سے قطع نظر فراعنہ کے مقبرے زرد جواہر سے معمور ہوتے۔ چوروں کو کسی کی عاقبت سے سروکار نہ تھا۔ چوری ان کا پیشہ ٹھہرا۔ ایک مخطوطے سے پتہ چلتا ہے کہ چور مقبرے کے محافظوں سے مل جلتے اور چوری کرتے۔ چور اس قدر منہ زور ہو گئے کہ پروہت عاجز آ گئے واد کی فراعنہ سے جو مہیاں ملی ہیں بیشتر کو چوروں نے نقصان پہنچایا ہے۔ یہ ظالم چاقوؤں سے حیر پھاڑ کر پٹیوں میں سے سونے چاندی کے زیورات اور جواہرات نکال لیتے جاتے جاتے توڑے

یہ سوڑے ہوئے تابلوت جلا دیتے ایک جگہ سے ایک بازو ملا ہے جو زرد جوہر سے لدا پھندا تھا۔ ظاہر ہے کہ چور جلدی میں مٹی کا یہ بازو ہمراہ نہ لے جاسکے اور وہیں پھینک گئے۔

بیسویں خاندان (۱۲۰۰ سے ۱۰۰۰ ق م تک) کے فراعنہ (رع موسیٰ سوم سے رع موسیٰ دوازدہم تک) اور اکیسویں خاندان (۱۰۰۰ سے ۹۲۵ ق م تک) کے فراعنہ کے عہد میں چوری کی وارداتیں بہت عام ہو گئیں۔ چوروں کے ہاتھوں ان فراعنہ کے مقبرے بھی محفوظ رہے جن کی یاد ابھی پر وہتوں کے ذہن میں محفوظ تھی نہایت مضبوط و مستحکم پہاڑی مقبرے میں اس کی تدفین، تدفینی ریتوں رسوں کی ادائیگی اور مردے کی عاقبت سنوارنے کی ذمہ داری پر وہتوں پر عائد ہوتی اور یہ سب کچھ انہی کے نزدیک ذہن کی اختراع تھی۔ اپنے دین کو خطرے میں دیکھ کر انہوں نے فراعنہ کی لاشوں کو چوروں کی دستبرد سے بچانے کی تدبیریں کیں۔ چور بڑی بے دردی سے میتوں کی بے حرمتی کرتے۔ شاہی قبرستان (نیکروپولس) کے پر وہتوں کو از سر نو میتوں کے لئے زرد جوہر اور قیمتی فرنیچر ہیا کرنا پڑتا اور بار بار پٹیاں باندھنی پڑتیں۔ میتیاں پھر بھی محفوظ نہ رہتیں۔ چوروں اور پر وہتوں کی یہ دوڑ آخر ختم ہوئی۔ میتوں کی تعداد بہت زیادہ تھی اور دیانتدار محافظوں کی تعداد بہت کم، ایک بار اگر ہی مسح کر دی جاتی تو فرعون کی ابدی زندگی کے امکانات یکسر معدوم ہو جاتے۔ بالآخر ایک رات انتہائی رازداری سے تمام محفوظ شدہ لاشیں جمع کر کے وادی فراعنہ میں لائی گئیں۔ تیسرے محفوظ شدہ لاشیں جمع کر کے وادی فراعنہ میں لائی گئیں۔ تیسرے محفوظ شدہ لاشیں فرعون عمون عوفس سوم کے مقبرے میں رکھی گئیں۔ فراعنہ ان کی بیگیاں، شہزادوں اور شہزادیوں کی میتیاں ایک چٹان کو اوپر سے پھاڑ کر بہت نیچے کر کے رکھ دی گئیں۔ سوراخ بند کر دیا گیا۔ ۱۸۷۱ء میں احمد الرسول (مصری) نے یہ راز معلوم کیا۔ میتیاں بھی مل گئیں۔

ان میتوں میں فرعون منفتاح (منفتاح) اور بعض دوسرے فراعنہ (حیط تیب سوط، عمون عوفس) کی میتیاں نہیں ملیں۔ منفتاح (۱۲۷۵ سے ۱۲۱۵ ق م تک) کے بارے میں مشہور ہے کہ ساحر اعظم سامری اسی کا نام لیا تھا۔ اسی فرعون کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تصادم ہوا، یہی فرعون

دربائے نیل میں ڈوب مرا۔ حال ہی میں فرعون منقار کی مٹی "تھی پیز" سے ملی ہے۔
 چوروں سے بچانے کے لئے میاں دو درتین تین جگہ منتقل کی جاتیں۔ پرورت ہر مٹی کے
 ساتھ اس کے نام کا پرزہ بھی رکھ دیتے اور ان مقبروں کا نام بھی لکھ دیتے۔ جہاں جہاں سے انہیں
 لایا جاتا۔ مثال کے لئے فرعون ریح موسیٰ سوم کو لیجیے۔ اسے تین جگہ دفنایا گیا۔
 دو فرعونوں طوطخ عمون اور عمون عوفس دوم کی میاں اپنے اصل تابوتوں سے ملیں اور جہاں
 سے ملیں وہیں رہنے دی گئیں۔

جب کبھی کسی ہرم سے کوئی مٹی برآمد ہوتی تو آمدھی کی طرح آنا نانا دنیا بھر میں خبر پھیل گئی۔
 عکاس، مصور اور نقاش جمع ہو جاتے اور ایک ایک چیز کی تصویر اتارتے، نقشے تیار کرتے، فہرستیں
 بناتے، اخبارات خبروں کا اجارہ لیتے۔ افتتاحی تقریب میں شرکت کرنے کے لئے دنیا بھر کے لوگ آتے۔
 طوطخ عمون کی مٹی صحیح و سالم ملی اور اس کے ساتھ دینے بھی برآمد ہوئے۔ طوطخ عمون کی مٹی اور
 دوسری مٹیوں نے مختلف سائنسی شعبوں کے کارکنوں کو اپنی جانب متوجہ کر لیا ہے۔ کیمیا دان، عضویات
 دان، معاشرتی بشریات کے عالم اور اشعاعی عمل کے ماہر، فراعنہ اور ان کے حنوط شدہ اجسام کی سائنسی
 اور تہذیبی حقیقت جاننے میں لگے ہیں۔ اب تک سینکڑوں حنوط شدہ اجسام مل چکے ہیں۔ آدین
 دور کے محققین کے راستے میں ایک رکاوٹ پڑ گئی جو بعد ازاں رفع ہو گئی۔ ہزاروں سال پرانے حنوط
 شدہ اجسام محفوظ و سلامت ضرور نظر آتے لیکن ان کی مینا د ختم ہو چکی تھی۔ پٹیاں کھولی جاتیں اور
 اعضاء چہرے پھاڑے جاتے تو یہ گلنے سڑنے لگتے۔ بعض مٹیوں کی حالت اس حد تک نازک تھی کہ
 انہیں چھوا بھی نہیں جاسکتا تھا۔ دراصل وہ مٹی ہو چکی تھیں۔ بھول کر ہاتھ لگایا اور وہ بکھر گئیں۔
 مہین مہین سفوف اڑنے لگا۔

پٹیاں باندھتے وقت لاشوں میں ہار، انگوٹھیاں، کنگن، بازو بند اور زرد جوہر رکھے جاتے
 انگلیوں پر سنہری خول چڑھائے جاتے۔ رب سے نیلی تہوں میں زرد جوہر کے خولوں میں مڑھے
 ہوئے نقش اور تعویذ رکھے جاتے۔ طوطخ عمون کی مٹی میں سے ۱۴۳ قیمتی تعویذ نکلے۔ یہ تعویذ

ایک سو ایک مختلف جگہوں میں رکھے ہوئے تھے۔

مہی کی پٹیوں میں لیٹی ہوئی اشیاء نکالنے کے لیے بڑی دشواری پیش آتی۔ بیشتر صورتوں میں پٹیاں کھولنا ممکن نہ تھا۔ ان میں گوند اور چکنے والے تیل ڈالے گئے تھے جو اب سیاہ پڑ گئے اور پتھر کر رہ گئے تھے۔ انہیں صرف چھینی کی مدد سے چھیل چھیل کر ہی الگ کیا جاسکتا تھا لیکن یہ طریقہ خطرناک تھا۔ اس سے سرب کچھ غارت ہو جاتا۔ علمائے بشریات سخت مشکل میں تھے۔ مہی ایسی تاریخی دریافت کے ضمن میں ان پر تحقیق کا دروازہ بند تھا۔ لاشعاعی مشاہدے سے ممکن تھا۔ لیکن بیشتر محققین کے پاس لاشعاعی آلات نہیں تھے اور پھر عجائب گھروں کے ناظم حنوط شدہ لاشیں پل بھر کے لئے بھی عمارت سے باہر نہ لے جانے دیتے۔ کون ان انمول خزانوں کو کسی کے حوالے کر سکتا تھا؟ آخر کار چھوٹی چھوٹی گشتی لاشعاعی تجربہ گاہیں معرض وجود میں آگئیں۔ ان کی مدد سے مہیوں کی چھان بھنگ ہونے لگی۔ ایک مہی کے بارے میں لاشعاعی مشاہدے کے بعد عجیب و غریب بات معلوم ہوئی۔ مدتوں سمجھا جاتا رہا کہ یہ ملکہ میفریج کے بچے کی مہی ہے لیکن وہ بندر کی مہی نکلی۔ اسی طرح لاشعاعوں کی مدد سے ایک حنوط شدہ لاش کی پیشانی پر ناگ کا نشان پایا گیا۔ ایک مہی کے ہونٹوں پر ٹھوس سونے کا قرص رکھا ہوا پایا گیا۔ یہ قرص رب الشمس کی علامت تھا۔ ایک مہی کی کھوپڑی کے پچھلے حصے میں ٹھوس مواد پایا گیا۔ دراصل دماغ خارج کرنے کے بعد ٹھنوں کے ذریعے جلتی جلتی رال اندر داخل کی گئی تھی جو بعد ازاں متحجر ہو کر رہ گئی۔

لاشعاعی تجربات سے جیلسازیاں بھی پکڑی گئی ہیں۔ جیلساز جانوروں کی میاں تیار کر کے اور پیٹوں میں لپیٹ کر بشریات دانوں کے ہاتھوں بیچ دیتے۔ انہوں نے ایک مہی کو نقلی بازو لگا دیا۔ بشریات دان تابوت دیکھ کر اس کا زمانہ تو متعین کر لیتے، لیکن اس میں رکھی ہوئی مہی کے بارے میں بتانا سکتے کہ یہ اصلی ہے یا نقلی۔ ہو سکتا ہے کہ تابوت پر مرد کا نام لکھا ہو اور اس میں عورت کی حنوط شدہ لاش رکھی ہو۔ صرف لاشعاع ہی ایک ایسا نیا ذریعہ ہے جس سے نہ صرف صنف کا پتہ چل جاتا ہے بلکہ مرد سے کی عمر بھی معلوم ہو جاتی ہے۔

عہدِ عتیق میں مٹی بنانے کا جو طریقہ مروج تھا اسے جاننے کے لئے اب پٹیاں اتارنے اور چیرنے پھاڑنے کی ضرورت نہیں۔ لاشعاع نے سارا مسئلہ حل کر دیا ہے :

میتوں کے مختلف نمونوں سے ایک بات معلوم ہوئی ہے قدیم تر لاشوں کی آنتیں صاف کرنے بعد چھتر وار مرتبانوں میں رکھی جاتیں اور مرتبان مقبرے میں مٹی کے ساتھ ہی رکھ دیئے جاتے۔ بعد میں یہ طریقہ ترک کر دیا گیا۔ اب آنتیں صاف کر کے کپڑے میں لپیٹی جاتیں اور لکڑی کے براؤے میں رکھ کر پیٹ میں رکھ دی جاتیں۔ اصل آنکھوں کی جگہ مصنوعی آنکھیں لگائی جاتیں یہ سب کچھ لاشعاعوں کی مدد سے دیکھا جاسکتا ہے۔ اب تو امراض اور ضربات کا بھی کھوج لگایا جاسکتا ہے۔ اس سلسلے میں طبی تحقیق کا ایک نیا شعبہ کھل گیا ہے۔ بعض امراض کے متعلق گمان کیا جاتا تھا کہ یہ عہدِ حاضرہ کی پیداوار ہیں اور ماضی میں ناپید تھے لیکن حنوط شدہ لاشوں کے مشاہدے سے یہ نظریہ غلط ثابت ہو گیا نئی ٹیکنیک سے طب کی تاریخ میں ایک باب بڑھ گیا ہے۔ ذات الجنب (نمونیا) درم زائدہ (اپنڈی سائٹس) پتھری، گردے کے درد وغیرہ کا سراغ ملا ہے۔

حال ہی میں طوطخ عمون کی لاش کا ایک سرے کیا گیا تو کھوپڑی پر ضرب کا شگاف دار نشان ملا جس سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا کہ اس کی موت دماغی سیلانِ خون (برین ہیوریج) سے ہوئی ہے۔

ایکسرے کے انکشافات سے علمائے بشریات کو بڑا فائدہ پہنچا ہے۔ پٹیوں میں کھونٹے سوئے تعبیر دل، نقوش اور زرد جواہر سے مردوں کی حیثیت اور ان کی دولت کا علم ہوتا وہی فرعون جو زندگی بھر معمولی ایوان میں رہتا مرنے کے بعد اس کی دولت نہایت گراں مدفن میں اس کی حنوط شدہ لاش کے ساتھ دفنائی جاتی۔ اس کی لاش سے گدھ اور بھونترے کے نشانات ملے ہیں جن کا تعلق مذہبی طور پر شمس اور قمری قزحوں سے ہوتا۔ پاتال دیوا دسائی ریس کا نشان بھی ملا ہے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ پاتال میں فرعون کا خیر مقدم کیا جائے۔ ماتھے پر قیمتی پتھر سے تراشا ہوا ناگ اس لئے رکھتے کہ وہ پاتال کے خوفناک اثر و ہول کی دستبرد سے محفوظ رہے۔

فرعون کے ذاتی زرد جواہر پورے بدن میں جگہ جگہ پیٹوں میں کھونٹے جاتے۔ پیٹ کی

پیٹوں میں سے سونے اور قیمتوں پتھروں کی انگلیٹھیاں ملی ہیں۔ بازوؤں پر کنگن اور بازو بندھے ہیں۔ ٹانگوں اور جانگھوں کے درمیان طلسمی نقوش اور خنجر پائے گئے ہیں۔ انگلیوں اور پنجوں پر سونے کے خول ملے ہیں۔ ٹخنوں پر پازیسس ملی ہیں۔

یہ غیر شفاف چیزیں باسانی ایکس رے سے نظر آجاتیں۔ یوں ساری پٹیاں اور صدف کی بجائے معلوم جگہ سے شکاف دے کر انہیں نکال لیتے۔ حنوٹ شدہ لاش محفوظ رہتی۔

ہر چیز نفاست اور ہنرمندی سے تیار کی گئی۔ ان سے پانچ ہزار سال پرانے ہنرمندوں کے جمالیاتی ذوق اور ان کی کاریگری کا پتہ چلتا ہے۔

ابھی تک تھوڑی سی حنوٹ شدہ لاشوں پر لاشعاعی عمل کیا گیا ہے۔ یہ عمل بہت مقبول ہوا ہے اور زیادہ لاشیں زیر عمل آرہی ہیں۔

اس فرعون کی لازوال لاش نے علم و فن کو یکجا کر دیا ہے۔ اب علماء تحریری دستاویزوں اور لاشوں سے حاصل ہونے والی معلومات کا تقابلی مطالعہ کر رہے ہیں۔ اب زیادہ صحت سے عہد پارٹیہ کے بت پرستوں کے مذہبی عقائد، مذہبی آداب و رسوم، ان کی عبادات، روزمرہ کی زندگی اور تہذیب و ثقافت کے بارے میں آگاہی ہو رہی ہے۔ یہ آگاہی نکر انسانی کے ارتقاء کی تاریخ مرتب کرنے کے لئے ضروری ہے۔

”جب فرعون ٹوٹا موسیٰ سوم مر گیا تو اس نے کہا میں جینا رہوں گا۔ میں بڑھوں گا، بڑھوں گا۔ میں سکون سے جاگ اٹھوں گا۔ میں مسخ نہیں ہوں گا۔ میری انتہا یاں خراب نہیں ہوں گی۔ مجھے کسی خرابی کا شکار نہ ہونا پڑے گا۔ میری آنکھ ضائع نہ جائے گی۔ میری صورت زائل نہ ہوگی۔ میرا کان بہرہ نہ ہوگا۔ میرا سر میری زبان الگ کر کے نہ لے جائیں گے۔ میرے بال کاٹے نہ جائیں گے۔ میری بھنویں تراشی نہ جائیں گی۔ مجھے کوئی ذلت آمیز چوٹ نہیں لگے گی۔ میرا بدن مستحکم کیا جائے گا۔ یہ زمین پر گلے سڑے گا، نہ پامال ہوگا۔“

کتاب رفشکان



دیو مالا کا مطالعہ کیوں؟

جیٹ طیاروں اور خلائی جہازوں کے اس دور میں جبکہ آدی پچ سچ ستاروں پر
 کھنڈیں ڈال رہے اور اربوں نویری سالوں کے فاصلے ناپ رہے ہیں، مجھے دیو مالا کا ذکر
 قطعاً اجنبی نہیں لگ رہا کیونکہ بے چارہ ابن آدم کھجور سے گرا، بہول میں اٹکا ہے۔
 اس نے دیو مالا کے پھندے کاٹے تو صنعتی انقلاب کے پھندے سے گلے پڑ گئے یہ دوسرا
 پھندا تو اس نے اس طرح گلے میں ڈالا ہے کہ ذرا سا کسی نے جھنکا دیا تو کام تمام سچو سیانے
 کہتے ہیں کہ پھر چونتیس کر پڑ سال تک گڑھ ارض ویرانہ بنا رہے گا اور زندگی کے آثار کے
 لئے ماحول سازگار نہ ہوگا۔

ملاحظہ فرمائیے! آدی کو زندہ رکھنے، اسے بیماری سے چھٹکارا دلانے، عمر بڑھانے
 اور آرام و آسائش کے لئے دھڑا دھڑا عبادات ہو رہی ہیں۔ دنیا عجائبات اور نوادرات
 کا گھر بن رہی ہے۔ ادھر موت کو بھگایا جا رہا ہے۔ ادھر اسے اپنی طرف بلایا بلکہ لایا جا رہا
 ہے لہذا دیو مالا ایک مصیبت تھی تو صنعتی انقلاب دوسری مصیبت ہے۔ ابھی ایک
 مصیبت نے پوری طرح پھیچا نہیں چھوڑا تھا۔ کہ دوسری مصیبت گلے پڑی ہے۔ دیو مالا
 کا دور براب تھا۔ تو صنعتی فتوحات کا دور کونسا اچھا ہے؟ کوئی ایک بلا میں گرفتار ہے
 تو کوئی دوسری بلا میں اور کوئی دونوں میں گرفتار ہے۔

دیو مالا کا ذکر اس لئے کر رہا ہوں کہ جب اسلام اور قبل اسلام کے ادیان کا تقابلی

مطالعہ کریں گے تو حقیقت اور صداقت کی دریافت کے لئے دیومالا کی تخلیقی کارروائی، طرزِ عمل اور تاریخی حیثیت کو ضرور پرکھنا پڑے گا۔ سچ اور جھوٹ کا تبھی نثارا ہو سکے گا اگرچہ دیومالا قصہ کہانیوں کا مجموعہ ہو کر رہ گئی ہے۔ تاہم اس کے اثرات بڑی شدت سے اب بھی موجود ہیں۔ اسلام نے ڈھیر سارے کھیتوں سے اس کی فصل کاٹ پھینکی ہے۔ لیکن ساری فصل ابھی نہیں کٹی۔ بت پرستی۔ وھرتی پوجا، ناگ پوجا، لنگ پوجا اور زعم پرستی اب بھی صدیوں پرانے اسلوب میں ہو رہی ہے۔ مندروں میں بت رکھے جاتے اور گھنٹیاں بجا بجا کر بھوتوں کو بھگایا جاتا ہے۔ سستی کی وحشیانہ رسم جاری رکھنے پر اب بھی اصرار کیا جاتا ہے۔ آج بھی شومندروں میں لنگ پختے ہیں۔ مجاہد کبیر محمود غزنوی جب سومنات کے بڑے مندر میں داخل ہوا تو اسے یہ دیکھ کر سخت حیرت ہوئی اور اس کے حال یاقی ذوق کو زبردست دھچکا لگا کہ ایک بہت بڑا لنگ شومندر میں لٹکا رہا ہے۔ اس سے رہانہ گیا اور اس نے اسے تڑوا دیا۔ گنونا تا بھی متبرک جانور ہے۔ اس کا مقدس پیتھاب نوشن کیا جاتا ہے۔ یہ بھی دیوی ہے اور پختی ہے۔ عجل پرستی (پھڑے کی پوجا) اسی قبیل سے ہے۔

سوامی دیانند نے بڑا زور مارا۔ اسلام کے نظریہ توحید کا اثر و نفوذ کم کرنے کی غرض سے خدائے واحد کا تصور پیش کیا۔ اسلام کی نقل میں بھگوان کے ننانوے نام بھی گھڑ لئے۔ لیکن بت پرستی کا خاتمہ نہ ہوا۔ (اسلام سے متاثر ہو کر، اسلام کا ریلارو کینے اور ہندوؤں کو اسلام کے حلقے میں جانے سے باز رکھنے کی خاطر اسلامی تعلیمات کو اپنا کر بھگتی تحریک شروع کی گئی۔ برہمن سماج اسی فریب کی کڑی تھی۔ لیکن ہندو معاشرے نے بت پرستی ترک نہ کی۔)

دیومالا کے معاشرتی اثرات نہایت خوفناک تھے۔ اس کی بقا اور اس کے فروغ کی غرض سے وڈیرہ شاہی اور پیر وہت مرت (مذہبی اجارہ داری۔ پریٹ پٹ)

نے جنم لیا۔ ان دو اداروں کی فرماں روائی کا دورا بھی ختم نہیں ہوا۔ اس نے ہر دور میں عوام کو زیر و خستی کر کے رکھا۔ غلامی اس کا لازمی نتیجہ ہے۔

یونان میں فلسفیوں کی آمد سے دیومالا کے تار و پود تو منتشر ہوئے لیکن غلامی کی انسٹیٹیوشن برقرار رہی۔ افلاطون نے اپنی کتاب سیاست میں غلامی کو ریاست کے لئے ضروری جانا ہے۔

بصارت جہاں لاوینیت اور دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت قائم رکھنے کا ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے۔ وہاں تیرنگے تلے، بندے ماترم کے شور میں شور کو شہری حقوق سے محروم کیا گیا ہے۔ مسلمانوں اور سکھوں کو دوم اور سوم درجے کا شہری بنانے کی کوشش جاری ہے۔ طبقاتی اور ذات پات کی تمیز وہاں بہر حال بہ شدت پائی جاتی ہے اور ناقابل شکست لگتی ہے۔ ہند کے راج سنگھاسن پر اکتالیس برس سے برہمن براجمان ہے۔ دوسری ذات یا بچی ذات کا کوئی آدمی برہمن سے بڑھ کر کتنا ہی قابل وطن پرست اور ہر و لعزیز کیوں نہ ہو اسے راج سنگھاسن کے پاس بھٹکنے نہیں دیا جاتے گا کیونکہ اس طرح راج سنگھاسن بھرتھ ہو جائے گا اور سیکولرازم کے پاکھنڈیوں کا پول کھل جائے گا جو منوسمرتی اور ارتھ شاستر پر عمل پیرا ہیں۔

دیومالا برہمن کے دم قدم سے قائم ہے۔ جب تک برہمن ہے، مندر پر اس کا اچارہ رہے گا۔ دیومالا بھی سلامت رہے گی اور وڈیرہ شاہی بھی۔

دیومالا کی باقیات میں بے شمار توہمات، جن بھوت کی مخلوق، گنڈوں تعویذوں کا بیوپاز، ٹوٹے ٹوٹے، جنتر منتر انواع و اقسام کے عملیات اور سفلیات شامل ہیں۔ اسلام نے اس ساری خرافات کو مسترد کیا ہے اور اس کی جگہ نہایت معقول عبادت، مفید اور صحت ستھرا ضابطہ دیا ہے۔ وقت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم پانچ سات ہزار سال پرانی دیومالا کی بچی بچی فصل کو بھی کاٹ پھینکیں۔ اس کے لئے دیومالا اور اس کی باقیات کو جانا پہچانا

اور سمجھا بوجھا جلٹے۔ اس کی اصلیت، ماہیت اور حقیقت کو ٹھیک سے جانچا جائے تاکہ اسلام کی اساسی ضرورت اور اہمیت واضح کی جاسکے اور زیادہ عملگی اور اعتماد اور مدلل طریقے سے اسلام کی تسخیری طاقت کو کام میں لایا جاسکے۔

یہاں عام دیومالا کا بھی تذکرہ ہے۔ اور یونان کی دیومالا کے ارتقاء کا بھی، یونان کی دیومالا کے ارتقاء کا بیان بہت کارآمد ہے۔ اس سے پروہتوں، شاعروں، جادوگروں، وڈیروں اور ان کے حواریوں کی چال اور ان کے طریقہ واردات کا پتہ چلتا ہے۔ عوام کی گردنیں مارنے کے لئے سیانوں نے تخلیقی صلاحیت کے بل بوتے پر دیومالا کا حربہ گھڑا۔ عوام کے سر پر ہمیشہ تلوار لٹکتی رہی۔ علمی سطح پر دیومالا اور اسلام کا تقابلی مطالعہ کرنے سے ایک کا خود ساختہ اور دوسرے کا من جانب الہ ہونے کا معاملہ واضح ہو جائے گا۔

اسلام آج بھی اسی طرح تو انانی کمال زوال سرچشمہ ہے جس طرح آج سے پندرہ سو سال قبل تھا۔ اگر دل کے دیے اسلام کے نور سے روشن کئے جائیں تو باطل کے سارے چراغ بجھ جائیں گے۔

اسلام اور دیومالا

دوسرے حصے میں صرف ایک مقالہ بہ عنوان ”یونان کا عہدِ جاہلیت اور دیومالا کا ارتقاء“ شریکِ اشاعت ہے۔ اس طویل مقالے کے لئے مجھے کئی سال تک کام کرنا پڑا۔ جید علمائے بشریات، شاعروں اور تمثیل نگاروں کی تصانیف کا مطالعہ کرتا رہا۔ ریزہ ریزہ حقائق سمیٹتا رہا۔ اور پھر شیرازہ بندی کا آغاز کیا تو اس میں بھی خاصا وقت لگ گیا۔

یہ مقالہ فی نفسہ خاص افادیت رکھتا ہے۔ انگریزی ادبیات اور علم البشر سے خصوصی شغف رکھنے والے طلباء کے لئے اس میں بہت کچھ ہے۔ اسلام اور جادوگری کے تقابلی مطالعے کے ضمن میں اس کا حوالہ ضروری ہے۔

جاہلیت کے تین عہد میرے پیشِ نظر رہے۔ یونان کا عہدِ جاہلیت، مصر کا عہدِ جاہلیت اور عرب کا عہدِ جاہلیت، مصر کا عہدِ جاہلیت میری تیسری تالیف کا حصہ ہے۔ اس کا ذکر وہیں موزوں ہے۔ عرب کا عہدِ جاہلیت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد اور اسلام کے ظہور سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے پیورتِ زمیں ہو

گیا۔ اب کوئی شخص لات و منات اور بیل و عُزْیٰ کے بھونڈے پتلے گھر میں نہیں رکھتا۔ بچیوں کو زمین میں زندہ نہیں گاڑتا۔ نال نکلوانے کے لئے کاہن کے پاس دوڑا دوڑا نہیں جاتا۔ بت کے نام پر قربانی نہیں دی جاتی۔ اللہ کے سوا کسی سے مدد مانگی جاتی ہے۔ نہ کسی کو سجدہ کیا جاتا ہے۔ خواہ وہ سجدہ تعظیمی کیوں نہ ہو (اور اگر کوئی کلمیۃ یا جزواً اپنی صوابدید سے کفر و شرک کرتا ہے۔ تو اس کا یہ اقدام اسلام سے انحراف کے سوا اور کیا ہے؟)

عرب میں شعر و ادب، خطابت، فصاحت و بلاغت اور سخن شناسی کے بڑے چرچے تھے لیکن دیو مالا کا ویسا پیچیدہ اور وسیع نظام نہیں تھا۔ جیسا مصر، یونان، ہند اور عراق میں پایا جاتا تھا دوسرے ممالک میں جہاں بت گری، تعمیر و تصویر کے فنون اور دیگر علوم (نجوم، ہندسہ، کیمیا وغیرہ) نے ترقی کی اور اس کے شاندار نمونے آج بھی حیرت خیز ہیں وہاں عرب میں کم ہی ایسا ہوا۔ عاد و ثمود کے سالم پتھروں سے گھڑے ہوئے ایوان یقیناً بے مثال ہیں لیکن ان کے دیو مالائی گورکھ دھندے کا ذکر اتنا عام نہیں۔ زیادہ تر عرب کے شرک کا ذکر ہے۔ لوگ اللہ کے ساتھ بتوں کو بھی شریک عبادت کرتے تھے۔ بے سُری تماشیل اور بھونڈے بت گھروں اور کعبہ میں رکھتے تھے۔ اسلام کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے عرب کے عہد جاہلیت سے کسی قسم کا سمجھوتہ نہیں کیا۔ اسے یکسر مسترد کیا اور ۲۳ سال میں اسے نیست و نابود کر دیا۔ اسلام اس قوت اور شدت سے حاوی ہوا کہ عہد جاہلیت کے بت اپنے ہی بلے میں ڈھیر

ہو گئے اور کوئی ان کا نام لیوانہ رہا۔

رہی یونان کے عہد جاہلیت کی بات تو اس سے بالشراحت اور بالتفصیل یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ کس طرح فاتح قوم کے شاعروں ساحروں، پردہتوں اور دانشوروں نے مفتوح قوم کے ثقافتی کھنڈروں پر اس کے گچ گارے سے، سوچ کی اسی ڈگر پر چل کر وہ نیا ایوان تعمیر کیا۔ جس پر وہ نازاں ہوا۔ اس ایوان کا مصالحہ ہی نہیں اس کے اندر چکنے دکنے والے نگینے بھی مسروقہ تھے۔ ایک طرف تو فلک پرست آکیاڈوں — ہومر کی پرہیسی فاتح قوم نے علم و فن کے باب میں بھرپور طریقے سے مصر کی خوشہ چینی کی، اسکے دانشوروں اور معلموں سے استفادہ کیا، دوسری طرف مفتوحہ مگر ترقی یافتہ اور امن پسند دراوڑی قوم — زمین پرست پیلازرجیوں کی ثقافت اور دیومالا کو تہس نہس کر کے اسے مذموم انداز میں اپنی تخلیقات میں سمویا۔ جما کھول کر جھوٹ بولا۔ ہومر نے اس سلسلے میں بڑی فراخدلی سے کذب و افترا کے دفتر کھولے۔ مقالے میں اسے بالوضاحت بیان کیا گیا ہے — یہ حقہ ادبیات اور لیشریات کے طلباء کے لئے بالخصوص توجہ طلب ہے۔

ہومر کا رزمیہ اور ویسے بلاشبہ دنیا کی پہلی، بہت بڑی کہانی ہے اعلیٰ درجے کی مہاتی سرگذشت یا ناول ہے۔ لیکن یہ جھوٹ کا پٹارہ بھی ہے۔

پجوری اور سینہ زوری اور کذب بیانی کے واقعات و ڈیرہ شاہی اور پردہت مرت (پریٹ ہڈ) کے دور میں ہوئے۔ دین ساحری

کا دُجُود ہی پر وہتوں اور وڈیروں کے دم سے قائم تھا۔ انہی کے گٹھ جوڑ اور انہی کی ذہنی پیداوار تھا۔ پھر اسی سے پر وہتی، اجارہ داری اور وڈیرہ شاہی کو قیام و استحکام ملا۔ محققین نے اچھی طرح تحقیق و لفتیش کے بعد ڈھول کا پول کھولا ہے۔

خلات ازیں اسلام کسی گٹھ جوڑ، کسی سمجھوتے یا مصلحت کی پیداوار نہیں۔ اس نے بلکہ ان وڈیروں اور پر وہتوں ہی کا خاتمہ کیا جو اجارہ داریاں قائم کئے ہوئے تھے۔ جنہوں نے وڈیرہ شاہی اور پر وہتی اجارہ داری کو بچانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا، رسول اکرم اور آپ کے ماننے والوں کو طرح طرح کی اذیتیں دیں، وہ سب ظلم توڑے جو وہ اپنی سوچ کے ذریعے ایجاد کر سکے۔ ہر طرح سے پروپیگنڈا کرتے رہے۔ انہوں نے تحریص و ترغیب کے سارے حربے بھی آزماتے اور آخر میں رسول اکرم کے قتل کا منصوبہ بھی بنایا۔ لیکن اللہ نے اپنے آخری نبی کو ہر شر سے محفوظ رکھا، تبلیغ دیں، تکمیل دیں اور اس مشن کی کامیابی کے لئے پوری مہلت دی جو ابد تک کے لئے انسانوں کی بھلائی، فلاح دین و دنیا کے لئے لوح محفوظ پر رقم کیا تھا۔

اسلام کسی قدیم مسلک، فلسفے اور حکمت و دانش کے کھنڈروں پر استوار نہیں ہوا۔ اس کی اپنی اساس تھی۔ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بندے سے کچھ نہیں مانگا۔ آپ کی ذہنی تربیت خالق اکبر نے کی وہی معلم تھا۔ وہی ہادی تھا اور اسی کی بخشش ہوئی لازوال حکمت و دانش آپ کو ملی۔ آپ نکتہ شناس تھے اور بوجہ حرف شناس نہ تھے۔ اس زمانے میں مکے کے اندر چند لوگ (کفار) لکھنا پڑھنا جانتے

تھے۔ لیکن کون اس قابل تھا جو آپ کو لکھنا پڑھنا سکھاتا۔ پیغمبر اسلام کی فرارت لکھنے پڑھنے کی محتاج تھی نہ کسی لبشر کی تعلیم و تربیت کی۔ کسی شخص کو شرفِ معلّیٰ نہیں دیا جا سکتا تھا۔ کیونکہ اس طرح۔
۹۔ اور جنیٹی مشکوک ہو جاتی۔

ب۔ استاد کی نیت میں فرق آجاتا تو وہ اپنے شاگرد کے تشخص کو مجروح کرنے کے لئے دانستہ کفار کی تخریبی مہم میں شریک ہو سکتا اور بدگمانی پھیلا سکتا تھا۔

لہذا اپنے محبوب کی معلّیٰ کا فرض اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے ذمے لے لیا۔ نہ اللہ جیسا کوئی معلّم تھا، نہ محمد جیسا کوئی متعلّم۔ ایک موقع پر کفار نے الزام لگایا کہ آپ جبرِ مسیحی غلام کی باتیں سن کر اپنے الفاظ میں دہرا دیا کرتے ہیں۔ لیکن ایسا کیونکر ممکن تھا کون تریسٹھ سال تک کسی کو ایسی باتیں سنا سکتا ہے جو ایسی بے مثال ہوں کہ

۱۰۔ ان کے ذریعے ایک بندہ تو پیغمبر بن جلتے اور باتیں سنانے والا گمنامی کی موت مرے۔

ب۔ جن سے بندہ عللاً سراپا خیر بن جاتے۔

ج۔ جو کبھی کبھی غیب کی خیر دینے کی صلاحیت بھی پیدا کر دیں۔
د۔ جو بے مثال اور بروقت اپنی حربی فرارت سے کثرت و قلت کا صدیوں پرانا مستند اور محکم جنگی فلسفہ ہی بدل دے۔ ناقابلِ یقین فتوحات حاصل کرے۔

کفار کے بڑے بڑے لشکروں کو مٹھی بھر مجاہدوں سے تہس نہس

کروادے۔۔۔ اسلحہ، سامان اور اسباب کی فراوانی بیچ ہو کر رہ جائے

۵۔ جو غلام کو آقا کے برابر لانے کا سبب بنیں۔

۶۔ جو پانچ ہزار سالہ پرانا پروہت مدت اور ڈیڑھ شاہی کا تختہ اٹلنے کا موجب قرار دی جا سکیں۔

۷۔ جن کی بدولت کوئی شخص بہت پرستی، شراب خوری، جوابازی اور ایسی ہی معاشرتی برائیوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے جو لوگوں کی رگ و پے میں سرایت کر چکی تھیں اور ان کی بیچکنی کا امکان نہ تھا۔

۸۔ جو ۲۳ سال کی مدت میں صدیوں کی بگڑی ہوئی قوم کی عادتیں ہی نہیں اس کا مزاج، اس کا خمیر اور اس کے سوچ کی اساس ہی بدل دے۔

مشرکین مکہ رسولِ عربیؐ کا ایچ بگاڑنے اور آپ کے مشن کو ناکام بنانے کے لئے ہر قسم کی چالیں چلتے رہے۔ جبرِ مسیحی کا من گھڑت قصہ بھی ایک چال ہی تھی، لیکن دوسری چالوں کی طرح یہ بھی ناکام رہی۔ اس باب میں اللہ کی جانب سے یہ ترویجی آیہ کریمہ بھی نازل ہوئی

اور ہم جلتے ہیں کہ یہ لوگ (کفارِ مکہ) کہتے ہیں کہ

ایک شخص آپ کو آیاتِ قرآنی کی تعلیم دیتا ہے لیکن

جس شخص کی طرف اشارہ کرتے ہیں اس کی زبان عجی

ہے اور قرآن واضح عربی زبان میں ہے۔ (ترجمہ)

قرآن کی زبان فصاحت و بلاغت، معنویت اور جامعیت میں اپنا جواب

نہ رکھتی تھی۔ ایسی قادرِ الہامی اور جلال و جمال کی مثال ناپید تھی۔

دیدہ دلیری دیکھئے! یہ الزام اس قوم نے لگایا خود جس میں بڑے بڑے ادیب، بلند پایہ شاعر، شعلہ بیان خطیب، غضب کے سخن شناس اور نکتہ ور موجود تھے۔ انہیں چیلنج دیا گیا کہ جرأت ہو تو قرآن جیسی ایک آیت ہی لے آئیں۔

کوئی جبرمسیحی، کوئی شاعر اور خطیب اس چیلنج کا جواب نہ دے سکا۔ کفار کا پورا لشکر جو رسولِ عربی کے مقابل صف آرا تھا۔ رات دن آپ کے خلاف پروپیگنڈا کرتا۔ چار لفظی آیت بھی نہ پیش کر سکا۔ اس سے بڑا دنیا میں کبھی لسانی معجزہ رونما نہیں ہوا۔ کلامِ الہی اور حدیثِ رسولِ دونوں علم و ادب کا لازوال سرمایہ تھے۔ ان کا ہر جملہ جمالیاتی اور فنی اعتبار سے اس قدر اعلیٰ ہوتا، اس میں ایسی جامعیت اور معنویت ہوتی، حسنِ بیاں اور اسلوب ایسا پختہ ہوتا کہ لوگ کانوں میں روٹی ڈال لیتے۔ مبادا اسے سن لیں، وہ تیر کی طرح دل پر جاگے۔ اور انہیں اپنے بتوں سے منحرف کر دے۔ ایک سردار قبیلہ طفیل دوسی یونہی کیا کرتے تھے۔ پھر جب انہوں نے ہمت کر کے حضورِ اکرم کی زبان مبارک سے کلامِ الہی سن ہی لیا تو رہ نہ سکے۔ فوراً حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔ قرآن کا یہ معجزہ ہے۔ کہ اس کی ایک آیت، ایک جملہ دل کا کایا بدل دیتا ہے۔

ابو جہل جیسا دشمنِ اسلام بھی آپ کی زبان مبارک سے ادا ہونے والے کلمات کی تاثیر اور خوبصورتی کا معترف تھا۔ وہ مسلسل تین رات تک چوری چھپوایا آپ کے حجرے کے باہر بیٹھ کر کلامِ پاک کی تلاوت سنتا رہا۔ اس کے علاوہ ابوسفیان اور احنس تینوں ایک دوسرے سے

بے خبر الگ الگ بیٹھے تلاوت سنتے رہے۔ صبح کو روانہ ہوئے تو تینوں کا ایک دوسرے سے آنا سامنا ہو گیا۔ بہت شرمندہ ہوئے اور پھر ایسی حرکت نہ کرنے کا وعدہ کر کے اپنے اپنے گھر گئے۔ رات ہوئی تو پھر آپ کی آواز نے انہیں بیقرار کیا اور وہ کشاں کشاں، ایک دوسرے کو خبر دیئے بغیر حسب سابق آپ کے حجرے کے باہر تلاوت سننے کے لئے بیٹھ گئے۔ اگلی صبح بھی وہی کچھ ہوا۔ جو پہلی صبح کو ہوا تھا۔ پھر وہی وعدہ کیا لیکن تسیری شب بھی ان سے رہا نہ گیا اور وہ کلام پاک سننے چلے آئے۔ یہ اللہ کا کلام تھا۔ جسے ایسی قوم کے افراد میں نازل کیا گیا۔ ہر سال بالتواتر عکاظ کے میلوں پر شعرو سخن اور خطابت کے اکھاڑے جھاتے جو قصائد سب سے معلقہ سن کر اس درجہ مسحور و مخطوظ ہوئے کہ انہوں نے انہیں سنہری حروف میں لکھ کر کعبے پر آویزاں کیا۔ وہ قرآن کی آیات اور نبی اکرمؐ کے ارشادات سے حیران پریشان ہوئے کیونکہ یہ کلام ان کے ہر کلام سے منفرد و مختلف ہی نہیں بلکہ اس پر بے حد و حساب فائق بھی تھا۔ ان کی زبانیں گنگ ہو گئیں۔ سوچ جواب دے گئی۔ قریش مکہ کے بے بدل شاعروں اور دانشوروں کی بے بسی کا اندازہ کون لگاتے؟

یہ اللہ کا کلام تھا جو اس کے خاص الخاص حبیب کے ذریعے انسانوں تک پہنچا۔ اپنے پیارے حبیب کو کسی بشر کا شاگرد بنانا تخلیق خداوندی کے آئین کی توہین تھی۔ خود رسول اکرمؐ کا اپنا کلام بھی ہر بشر کے کلام سے برتر و افضل تھا۔ یہ بالکل نیا کلام تھا اور اس کے ذریعے ابد تک کے لئے ساری دنیا اور پوری مخلوق کو رشد و ہدایت

کی روشنی دکھانا مقصود تھا۔

دیومالا کے قصص اور اساطیری ادب کے نمونے بھی موجود ہیں۔ ہر قوم، ہر ملک کا ادبی اور مذہبی سرمایہ بھی کم و بیش موجود ہے۔ چاہو تو اسے کھنگال لو، دیکھو پرکھ لو اور پھر قرآن کا مطالعہ بھی کر لو۔ فرق معلوم ہو جائے گا۔ قرآن انشراح صدر کرے گا، اندھیرے چھٹ جائیں گے اور سیدھی راہ صاف نظر آئے گی۔

نبی نوع انسان کی بہتری کے لئے اس سے بہتر کوئی کلام نہیں یہ کل بھی معجزہ تھا، آج بھی معجزہ ہے، آئندہ بھی معجزہ رہے گا۔ اسلام کے فکری اور عملی نظام نے ماضی کے تمام نظاموں، تمام فلسفوں اور حیلوں بہانوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا کیونکہ یہ سب وڈیروں، ان کے حواریوں، پٹواریوں اور پروہتوں نے صرف اور صرف اپنے مفاد کے لئے ایجاد کئے تھے۔ اجارہ داری اور آپس کی سودا کاری کے سوا ان میں کچھ نہ تھا۔ ان میں حکمران طبقے کے بے پایاں حقوق اور ان کی نگہداشت کا وافر سامان موجود تھا۔ عوام کے لئے غلامی، محسوس گھٹن اور موت کے سوا کیا رکھا تھا؟ مراعات و مفادات اوپر سے شروع ہوتے اور نیچے آتے آتے صفر ہو جاتے۔ مخلوق خدا تو خواب میں بھی ان مراعات و مفادات کی خفیف سے خفیف جھلک نہ دیکھ سکتی۔ یہ عوام کے خلاف بدترین سازش تھی جس کے ذریعے ان کا استحصال کیا گیا۔

اسی پروہت مت اور وڈیرہ شاہی کے گٹھ جوڑا سا کرشمہ تھا کہ فرعون رب الشمس کا بیٹا بن گیا اور کوئی اسکے آگے دم نہ مار سکا۔

اسلام آیا تو رسولِ عربی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے وہ بساطِ الٹ دی جس پر بے دریغ عوام کا خون بہایا جاتا۔ کھوٹے سکتے پاؤں تلے مسل دیئے اور ان کا چلن موقوف کر دیا۔ پردہتوں اور ان کے گھڑے ہوئے لافانی خداؤں کا سرکچل دیا۔ گھڑی کی سوئیاں الٹی گھوم گئیں۔ صدیوں پرانے استحصالی نظام کی کمر ٹوٹ گئی۔ مخلوقِ خدا کے لئے مراعات و مفادات کا سلسلہ نیچے سے اوپر جاتا اوپر جا کر کچھ نہ بچتا۔ اس طرح مساوات کا معاشی و معاشرتی نظام قائم ہوتا۔ ہر قسم کی غلامی کے بندھن ٹوٹ گئے۔ آدمی کا احترام بحال ہوا۔ گھٹن جاتی رہی۔ مال و دولت کی بجائے سرمایہٴ اخلاق و جہِ عزت شرف ہوا۔

ایک نیا ثقافتی اور معاشرتی انقلاب برپا ہوا۔ توانائی کا نیا سرچشمہ پھوٹا۔

یورپہ اساس بنا، پیوندی لباس مستحسن قرار پایا۔ اس کے آگے کھنڈاب و زلفت کے ملبوسات، قالینوں اور فالپچوں کے فرش، سُہور کے پھونے، سیم و زر کے تاج اور تخت بیچ ہو کر رہ گئے۔ جنس کی ظاہری چمک دمک اور خوبصورتی کی بجائے اس کی اصل انادیت اور باطنی وصف پر زور دیا گیا۔

اسلام کو دینے کے لئے ماضی کی جھولی میں کچھ نہ تھا۔ ماضی کے آدیان — دینِ ساحری اور دیومالا کے سارے نظریات اور مسلک کچی اور خود ساختہ بنیادوں پر کھڑے تھے۔ یہ بنیادیں ٹوٹ پھوٹ گئیں نئی بنیادیں فراہم کی گئیں۔ اسلام نئی قوت توانائی کا نیا سرچشمہ، ہر تصنع سے میرا نیا جمالیاتی ذوق، نئی انقلاب آفرین سوچ، آسان اور

قابلِ عمل فارموسے لے کر آیا تھا۔ اسلام فلسفہ نہیں، ایک مثبت تعمیری پروگرام تھا جو زندگی کے تمام تقاضے بطریقِ احسن پورے کرتا تھا۔ یہ درست ہے کہ ہم نے اسلام کو ترک کر کے مغرب کے تصنع چمکتے دیکتے جھوٹ اور مہلک تہذیب کے اثرات قبول کئے ہیں تاہم ہماری بد اعمالی سے قرآن و سنت کی صداقت پر کوئی حرج نہیں آتا۔ یہ امر قابلِ افسوس ہے کہ ہم بد عملی کا شکار ہیں۔ بہر حال ہماری زندگی کے حوالے سے اسلام کی قدر و منزلت کا تعین نہیں ہو سکتا۔ اس کا حوالہ تو قرآن اور نبی کی سنت ہے جو صدق و صفا، جسم و جاں کی پاکیزگی اور ہدایت کا لافانی ذریعہ ہے۔

جب بھی ہم نے سچے دل سے قرآن و سنت کو قبول کیا، ان پر عمل کیا، سرفراز و سر بلند ہوئے۔

بوریہ نشینی بڑی چیز ہے۔ بوریہ بہر طور قالین سے

بہتر ہے، بوریہ نشین تاجدار سے افضل ہے۔

اسلام اخلاق اور روحانی، دینی اور دنیوی فلاح کا ضامن ہے۔ ہر خیر العمل عبادت ہے۔ اسلام کے ضابطہٴ حیات سے جو فوائد حاصل ہوتے ہیں وہ دنیا کے کسی نئے اور پرانے، مروجہ اور معدوم مسک و مذہب میں سرے سے موجود ہی نہیں۔ اسلام کے آئین و قوانین، روزمرہ کے معمولاتِ حیات، اطوار و افعال میں جو سہولتیں ہیں وہ اور کہیں نہیں یہاں کوئی راز نہیں، سیرت نہیں، راستے کھلے ہیں۔ اگر کہیں کسی معاملے میں رکاوٹ ہے تو وہ مفاد پرست اور مجھولے بھٹکے لوگوں نے کھڑی کی ہے۔ اسلام کی اساسی دستاویز قرآن مہل اور سادہ ہے۔ اس کی

دفعات اور تعلیمات نظرت کے مطابق ہیں۔

اسلام نے دین کو آسان جمہوری قدر بنا دیا ہے، اجارہ داری سے پاک ہے۔

دیو مالا، دیو مالا سے نکلی، نظامِ گھٹیا سے بڑھیا کی طرف قدم اٹھے لیکن یہ سب جھوٹ تھا۔ جھوٹ نے جھوٹ کو جنم دیا۔ یونان کے عہدِ جاہلیت کا جھوٹ زمین سے پاتال تک اور ہومر کے عہد کا جھوٹ پاتال سے آسمان تک گیا۔ یہی فرق تھا پرانی اور نئی دیو مالا میں، نئی دیو مالا کا پیمانہ بھی بڑا تھا۔ اور اس کی سچ دھج بھی بڑی تھی۔ تجدید اور ارتقاء کے عمل میں بڑھ چڑھ کر جھوٹ بولا گیا۔

اسلام کسی نوع کے جھوٹ، ایجاد و اختراع اور ترمیم و تجدید کا محتاج نہیں۔ یہ سراسر گھٹیا سے انتہائی بڑھیا کی طرف ٹھوس اور جاندار اقدام تھا۔ یہ اول و آخر، ابتداء سے انتہا تک ایک مستقل دائمی قدر ہے۔ اس کا تعلق قطعاً دینِ ساحری سے نہیں۔ اسلام سے قبل الہامی کتابیں نازل تو ہوئیں لیکن علاقے یہود نے ہیکلوں میں بیٹھ کر ایک صدی تک چپ چاپ اور مسلسل ان میں تحریف کی، اپنے غلط سلط مگر پسندیدہ افکار و نظریات ان میں شامل کئے۔ خدا پر اپنے نظریے کے مطابق رنگ چڑھایا۔ عزیز اور عیسیٰ کو اس کا بیٹا بنایا۔ باپ کے کنبے میں بیٹیاں بھی شامل کیں۔ اس تحریف و تنسیخ کے عملِ پیہم سے ماضی کی الہامی کتابوں کی اصلیت اور اناویت جاتی رہی۔ پیغمبروں کا تشخص بھی واغدا ہوا۔ قرآن نے حقیقت بیانی سے کام لیا اور پرانے قصص کو صحیح رنگ

میں پیش کیا۔ پیغمبروں کی ذات کے بارے میں جو غلط سَلَط روایتیں گھڑی گئی تھیں ان کی تصحیح کی گئی۔ حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں ایک واقعہ یہاں بیان کیا جاتا ہے۔

۵۔ نبوت کا ذکر ہے۔ مکے کے مشرکوں نے مسلمانوں کو اتنی اذیتیں دیں کہ حالت ناقابل برداشت ہو گئی۔ آپؐ نے حکم دیا کہ مسلمان حبشہ چلے جائیں جس سے تجارتی تعلقات قائم تھے چنانچہ مسلمان حبشہ چلے گئے۔ کفار کو علم ہوا تو انہوں نے مسلمانوں کا ان کے شکنجے سے نکل جانے کا خطرہ بھانپ لیا۔ وہ تو یہی چاہتے تھے کہ مسلمان ان کی گرفت میں رہیں اور وہ ان پر ظلم توڑتے رہیں تاکہ وہ نئے مذہب، (اسلام) سے منہ موڑ لیں، دوبارہ مشرک ہو جائیں۔ اپنی ہرٹ پر قائم رہیں تو انہیں ہلاک کر دیا جائے چنانچہ کفار نے عمرو (AMR) بن عاص (بزمانہ کُفْر) اور عبداللہ بن ابی ربیعہ کو پیچھے بھیجا تاکہ مسلمانوں کو وہاں سے نکلوائیں اور واپس مکہ لائیں۔ یہ لوگ اپنے ساتھ نادر تحالف لے کر گئے جو انہوں نے حبشہ کے فوجی کمانڈروں، پادریوں اور درباریوں میں تقسیم کئے۔ انہیں کہا کہ بادشاہ پر دباؤ ڈال کر مسلمانوں کو حبشہ سے نکلوا دیں کیونکہ یہ قریش مکہ کے باغی ہیں۔ باپ دادا کا صدیوں پرانا مذہب ترک کر کے نیا مذہب لاتے ہیں۔ یہ نیا مذہب عیسائیت بھی نہیں۔ یہ باتیں سن کر حبشہ کے بڑوں نے کفار کی منشاء کے مطابق اپنے فرماں روا اصم بن ابجر نجاشی تک معاملہ پہنچایا اور اچھی طرح اس کے کان بھرے۔ اسے قریش مکہ کے بھجواتے ہوئے تحالف بھی پیش کئے۔ جنہیں نجاشی نے قبول کر لیا۔ نجاشی نے مسلمانوں کو

دوبارہ میں طلب کیا۔ اور ان سے پوچھا کہ وہ کیا مذہب رکھتے ہیں۔ اس پر حضرت جعفر طیارؓ نے کہا۔

”اے بادشاہ! ہم وحشی تھے، بتوں کو پوجتے تھے۔ مُردار کھاتے تھے۔ بدکاریوں کے مرتکب ہوتے تھے۔ فطری رشتوں کی بے حرمتی کرتے تھے۔ مہمانوں سے بری طرح پیش آتے تھے اور طاقتور لوگ کمزوروں کو کھا جاتے تھے۔ پھر جب اللہ نے رسولؐ بھیجا تو اس نے ہمیں ایک خدا پر ایمان لانے اور اس کی عبادت کے لئے کہا۔ یہ بھی فرمایا کہ ان پتھروں اور مورتیوں کو چھوڑ دین جنہیں ہمارے آباؤ اجداد پوجتے تھے۔ جرائم اور خونریزی سے باز رہیں۔ رسولؐ نے ہمیں سچ بولنے، رشتہ داروں کا خیال رکھنے اور مہمانوں کو تواضع کرنے کی تاکید کی۔ بدکاری، جھوٹ بولنے، یتیموں کا مال کھانے اور پاکباز عورتوں پر تہمت لگانے سے منع کیا۔ یہ حکم بھی دیا کہ ہم خدا کی عبادت کریں اور کسی بت کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں۔ صدقہ دینے اور روزہ رکھنے کو بھی کہا۔“

”ہم اللہ کے رسولؐ پر ایمان لائے۔ ایک خدا کی عبادت کرنے لگے کسی

کو اس کا شریک نہ ٹھہرایا۔ اس پر ہماری قوم نے ہم پر ظلم توڑے اور ہم سے

کہا کہ خدا کی عبادت ترک کر کے پھر سے بتوں کی عبادت کرنے لگیں۔“

”جب انہوں نے ہمارا جینا دو بھیر کر دیا تو ہم آپؐ کی پناہ میں چلے آئے۔“

اس کے بعد نجاشی کی فرمائش پر حضرت جعفر طیارؓ نے چند آیاتِ قرآنی بھی سنائیں جنہیں سن کر وہ اور اس کے پادری اشکبار ہو گئے۔ پادریوں کے ہاتھوں میں پکڑے ہوئے صحیفے ان کے آنسوؤں سے بھیگ گئے۔ نجاشی نے مسلمانوں کو پناہ میں رکھنے کا اعلان کیا اور قریش مکہ کے نمائندوں کو چلے جانے کا حکم دیا۔ کفار دوبارہ سے چلے

تو گئے لیکن سخت پریشان ہوئے۔ سوچتے رہے کہ اب کیا تدبیر کریں تاکہ مسلمان جیشہ سے نکالے اور مکہ واپس لائے جائیں۔ بالآخر عمر و بن عاص کو ایک بات سوچی۔ وہ اگلی صبح دربار میں پہنچا اور اس نے نجاشی سے کہا کہ ابن مریم کے بارے میں مسلمان خوفناک باتیں کرتے ہیں انہیں طلب کیا جائے۔ مسلمان اس نئی شرارت پر سخت گھبراتے لیکن انہوں نے کہا، پروا نہیں۔ جو کچھ ہمیں ہمارے ہادی برحق نے بتایا ہے وہی ہم نجاشی کے گوشس گزار کریں گے۔ چنانچہ جب دربار میں پہنچے اور ان سے ابن مریم کے بارے میں اظہار خیال کو کہا گیا تو حضرت جعفر طیار نے کہا۔

” وہ اللہ کے بندے، اس کے رسول، روح اور کلمۃ اللہ تھے جو رحمتوں والی مریم کے شکم میں اتارے گئے“

یہ سن کر نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور کہا ”خدا کی قسم! مسیح ابن مریم کے بارے تم نے جو کچھ بتایا ہے وہ اس تنکے سے ذرا کم یا زیادہ نہیں۔“

اس واقع سے واضح ہوا کہ

۱) عیسیٰ خدا کے بیٹے نہ تھے (سورہ اخلاص میں تطہیت سے کہہ دیا گیا ہے کہ اللہ ایک ہے، نہ اسے کسی نے پیدا کیا، نہ وہ کسی کا باپ ہے۔)

۲) مریم عقیقہ تھیں۔

۳) دیوناںالا۔ بت پرستی اور شرک کسی طرح بھی قابل قبول نہ تھے اسلام سے ان کا قطعاً کوئی تعلق نہیں۔

۱۲ اسلام کی حقانیت نے اصم بن ابجر بنجاسی کو متاثر کیا (نجاشی
 معترف تھا کہ محمد عربیؐ وہی رسول ہیں جن کے نزل کی بشارت یسوع
 مسیحؑ نے دی ہے)

الغرض اسلام کا اپنا مزاج ہے جو مکہ میں بدلا نہ جیشہ میں۔ یہ
 مانگے مانگے کی چیز نہیں۔ کسی فرسودہ، گھسے پٹے، بوسے بھلے دین
 کی کوکھ سے برآمد نہیں کیا گیا۔ یہ قائم بالذات ہے۔ اللہ کی طرف سے
 نازل ہوا۔ اسی نے اس کی حفاظت کا ذمہ لیا اور اب یہ قرآن کے
 اوراق میں محفوظ ہے۔ اس کا ہر حکم قابل عمل ہے۔ اس کی افادیت
 روزمرہ کی زندگی میں جانچی اور تجربے کی کسوٹی پر پرکھی جا سکتی ہے
 یہ افادیت ہر شخص ہر حال ہر دور اور ہر خطہٴ ارض کے لئے
 ہے۔ زندگی کے ہر شعبے میں رہنمائی کرتا، ہر نوع کے معاشرتی
 معاشی، اخلاقی اور روحانی مسائل منطقی انداز سے حل کرتا ہے۔ اس
 سے بہتر حل موجود تھا، نہ موجود ہے۔ یہ بہترین ضابطہ ہے۔
 قرآن کے نزول کے ساتھ ساتھ آپؐ کی زندگی بعینہ اس کا
 نقشِ جمیل تھی۔ آپؐ زندہ قرآن تھے اور ہیں۔

خلافِ ازیں دینِ ساحری لے دے کے ایک شرعی صداقت ہے۔
 شاعروں نے اپنی تخلیقی اُتار کو حقیقت سے ماوراء رکھا، حقیقت سے
 دور رہ کر عجیب و غریب افسانے تراشے اور اسے اپنی ذات تک
 محدود کر لیا۔ اور اپنی ضرورت کی چیز بنا لیا۔ یہی کچھ ان سے بن پڑا
 انہیں مخلوقِ خدا سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ مخلوقِ خدا تو کیا انہوں نے اپنے
 خداؤں کو بھی تگنی کا ناچ بچایا اور انہیں تابعِ فرماں کیا کیونکہ یہ تو ان

کی اپنی شعری تخلیق تھے اور انہی نے انہیں لکڑی اور پتھر میں ڈھالا یا کاغذ پر اتارا۔ ان کی مورتیاں اور مورتیں (تماثیل) ان کے دائیں یا بائیں ہاتھ کا کرتب تھیں۔ دیوی دیوتاؤں کے قصص و لاپرواہی اور دلچسپ تو ہیں لیکن آدمی کے مسائل اتنے گھمبیر اور مشکل ہوتے ہیں کہ یہ قصص ان کا حل پیش نہیں کرتے۔ پھر ایسے قصے بھی ہیں جو آدمی کے اپنے ہی اطوار، محاسن و مصائب کو دیوی دیوتاؤں کے روپ میں پیش کرتے ہیں۔ عورتوں سے ناجائز تعلقات، عورتوں کا اغواء، ازدواجی تعلقات میں میاں بیوی کی بے وفائی، معرکہ آرائی، مہم جوئی اور دیگر اعمال و افعال جو آدمی کی زندگی سے تعلق رکھتے وہی دیوی دیوتاؤں کا معمول بھی تھے۔

اسلام کا دامن اس خرافات سے پاک ہے۔ کافر و مشرک نضر بن حارث جو ماضی کی حکایتیں اور داستانیں بیان کیا کرتا تھا۔ آپ کے اذکار و مواعد کو بھی ان حکایتوں اور داستانوں کے مترادف قرار دیتا تھا۔ چنانچہ وہ بھی رڈسائے کفار کی طرح ذلیل و خوار ہوا اور غزوہ بدر میں قیدی بنایا گیا۔ آپ کے ارشاد پر واصل جہنم کیا گیا آپ نے ابتداء ہی میں بت پرستی اور شرک کو رد کیا۔ آپ نے اور آپ کے پیروکاروں نے اس اقدام پر بڑے بڑے مظالم کئے۔ حضرت بلال حبشیؓ کا بدبخت مالک امیہ بن خلف ایذا رسانی میں انتہا کر دیتا۔ تپتی ہوئی ریت پر لٹاتا اور تپتا ہوا پتھر سینے پر رکھ دیتا۔ مشکیں باندھ کر لکڑی سے پٹینا دھوپ میں بٹھاتا۔ حضرت بلال حبشیؓ ہر حالت میں احد، احد پکارتے، کسی دیوی دیوتا کا نام زبان پر نہ لاتے۔

بتوں کو برا کہنے اور انہیں پوچھنے کی بجائے اللہ کی عبادت کرنے والوں کو ایسی ایسی انتہیتیں دی جاتیں کہ ان کا حال سن کر دل لرز جاتا ہے۔ لیکن اللہ کے نام میں کچھ ایسی کشش تھی کہ مسلمان اس سے منحرف نہ ہوتے۔

اسلام کسی پہلو، کسی طور دینِ ساحری اور اس کی دیومالا سے تعلق نہیں رکھتا۔ یہ تو اس کا قلع قمع کرنے اور اس پر آخری فیصلہ کن ضرب لگانے کے لئے نازل ہوا تھا۔

کوئی مسلک اسلام کا متبادل اور اس کے مساوی نہیں۔ اسلام کا

متبادل اسلام ہے۔

کم و بیش پانچ سات ہزار سال تک دینِ ساحری کو کھلی چھٹی ملی۔ اس دوران میں یہ خواب پھلا پھولا، اس نے خوب پر پرتے نکلے۔ خوب تلابازیاں کھائیں۔ پروہتوں اور وڈیروں نے مل کر اس کی آڑ میں اپنی ہر امنگ، ہر خواہش، ہر حرص پوری کی۔ کوئی ارمان تشنہ تکمیل نہ چھوڑا۔ پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ جب کوئی حسرت نہ رہی۔ فتوحات بے انت ہو گئیں۔ تو اللہ کی لامٹھی برسی اور اس کی کھر لوٹ گئی۔ اسلام کی ضرب نے اسے ہلاک کر دیا۔ ساحری کے طویل دور میں ہر قوم نے اپنے ملک کے جغرافیائی معاشرتی اور معاشی حالات کے مطابق دیومالا میں وضع کیں۔ اگر کوئی قوم اپنی دیومالا وضع نہ کر سکی تو اس نے حسبِ ضرورت کسی دوسرے دیس سے درآمد کر لی اور اسے بچھنیم یا ترمیم و تجدید کے بعد اپنا لیا۔

دیومالا کی تخلیق کچھ یوں ہوئی۔ آدمی نے شعور کی آنکھ کھولی تو اس نے گرد و پیش کا جائزہ لیا۔ جنگل، درندے پرندے، حیوانات، زمین ہوا، آندھی، بارش، دریا، سمندر، پہاڑ، آسمان، سورج، ستارے، سیارے سبھی کو دیکھا۔ سبھی پر سوالیہ نشان ثبت تھا۔ خود اس کی اپنی ذات بہت بڑا سوالیہ نشان تھی۔ وہ اس سوالیہ نشان سے پریشان ہوا اس نے سوچا، میں کون ہوں، یہ دنیا کیا ہے۔ مجھے اور اسے بنانے والا کون ہے؟

وہ زمین سے پیڑ پودے نکلنے دیکھتا۔ آسمان پر چاند سورج طلوع ہوتے دیکھتا۔ اسے قوت اور پراسرار طاقت (مانا) کے بے شمار چرٹے نظر آتے۔ بعض سر چرٹے اس کی عقل سے اوجھل رہے۔ بہر حال وہ کھوج میں لگ گیا۔ اسے خدا کی تلاش تھی۔ خدا کی تلاش میں نکلا تو اسے کتنے ہی خدا مل گئے۔ جوں جوں سوچتا، اس کی تخلیقی اہنج حرکت میں آتی، وہ خداؤں کی گنتی بڑھاتا چلا گیا۔ اس طرح اس کی قوت اور اس کے اثر و رسوخ میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔

افہنام کی تعداد ان گنت ہو گئی۔ کیسے کیسے خدا بناتے اور گھڑے گئے!

جوں جوں پردہ ہتوں اور ودھیروں کی ہوا واہوں بڑھی توں توں ترمیم و اضافہ ہوا۔ پھر بنی نوع آدمی کو وہ دن بھی دیکھنا پڑا۔ جب آدمی خدا کا بیٹا بنا، اوتار بنا آخر وہ آپ ہی خدا بن گیا۔

پر وہ بت نے ایک کو خدا بنایا۔ باقی مخلوق کمین ہو کر رہ گئی۔ ایک آدمی محترم ہوا۔ باقی ذلیل و خوار ہوئے۔

اس سے بڑھ کر اور کیا ذلت و ضلالت ہو گی؟
 تاریخی اعتبار سے دیومالا کے ارتقاء کی داستان آدمی کی تخلیقی اُچھ
 شرارت اور فریب وہی کا نہایت ہی دلچسپ کارنامہ ہے۔ اس کے
 مطالعے سے فکر اور تصور کی کرطیاں ملتی ہیں۔ تخلیقی عمل کے انداز اور
 تیور ملتے ہیں۔ جس زاویے سے بھی تخلیقِ جمال ہوئی اور شاعرانہ کمال
 کے نمونے سامنے آئے، ان کے اثرات دور رس ثابت ہوئے۔ آج بھی
 کہیں نہ کہیں، کسی نہ کسی کونے کھدرے میں اس کے دلاویز ریزے
 ادبیات میں جڑے ملیں گے۔ تخلیقی اُچھ نے جھوٹ کو دلپذیر بنا دیا،
 اسے خوبصورتی دی۔

دین سحری کے عہدِ عروج میں ڈھول پر جو تال بندھی، جو نغمہ
 نے بلند ہوا۔ دیو داسی کے رقصِ مستی نے جو زاویے اور خطِ قلب و
 نظر پر کھینچے، شاعری کے جو بول کانوں میں رس گھول گئے، وہ اب
 بھی اثر رکھتے ہیں۔ مصوری، نقاشی، کتابت، فنِ تعمیر اور دیگر
 علوم و فنون کے شعبوں میں جو باکمال لوگ پیدا ہوئے، ان کے شاہکار
 آج بھی حیرت خیز ہیں۔ فرعون خورج کا عظیم الشان مقبرہ اگر بیٹ
 پراڈا دیکھ کر آج بھی لوگ دنگ رہ جاتے ہیں۔ جادو مرچکا ہے
 لیکن علم و فن کے میدان میں اس کے کمالات زندہ ہیں۔ رزمیات
 تعمیرات، تصاویر، نقوش سب کچھ سیکولر ہو کر رہ گئے ہیں۔ ہومز
 نے جھوٹ بولا۔ پھر بھی اس کا شعر پر لطف ہے۔ آئی کی کس، سو تو
 کلینز اور یوری پیریز کے ڈرامے قابلِ قدر ہیں۔ ادب کے ارتقاء میں
 یونان کے ڈرامے اور تھیٹر کا بڑا مقام ہے۔ دیوتا مر گئے لیکن یونانی

تمثیل نگاروں کے سہ تہیلے (TRILOGIES) زندہ ہیں۔

الغرض دیومالا نے دیومالا کو، ریت نے ریت کو اور سحری فکر نے سحری فکری کو جہنم تو دیا لیکن یہ سب عارضی تماشا تھا۔ زیوس، ہیرا، ہی فیٹس، اپالو، افروڈائیٹی اور ساری لازوال ہستیاں مدت بالآخر ہوئیں، ان کی حکایتیں ادب کا کلاسیکی سرمایہ ہو کر رہ گئیں۔ دینی حیثیت سے رخصت ہوئی۔

پچھلے پانچ ہزار برس میں، الہامات کی سرزمین میں جو پیغمبر نازل ہوئے، وہ کم و بیش اتنا کچھ ہی کر سکے جتنے کے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے انہیں دنیا میں بھیجا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بت پرستی کی بیخ کنی کے لئے بڑا کام کیا۔ دین سحری کی سب سے بڑی عبادت، انسانی قربانی موقوف کی۔ آپ انبیاء و رسل کے قبیلے میں خاص مقام رکھتے تھے۔ آپ نے نسلِ آدم پر بڑا احسان کیا۔ لیکن پھر جادوگروں کا دور دورہ ہوا اور انسانی قربانی رائج ہو گئی۔

• ”جہاز کے وحشی عربوں کے یہاں دیوتا کی کوئی مورت نہ تھی۔ صرف ان گھڑ پتھروں کی ایک قربان گاہ ہوا کرتی تھی جس پر وہ ستارہ صبح (زہرہ) کے لئے کوئی انسان یا سفید اونٹ بڑی جلدی سے ذبح کیا کرتے تھے یہ قربانی طلوع آفتاب سے پہلے بظاہر بدیں وجہ ہوا کرتی تھی کہ وہ ستارہ اس عمل میں پیش نظر ہے۔ وہ مقام متبرک کے گرد بھجن گاتے ہوئے تین بار طواف کرتے۔ تب سرور قوم یا بوڑھا پجاری اس بھینٹ پر پہلا وار کرتا اور

بہائے گا، اس کا مال نہیں کھائے گا۔ اور اس کی عزت برباد نہیں کرے گا۔
 ۱۲) لوگو! جاہلیت کی ہر بات کو میں اپنے قدموں تلے پامال کرتا
 ہوں۔ (بدعات، توہمات، رُسومات، کفر و شرک، غرور تکبر، اونچ نیچ
 وغیرہ) ۱۵

۱۳) جاہلیت کے تمام جھگڑے ملیا میٹ کرتا ہوں۔

۱۴) جاہلیت کے زمانے کا سُود ملیا میٹ کرتا ہوں۔

۱۵) لوگو! تمہاری عورتوں پر تمہارا حق ہے اور تمہاری عورتوں کا تم
 پر حق۔ تمہاری عورتیں کسی غیر مرد کو اپنے پاس نہ آنے دیں۔ بے
 حیائی سے کنارہ کشی کریں۔

۱۶) عورتوں سے بھلائی سے پیش آؤ!

۱۷) میں تمہارے لئے اللہ کی کتاب اور اپنی سنت چھوڑے
 جا رہا ہوں۔ ان پر قائم رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔
 آپؐ ہخطیبہ ارشاد فرما چکے تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس
 کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

”آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی

نعمتیں تمام کر دیں اور تمہارے لئے دین اسلام پسند کیا۔“

اس کے بعد مسلمان دنیا بھر میں پھیل گئے اور انہوں نے کئی ارض
 کے گوشے گوشے میں علم و عرفان اور نور و ایمان کے چراغ روشن
 کئے۔ پھر انہوں نے بارہ سو سال تک سپر پاور بن کر مخلوق کی
 قیادت کی۔

دیو مالا کا شیزازہ بکھیر دیا۔ دیو مالا کو مٹایا تو دنیا کو وہ دین

دیا۔ جو من گھڑت تھا، نہ استحصال کا ذریعہ، نہ کسی کی ذاتی غرض کا پابند
 ہر نوع کے توہمات، مفروضات، قیاسات اور تعصبات سے یکسر مبرا تھا
 یہ تو ایک دائمی، سدا بہار نعمہ تھا۔ اس نے حسن و جمال کا ایسا دریا
 بہایا جس سے مخلوق خدا نے غسلِ صحت بھی کیا اور اس سے شفا سے کامل
 بھی پائی۔ اس میں دویرہ شاہی اور پردہتی اقتدار کے لئے کوئی گنجائش
 نہ رکھی گئی۔ اس کی غایت فلاح و بہبود اور تسکینِ قلب تھی۔ یہ اس کا
 اور کامل طور پر نسلِ آدم کی انفرادی اور اجتماعی بھلائی کے لئے بھیجا گیا
 اگر اسلام میں فی نفسہ انفرادی اور اجتماعی سر بلندی، قوت، توانائی
 فتح و نصرت، فروغ، اخلاقی و روحانی ترقی، خوشی اور خوشحالی کا بنیادی
 وصف نہ ہوتا تو معبدوں کے چالاک پردہت اور کاہن وال نہ گلنے
 دیتے۔ فرعون مصر آخن عطفون کے نئے فکر۔ نظریہ توحید کو رب
 عمون کے انہی پردہتوں نے اس کی زندگی میں ناکام بنا دیا۔ جنہیں
 اس نے بے درت و پاکیا تھا اور وہ چپکے چپکے سازشیں کر کے
 از سر تو بر سر اقتدار آگئے۔ انہوں نے اپنے متروکہ مندر دوبارہ آباد
 کر لئے۔

ہمیں اعتراف ہے کہ ہم اسلام کی صحیح و سادہ صداقتوں سے
 بہت دور ہو گئے ہیں۔ خدا پرستی ترک کر کے قبر پرستی میں مشغول
 ہو گئے ہیں۔ رزقِ سہل کے دروازے کھل جانے سے رزقِ حلال کی
 قدر و منزلت بھول گئے ہیں۔ مشرکانہ رسوم بھی اختیار کر لی ہیں۔
 کوڑ پتی اور ارب پتی بھی ہو گئے ہیں۔ اللہ اور رسول کا بتایا ہوا
 راستہ نظروں سے اوجھل کر بیٹھے ہیں۔ دویرہ شاہی بھی قائم کر لی ہے

اور دنیا میں ذلیل و خوار بھی ہو گئے ہیں۔ ہمیں معلوم تو ہے کہ اسلام کی تعلیمات پر چل کر ہم برسرِ اقتدار آسکتے اور دنیا کو راستی پر لا سکتے ہیں لیکن بد عملی اور بے عملی کا شکار ہیں۔ اس وقت مادی ترقی اور جمہوری مادرِ پدرِ آزادی نے مخلوقِ خدا کا سکون و قرار چھین لیا ہے۔ اگر ہم عملِ صالح کو نمونہ بنائیں۔ اور صدقِ دل سے نام نہاد مہذب ممالک میں تبلیغ دینا کریں تو وہ کامیابی حاصل کر سکتے ہیں جو تبلیغ دین کرپن تو کسی دوسرے طریقے سے ممکن نہیں۔ وہی لوگ جو ہمیں اقتصادی، غلامی میں جکڑے ہوئے ہیں۔ ہمارے گھرنے میں شامل ہو جائیں۔ ہم سرخرو ہو جائیں اور گمشدہ ماضی کا غرُوج حاصل کر لیں گے۔

یونان کا عہد جاہلیت اور دیومالا کا ارتقا

دیومالا کو بالعموم بے سرو پا داستانوں کا دفتر خیال کیا جاتا ہے۔ لیکن ایسا خیال کرنا سراسر عصیت اور حقیقت ناشناسی ہے۔ بشریات اور نفسیات کے ماہرین نے دیومالا کی تفسیر و تفہیم میں جس سنجیدگی اور وقتِ نظر سے کام لیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ علم و فن اور تہذیب و تمدن کا یہ مشعبہ کس قدر اہم ہے۔ یہی انسان کا پہلا تہذیبی کارنامہ ہے۔ اس کی علمی سوچ کا پہلا دین ہے۔ اسلام سے قبل کی فکری تاریخ اسی سے عبارت تھی۔

چند ہزار سال آدھر معاشرے میں دیومالا کا ہی سکہ رواں تھا اور یہ سحریاتی اقوال و اعمال کی جان تھی۔ قرآن کے قول کے مطابق عہدِ قدیم کا انسان دیومالا کی وساطت سے ہمارے لئے قابلِ فہم ہے۔ مدتوں انسانی شعور کے ارتقاء میں اسی کا عمل دخل رہا۔ اسی کی روشنی میں زندگی کے ضابطے مرتب ہوئے تمام اعمال و اشغال اور حرکات و سکنات اسی کے تابع رہیں

۱۔ EUETHEIA یا AGE OF IGNORANCE ڈاکٹر PREUSS اس

عہد کی نسبت URDUMMHEIT (ادانلی عہد کی حماقت) کا کلمہ استعمال کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو پروفیسر

گلیکٹر مرے کی تالیف FIVE STAGES OF GREEK RELIGION صفحہ ۳ مطبوعہ WATT & CO.

(تیسرا ایڈیشن) - ۲۰۔ ہم قبل تاریخ کے انسان کو ارتقاء کے مختلف مدارج میں ان بے جان یادگاروں

اور اوزاروں کے ذریعے جانتے پہچانتے ہیں۔ جنہیں وہ اپنے پیچھے چھوڑ گیا۔ ہم نے اسے فن کی نسبت اس کی

معلومات اسکے دین اور زندگی کے رجحان سے بھی جانا پہچانا ہے جن کا علم یا تو براہ راست ہوا ہے اور یا

پھر اس روایت سے جو دیومالا کے قصوں اور پریوں کی کہانیوں کی صورت میں زمانہ بہ زمانہ منتقل ہوئی۔ نیز

اس انداز فکر کے پچھے کھینچنے شناسا آثار سے جانا پہچانا جو ہمارے اطوار اور رسم و رواج میں موجود ہے

TOTEM AND TABOO صفحہ اول ترجمہ از جیمز کلرک ماکس ملر مطبوعہ ۱۹۰۵ء

دجلہ، قرأت اور نیل کی تہذیبوں کی طرح یونان کی دیومالا بھی حیاتِ انسانی کا ایک تابناک درق ہے۔ اگرچہ مصر کے استادوں اور فلسفیوں ہی سے حکمائے یونان نے علمی، تہذیبی اور دینی ساحری کا سرمایہ بیٹھا۔ تاہم مصر کے علم و فن کے خزانوں سے جو حاصل کیا اسے اچھی طرح سمجھالا، اس سے پوری طرح فائدہ اٹھایا اور اپنے یہاں تہذیب و تمدن کے چراغ روشن کئے۔

دورِ فلسفہ سے قبل دیومالا ہی یونان میں سب کچھ تھی۔ اسی سے یونانیوں کے ثقافتی مسائل روزمرہ کے معمولات، انفرادی اور اجتماعی چلن اور علم و فن کی لگن کا راز کھلتا ہے، ان کی ذہنی ارجح کا سراغ ملتا ہے۔ ممکن ہے کہ باوی النظر ہیں دیومالا دفترِ بے معنی معلوم ہو سکیں تحقیقی آنکھ سے دیکھیں، اسے اچھی طرح جانچیں پرکھیں اور کھنگالیں تو یہ ہمیں انسانی شعور کے ارتقائی سلسلے کی بنیادی کڑیاں فراہم کرے گی۔ یہی دفترِ بے معنی انسانی سوچ کا ابتدائی اثاثہ ہے۔

حسن، صداقت اور عقیدت

دیومالا جاو اور ریت کی پیداوار ہے۔ ذہن انسانی کے ارتقائی سفر کی ناگزیر منزل ہے۔ اس کی اصلیت جانے بغیر بشریات کا مطالعہ اوصو رار ہے گا۔ نیز زندگی کے نہایت اہم اور پیچیدہ امور پر پورے پورے رہیں گے۔ یہ تب کی بات ہے۔ جب ابھی انسان کے گرد و پیش پھیلی ہوئی وسعتیں ناقابلِ فہم تھیں۔ علم و عرفان کے وہ اکتسابی وسائل ناپید تھے جو

۱۔ لارڈ RAGLAN اپنی تالیف DEATH AND REBIRTH میں رقم طراز ہیں۔ "دیومالا کبھی من گھڑت نہیں ہوتی بلکہ کسی حقیقت کی کہانی ہوتی ہے۔ جسے سچ سچ کے انسان عملاً پیش کرتے یا کرچکے ہوں۔ دوسری طرف یہ کبھی تاریخی حیثیت نہیں رکھتی کیونکہ یہ ہمیشہ کسی حقیقت کی کہانی ہوتی ہے جسے ایک بار نہیں متعدد بار دہرایا گیا ہو۔ دیومالا اور ریت کا ایک دوسرے سے چونی و امن کا ساتھ ہے۔ ریت سحر پاتی تمثیل ہے۔ اور دیومالا اس کے بیان کی کتاب تمثیل کھیلنی بند ہو جائے تو اکثر یہ کتاب سچ رہتی ہے" بحوالہ A GUIDE TO RELIGIOUS CONTROVERSY مولفہ HECTOR

آج پافسادہ ہیں۔ ایسے میں فطرت پہلی بن گئی اور کائنات پر اسرارِ قوتوں کا گہوارہ، بصارت کی کچی اور کوتاہی بصیرت کو فریب دے گئی۔ انسان جذباتی، جہلی اور شعوری پونجی لے کر غلط راہوں پر غلط منزل کی سمت رواں ہوا۔ اس نے کارخانہ حیات اور نظامِ فطرت کو عجیب و غریب انداز سے سمجھا۔ یہ انداز سحر بانی تھا۔ انسان نے ذرے ذرے میں بے پایاں قوت متصور کی اور اسے "ماتا" کہا۔ اس نے مظاہرِ قدرت کو قابلِ فہم بنانے اور ان تک رسائی پانے کی غرض سے انہیں خداؤں کے روپ میں ڈالا۔

یہ عمل لاکھ فریب آلودہ ہی، تاہم وافر فریب تھا۔ انسان نے اسی میں صداقت تلاش کی۔ یہ صداقت کتنی انوکھی اور جہلی معلوم ہو لیکن مقدر تھی اس میں انسانی جبلت، جذبہ، احساس شعور، بصارت اور بصیرت نہایت دیانت داری سے کار فرما تھی۔ آدمی نے اپنے عہدِ طفولیت میں نہایت دیانت داری سے غلطی کی۔ اسے اپنی غلطی محسوس بھی نہ ہوئی، وہ ذہنی اور بدنی طور پر فطرت سے براہِ راست قریب بلکہ متصل رہا۔ اسی لئے غلطی کرنے پر معصوم تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ اس حسین فریب کے سوا چارہ نہ تھا۔ اسی فریب اور غلطی کے باعث فریزر نے اس غیر سائنسی شعبہ معاشرت یعنی سحر و طلسم کو "سائنس کا حرامی بچہ" کہا اس سے ان اقوام و قبائل

۱۔ مانا یعنی سحری قوت جاندار اور بے جان سمجھی میں ہوتی۔ اسی لئے قدیم قبائل کے نزدیک جاندار اور بے جان میں کوئی فرق نہ تھا۔ RELIGIOUS CONTROVERSY صفحہ ۱۲۲

۲۔ "مجھے یقین ہے کہ اکثر خوب بعض۔ حاطوں میں منطوق اور تجربہ رہ جلتے ہیں۔ تو عملاً مذہب سے رہنمائی ملتی ہے۔ مذہب کے لئے یہ بہت بڑا کام رہ گیا ہے۔ لیکن مذہب کے باب میں دو باتیں یاد رکھنی چاہئیں کہ غلطی کا کلام بہت زیادہ بلکہ قریب قریب غیر محدود ہے۔ پھر جب بالیقین غلطی کی جائے تو نتائج بڑے ہولناک ہوتے ہیں۔ غالباً ابن آدم کی پوری تاریخ شاید ہے کہ دنیا میں شائستہ لوگوں نے مذہب کے نام پر بدترین کام کئے اور میں نہیں سمجھتا کہ اب یہ سلسلہ تمام ہو گیا ہے۔"

کی فکری کاوش کے باب میں ذم کا پہلو نہیں نکلتا جنہوں نے اسے جنا اور پروان چڑھایا۔^۳ سمجھ کے اس پھیر پر انہیں مطعون کرنا بجا نہیں۔ انہوں نے جو کچھ کیا اپنی عقلی بساط کے مطابق کیا۔ تہذیبی اعتبار سے ان کی دریافت اور ان کا طرز عمل لائق تھی۔ گویا وہ کے قریب و جوار میں مذہب نے کروٹ لی۔ کچھیں مذہب بالخصوص اسلام نے جاو اور دیومالا کا طلسم توڑا۔ ان کے خداؤں کو چیت کیا۔ لوگوں کو نئی ڈگر پر ڈالا۔ کہیں ریتوں رسموں کے معاملے میں جاو اور مذہب شہر و شکر رہے۔ تاہم جاو اور دیومالا مٹنے سے قبل دنیا کو ثقافت کا بہت بڑا خزانہ سونپ گئے۔ انہی کی وساطت سے بعض ثقافتی علوم و فنون کی براہ راست بنیاد رکھی گئی اور انہیں مستقبل حیثیت ملی۔ ثقافتی شعبوں کی بنیادی تشکیل بلکہ قابل قدر حد تک ترقی انسانیت کے عہد طفولیت میں ہوئی جب شعور و حسد لایا ہوا اور توہمات سے معمور تھا۔

رزمیہ اور صمیمہ داستانیں شعور کی آنکھ کا اجالا ہیں۔ ڈرامے اور ٹھیٹر کی روایت کئی ہزار سال پرانی ہے۔ رقص و موسیقی بھی عہد توہم کی ایجاد ہیں۔ سنگ تراشی، فن تعمیر، مصوری اور کوزہ گرمی دیومالا کے معتقدین کی نشانیاں ہیں۔ سحر پرستوں کا جمالیاتی ذوق اور اق جہاں پر معبودوں بتوں، خشتوں، ستونوں، ایوانوں اور گلی کوزوں کی صورت میں بکھرا پڑا ہے۔ کوزہ گرمی کی مدد

۳۔ "جاو و قانون قدرت کی تفہیم کا جبلی نظام اور دستور حیات کا غلط راہ تباہ ہے۔ یہ گمراہ کن علم اور ناقص فن ہے" THE GOLDEN BOUGH صفحہ ۱۱ مطبوعہ میکسین اینڈ کمپنی ۱۹۴۹ء

۱۔ اسلام نے دیومالا کی کثرت کو روک دیا۔ اور وحدانیت کا انقلاب آفرین تھیل دیا۔ زعم پرستی اور بت پرستی کا استرواد کیا۔ ویسے پہلی سطح پر کوئی اور دیومالا کے اثرات قبچہ سے کا ملا محفوظ نہ رہا جہاں ضعیف الاعتقادی آئی ادبام و وساوس نے غلبہ پایا۔ مذہب نے بعض سحریاتی ریتوں کی تطہیر کی اور نظریاتی تصحیح کے بعد انہیں اپنایا۔ اس ضمن میں قربانی کی ریت خصوصی مطالعہ چاہتی ہے۔ ملاحظہ ہو راقم الحروف کی تالیف "جاو اور جاو کی رسمیں" مطبوعہ ناشرین، لاہور، فصل "قربانی کی ریت"

۲۔ ملاحظہ ہو راقم الحروف کا مضمون "ڈرامے کی ابتداء" مطبوعہ اقبال، اکتوبر، ۱۹۵۷ء

سے تو عہدِ توہم کی تہذیبی تاریخ مرتب کی گئی ہے۔^۳

یونانی دیومالا کے ماخذ

یورپ میں علم و فن کی ابتداء کم و بیش یونان سے ہوئی۔ مسلمانوں نے اپنے عہدِ عروج میں ہر تعصب سے بالاتر ہو کر انتہائی فراخ دل سے یونانی حکماء سے استفادہ کیا۔ تاہم اسلام کی انقلاب آفرین تہذیبی سرچ، معاشرتی اطوار و اقدار کی سادگی اور نئے جمالیاتی فلسفے نے نہ صرف دینِ ساحری کا مضبوط اور مستحکم ایوان ڈھادیا بلکہ فکرِ انسانی کا قبلہ درست کیا۔ نہایت دلآویز اور سدا قائم رہنے والا نیا ڈھانچہ دیا۔ اسلام نے دینِ ساحری کی بیچکنی اور اسے شکست فاش دی۔

یونان علم و دانش کا گہوارہ اول نہیں۔ تہذیب و تمدن کے اولین معلوم گہوارے سندھ، فرات، دجلہ اور نیل کی پرانی وادیاں ہیں۔ آج سے چار پانچ ہزار سال پہلے یہ رعنائی اور توانائی کے سرچشمے تھے۔ یہیں وہ ادیان رونما ہوئے۔ اور وہ سُنن جاری ہوئیں جن سے قبل اسلام ایک عالم روشن رہا ہے۔ تہذیب و تمدن کے یہ گہوارے صدیوں چمکتے رہے۔ یہیں سے شاہراہیں کھلیں اور یہیں سے یونان میں اجالے پھیلے۔ یہاں کی دیومالا کے کتنے ہی موتی ٹوٹ کر یونان کے سلسلے سے آئے۔ زیوس کے کنبے کے بعض افراد بالخصوص ربّ الخردائی اوناٹا سس بھی سے آیا۔ ذرخیزی کے دیوی دیوتا اور ان سے متعلقہ رہتیں رسمیں بھی ادھر کی ہیں۔ سپرودوس کے سیاحت نامے سے پتہ چلتا ہے۔ کہ اسے نیل دس سے کتنی وابستگی تھی۔ نیز اس نے

۳۔ مس جین ایلین ہیریسن (۱۸۵۰-۱۹۲۸) کی گراں قدر تالیف PROLEGOMENA

FIVE STAGES OF GREEK RELIGION کا بیشتر مواد کوثرہ گری کی صنعت کامرہون منت

ہے۔ اس حیرت خیز تالیف۔ نے یونانی دیومالا کی نسبت صدیوں کے مقبول و مروج نظریات تہذیبیہ کئے اور تاریخ کا رخ موڑا۔ موصوفہ کیمبرج کے NEWNHAM کالج میں کلاسیکی اسٹاربات کی عملہ تھیں۔ درگاہ نے تین سال تک انہیں کتاب کی تالیف و تصویب کے ذرائع مہیا کئے اور فرصت دی

دیاں کی زندگی اور رسوم کا مطالعہ کس انہماک سے کیا۔ نیل وہیں سے علم حاصل کیا۔ یونانیوں کی درس گاہ بن گیا۔ یونان کے اوسن فلسفی تھیلیتر نے مصر اور قیقا میں حکمت کی تعلیم پائی۔ تھیب کے ان پرانے گہواروں کے علاوہ ایشیائے کوچک نے بھی یونان کو مستفید کیا۔ پہلا یونان کہ آئی اونیا کہلاتا اول اول ایشیائے کوچک ہی سے شتا سا ہوا۔ کنواری شکار و لوی اڑھس یہیں سے درآمد ہوئی پرانی تہذیبوں کے عالیشان ایوانوں اور گہواروں سے شاہکار سمیٹے اور اپنا گھر سجایا۔

یونانی دیومالا کا ایک نہایت اہم ماخذ یونان کے عہد جاہلیت کا دینی مواد ہے جس کے منتشر اجزاء زیوس کے ماننے والوں (آکیاڈل) کی آمد سے پہلے موجود تھے۔ اگرچہ فاتحین کے مقابل (پیلیز جیوں) کی دیومالا منتشر اور بے نام تھی۔ نیز فاتحین کی دیومالا کے مانتین الاقوامی مقام نہ قبائلی اور مقامی تھی۔ تاہم اپنے اپنے علاقے میں بڑی گہری جڑیں رکھتی اور ویسوں کے

یونان کے عہد جاہلیت پر یہ ایک بے مثل کتاب ہے اور انقلاب آفرین نظریات کی حامل، پروفیسر گکبرٹ مرے ایسے فاضل نے FIVE STAGES OF GREEK RELIGION کے باب اول SATURNIA REGNA کا بنیادی مواد اور نظریہ یہیں سے مستعار لیا ہے۔ انہوں نے ویسپے میں مس سیرمیسن کے علمی کارنامے کا اعتراف کیا ہے۔ راقم الحروف نے بھی اس تالیف سے بہت زیادہ استفادہ کیا ہے۔ میرے تصرف میں میریڈین بکس نیویارک، کانسٹیبلت سن طبعوت ۱۹۵۹ء ہے۔

THE EVOLUTION OF KNOWLEDGE از جیمز پیرن، باب اول مطبوعہ ولیمز اینڈ نورگیت

از تھیسالی کے آکیاڈل کی آمد کا زمانہ تین ہزار سے دو ہزار سال ق م ہے۔ انہی نے بارہویں صدی ق م میں ایلیون (طروئے) کی اینٹ سے اینٹ سجائی۔ ان سے پہلے یونان میں پیلز جی یعنی سمندری لوگ بسے تھے۔ ایلیون میں بھی ان کی نسل موجود تھی۔ نہ جانے یہ کب یونان میں آئے اور ان کی زبان کیا تھی۔ تاہم اتنا معلوم ہے کہ انہوں نے قینیقی تجارت سے ابجد سیکھی۔

لئے کافی تھی۔ جب زیوں کے ماننے والے (آکیائی) آئے تو انہوں نے قدیم مقامی دیومال کی شیرازہ بندی کی اور اسے اپنی دیومال سے مربوط وہم آہنگ کیا۔ "اہلیس کے خداؤں کو ایک

"جب حکمران پیری کلیز (۵ تا ۲۹ ق م) کے عہد میں از سر نو وسیع پیمانے پر مقدس پہاڑی آکر پوروس کی تعمیر و ترمیم شروع ہوئی تو پہلا زجیائی تمدن کے نشانات مٹا دیے گئے تاہم اب بھی ہم بعض نشانات دیکھ سکتے ہیں۔ ایتھنز میں پہلا زجیوں کی دیوار ہے۔"

آکیائی مردوں کو جلاتے، پہلا زجی دفناتے، ہومر کی "ایلیڈ" (کتاب) سے واضح ہے کہ زعیم پاطرکاس کو بڑے احترام و اہتمام سے نذر آتش کیا گیا اور عزائی کھیل منعقد کئے جو المپک کھیلوں کا پیش خیمہ تھے۔ لیکن جب زعیم ایسیکس نے خود کشی کی تو اعزاز سے محروم رہا اور دفنایا گیا۔ گویا آکیائی تہذیب کو گھٹیا درجہ دیتے تھے۔

اہل مصر کی طرح پہلا زجی لاشوں کے ساتھ گھر لیا استعمال کی چیزیں رکھ دیتے۔ مصنوعی چہرے پہناتے عورتوں کے سروں پر تاج رکھتے۔ دفناتے کی ریت پہلا زجیوں کی دینی خصوصیت تھی۔ زمین پرستی ان کے مسلک کی اساس تھی۔ زعیم زمین تلے پہنچے ہی دیوتا بن جاتا اور پچھنے لگتا۔ پہلا زجیوں کے دیوی دیوتا تحت الارضی تھے۔

پہلا زجیوں کی تہذیب تانبے اور برنج کے زمانے سے تعلق رکھتی ہے۔ ابتداء میں پتھر کے زمانے کے آثار پائے جاتے۔ لوگ تلواروں، بھالوں اور تیروں سے لڑتے، بڑے بڑے چرمی خود پہنتے۔ قدر آدم ڈھال سے مدافعت کرتے۔ شہزادے دو گھوڑا رتھ پر چڑھ کر محاذ جنگ پر جاتے۔ لوہے کا استعمال عام نہ تھا۔ آخری عہد میں بھی لوہا اتنا گراں اور نادر تھا کہ اس سے صرف زیور بناتے ان کے خلاف آکیائی لوہے کے عام استعمال سے سچائی آشنا تھے اور غالباً اسی لئے یونان کے قدیم باشندوں پر غالب آئے۔

مائی سینی میں پروان چڑھنے کی وجہ سے پہلا زجی تمدن، مائی، سینیا، تمدن کہلایا مائی سینی ربارت بحر اربعین کے ساحل پر مضبوط ترین اور دولت سے معمور تھی بڑا شہر تھا۔ اس سے کم تر لیکن قدیم تر شہر تائی رتر میں بھی پہلا زجیائی تمدن کے آثار پائے گئے۔ ہمدردی ساحل سے ڈیڑھ میل دور ایک کم بلند چٹان پر واقع تھا۔ اردگرد دلدل تھی۔ چٹان کے تین تختے تھے۔ بلند ترین تختے پر قدیم اسلوب تعمیر کے مطابق قلعہ، محل اور معبد یکجا تھے۔ چٹان کے اردگرد پتھر کی دیوار کھڑی کی گئی۔ سیس میں مٹی کے مصالحے سے جو مٹی گئیں کہتے

منفی نوعیت حاصل تھی۔ وہ قبائل یا مقامی نہ تھے۔ لیکن خدا تھے۔ وہ اس وقت بین الاقوامی تھے کہیں بھی ان کی جڑیں منہ و دہانہ تھیں۔ البتہ جہاں کہیں مماثلت مقامی خدا سے مماثلت شکل آتی بات بن جاتی، جو علاقے فاتحین کے زیر نگیں آئے ان کے مرکزی مقامات آسانی سے نئی دیو مالا کی گرفت میں آئے لیکن دور افتادہ مقامات پرانی روش پر قائم رہے۔

آکیاؤں کے حمد گو شاعروں، ہومراور ہی سیود، نے قدیم و جدید کے مواد سے دیو مالا کو سائنسی خطوط پر مرتب کیا۔ بے نام شے کو نام دیا۔ معین شکل و صورت دی۔ نوک پلک سنواری حسن کی تخلیق کی اور دیو مالا کو ایک دل فریب شعر بنا دیا۔ ناپختہ عبادت گاہوں، مقدس شجر گاہوں پے پتے ہوئے میدانوں، مقبروں اور خالق گاہوں کے وسیع آنگنوں میں عبادت کے طور پر جو لوک گیت اور لوک ناچ پیش کئے جاتے نیز جو ریتیں ادا کی جاتیں ان میں ترمیم و اضافہ کیا گیا۔

ہومراور ہی سیود کی داستانیں نہایت آزادی سے یونان کے گلی کوچوں میں گھومنے پھرتے لگیں۔ یہی جدید ادب کی جان تھیں اور معتقدات کا نیا مرتع، ان دینی دستاویزوں

ہیں کہ اس عظیم الشان فیصل کو لیشیا کی جاتی مخلوق۔ سائیکلوپوں۔ نے بنایا۔ آکیاؤں کی روایت کے بموجب پرانی نسل کے ان خداؤں نے دس سالہ خانہ جنگی میں زیوس کا ساتھ دیا۔ اودی سیس نے ایلینوں کے محاذ جنگ سے فراغت پانے کے بعد گھر کو مراجعت کی تو راستے میں آدم خور سائیکلوپوں کے جزیبے میں چلا گیا اور حسن تدبیر سے جان بچا کر نکلا۔ ملاحظہ ہو (ط) "ہیرودوٹس کی ہسٹریز" صفحات ۵۳، ۵۴ (پینگوئن بکس سنہ ۱۹۵۴ء) (ب) پروفیسر جے سی سٹو برٹ کی "تالیف THE GLORY THAT WAS GREECE صفحات ۱۰۴، ۱۸۳ (سیچوک اینڈ جیک سن، لندن ۱۹۵۱ء) (ج) سر ولیم جے کی تالیف EARLY AGE OF GREECE مطبوعہ ۱۹۰۱ء (د) پروفیسر جے بی بری کی A HISTORY OF GREECE (ماڈرن لائبریری، نیویارک سن طباعت تدارد)

اور صحیفوں میں فاتحین کا ذکر خیر تو موجود تھا لیکن ان کے پیشروؤں کے تمدنی کارناموں کا بیان نہ تھا۔ حالانکہ نئی دیومالا کے یہی سب سے اہم ماخذ ہیں۔

لاطینی شاعر اور دور نے بھی بڑی تفصیل سے دیومالا کی کہانیاں نظم کی ہیں۔ لیکن وہ ان پر ایمان نہ رکھتا، ایمان تو درکنار وہ انہیں لغو قرار دیتا۔ چنانچہ کہتا ہے "میں تو پرانے لوگوں کے ہولناک جھوٹ کی بلکواس کرتا ہوں۔ چشم انسانی نے اب یا تب کبھی اتنا بڑا جھوٹ نہیں دیکھا"

چھٹی صدی ق م کے آخر میں پندرہ نے کھیلوں اور کھلاڑیوں کی کامیابی پر بڑی دلایز نظمیں کہیں۔ انہی میں دیومالا کی کہانیاں سمویں۔ اس کے بعد پانچویں صدی ق م کے ڈراما نگاروں (ایسکی لس، سوفوکلیز اور یوریپیدیز) نے دیومالا کے مواد سے لازوال فن پارے تخلیق کئے۔ افسوس! ان عظمت آبد فن کاروں کی بیشتر تخلیقات تلف ہو چکی ہیں تاہم چند ایک جو رہ گئی ہیں فنی اور علمی اعتبار سے گراں مایہ ہیں۔ انہیں سے تاریخیں مرتب ہوئیں۔ اور ڈرامے کی روایت آگے بڑھی۔ یونانی دیومالا کو غیر فانی اور عالمگیر شہرت ملی۔ طریبہ نگار ایرسطوٹ آئیزز کے یہاں دیومالا کی تلمیحات ملتی ہیں۔ اسی زمانے میں یورپ کے مورخ اول ہیرودوٹس نے سحر بانی ریتوں رسموں کے متعلق نہایت قیمتی مواد جمع کیا مسیح سے اڑھائی صدی قبل ایپولونیس اور تھیوکرلیٹس نے بھی دیومالا کے چند قصے نظم کئے۔

کیو پید اور سائیکی کا قصہ صرف لاطینی مصنف ایپولیس (دو صدی بعد از مسیح) کے یہاں ملتا ہے۔

ار "عظیم المیہ نگار فقط چار میں جن میں سے تین یونانی ہیں" یونانیوں کے نام اور متن میں مندرج ہیں۔ چوتھا فن کار شکسپیئر ہے۔ ایڈتھ ہائس کی تالیف
THE GREEK WAY TO WESTERN CIVILIZATION، باب چہارم

اور دود کی طرح پولو دوس نے بھی دیو مالا پر بہت کچھ لکھا ہے۔ اگرچہ اس نے مبالغے سے کام نہیں لیا تاہم اس کی تحریریں خشک ہیں۔ سر جیمز فریزر کے خیال میں پولو دوس دوسری صدی بعد از مسیح میں ہو گزرا ہے۔

یونانی سیاح پوسینی ایس سیاحت کے دوران میں جہاں کہیں گیا وہاں کی داستانیں قلمبند کرتا گیا۔ اس کی تحریروں میں متانت کا عنصر غالب ہے۔ یہ بھی دوسری صدی بعد از مسیح میں ہوا۔

دیو مالا کے مصنفین میں لاطینی شاعر روجیل (۷۰ سے ۱۹۱ ق م) بڑا اونچا مقام رکھتا ہے "وہ اوو و کاہم عھر کھا اور اسی کی طرح دیو مالا کی کہانیوں پر یقین نہ رکھتا۔" تاہم اس نے ان میں انسانی فطرت عیاں پائی۔ اس نے دیو مالا کی ہستیوں کو اس جذبے سے زندہ کیا کہ یونانی المیہ نگاروں کے بعد اس کے سوا کوئی نہ کر سکا، ا

عہد جاہلیت

ہرسل اور قوم کا عہد طفولیت معصوم سہی، تاہم لاعلمی کا نشانہ ہوتا ہے۔ قدیم یونانی اس کلمے سے مستثنیٰ نہیں۔ ان کے یہاں بھی ایک ایسا عہد گزرا جو بعد کے ترقی یافتہ عہد کے مقابل کم آگاہی کا عہد تھا۔ یوں تو عہد جاہلیت میں سحر و طلسم اور دیو مالا ناپید نہ تھی۔ اوائلی لوگ مطمئن تھے۔ معمولات حیات کے لئے اقدار و افکار اور تصورات کا حسب ضرورت کافی ذخیرہ رکھتے لیکن تہذیب و تمدن کے نئے ریلے کے سامنے ٹھہرنا آسان نہ تھا۔ ویسوں میں بڑھتے پھیلنے کی صلاحیت محدود تھی۔ انہوں نے اپنا اور اپنے دیس کا وہ نام پیدا نہیں کیا جو بدیسی فاتحین نے کیا۔ وہ تا دیروں اسلاف پر قائم نہ رہ سکے۔

۱۔ ایڈیٹور، سٹیشن کی تالیف MYTHOLOGY صفحہ ۲۳ مطبوعہ نیو امریکن لائبریری بارہواں

ایڈیشن ۱۹۵۹ء

عہدِ جاہلیت کا دین کہ اصنام پرستی کا دوسرا نام تھا۔ امتیازی خدو خال سے عاری تھا۔ دیوتا معینہ اوصاف و خصوصیات تو درکنار نام تک نہ رکھتے۔ دین میں ٹھہراؤ پیدا تھا اور نشو و ارتقاء کا سلسلہ ناپید۔ کیاؤں کی آمد پر ارتقاء کی تحریک جاری ہوئی۔ ہیرودوتس کا یہ بیان اس پر شاہد ہے۔

”مجھے دو دوتا ایسے جو کچھ بتایا گیا اس سے معلوم ہوا کہ پرانے پیلازجی ہر قسم کی قربانی دیتے اور ایسے دیوتاؤں کو پوجتے جن کا نہ کوئی نام تھا اور نہ لقب کہ امتیاز قائم کیا جاسکتا۔ نام اور لقب ایسی چیز انہوں نے ہنوز نہ سنی تھی۔ وہ دیوتاؤں کو یونانی لفظ THEOI سے پکارتے جس کے معنی تھے نمٹانے والے۔ دیوتاؤں نے ہر چیز کو نمٹایا، باقاعدگی سے مرتب کیا اور موزوں شعبوں میں بانٹا۔ مدتوں بعد یونان میں مصر سے خداؤں کے نام لائے گئے جنہیں پیلازجیوں نے سیکھا۔ البتہ دائی اونا ٹیس مستثنیٰ رہا۔ کیونکہ اس کی بابت ایک زمانے تک کچھ علم نہ ہوا۔ پھر زمانہ گزر تا گیا۔ آخر انہوں نے دو دوتا کے کاہن کے پاس آوی بھجا تب یونان بھر میں دو دوتا ہی تو ایک دار لکھانت تھا اور قدیم ترین بھی۔ قاصد نے مشورے کی نیت سے پوچھا کہ یردیس سے جو نام آئے ہیں۔ انہیں اپنانا کہاں تک روہے گا ہں نے جواباً کہا کہ انہیں اپنانا درست ہے۔ پس تب سے پیلازجی قربانی پر نام لے کر خداؤں کو پکارنے لگے۔ پھر یہ نام پیلازجیوں کی وساطت سے یونان میں پھیلے“ ۲

۱۔ ایڈیٹڈ سٹیشن کی تالیف MYTHOLOGY، صفحہ ۲۳ مطبوعہ نیوا میرین لائبریری، بارہواں ایڈیشن ۱۹۵۹ء۔

۱۔ DODONA

۲۔ ”ہسٹریز“ صفحات ۱۲۳، ۱۲۴ مصری دیوالا کے اثرات اور آکیائی تحریک کے ضمن میں یہ بیان نہایت ہی اہم ہے۔ پہلے مس پیریس نے PROLEGO میں اور پھر پروفیسر گلبرٹ مرے نے FIVE STAGES میں اسے نقل کیا۔ پروفیسر مرے نے موصوفہ کی سر تاپا تائید کی ہے۔

بے نام خداؤں کے باب میں مس ہیر سین بتاتی ہیں کہ عہد جاہلیت کے خدا بعض مشترک اوصاف و خصائل سے جانے پہنچانے جاتے۔ غالباً یہ خدا زمین، آسمان اور سمندر ایسے مظاہر قدرت تھے۔ انسان کے دماغ پر جب اور جہاں ہوش و خرد کی پہلی کرن پڑی شعور نے بیداری کی پہلی کر دٹی اور اس نے گرد و پیش کو دیکھا۔ تو سب سے پہلے اسے زمین سے پالا پڑا جو پاؤں تلے تھی۔ جس پر وہ ٹھکانا بناتا اور جس کے دامن سے رزق کے اسباب و ایستہ تھے۔ زمین ہی پر مرنا جینا تھا۔ یہی پروردگار تھی۔ ماں تھی، دیوی تھی۔ اسی سے زرخیزی کی میتوں رسموں کو جنم ملا جو جذبات کی دنیا میں نچلی سطح پر سب سے زیادہ اہمیت رکھتیں۔ دھرتی ہی سے دیو مال کی داغ بیل پڑی۔ زمین پرستی دنیا کا پہلا دین قرار پایا۔

پہلا زجیوں کے خداؤں کے بنے نام ہونے کی ایک وجہ ان کی کثرت تھی۔ بستی بستی اور قبیلے قبیلے کا خدا جدا تھا۔ مروجہ دستور کے بموجب آتے دن خدا پیدا ہوئے۔ ہر زعیم مرکہ خدا بنتا اور دیو مال میں شامل ہوتا۔ خدا گری کا سلسلہ برابر جاری رہتا۔ اسی لئے ناموں کے پھیر میں پڑنے سے تو یہی بہتر تھا کہ خداؤں کو عمومی اوصاف و خصائل سے موسوم کیا جائے تب خدا شعبوں میں منقسم رہتے۔ شعبہ دارانہ تقسیم کے فقدان کی وجہ شاید یہ تھی کہ مرنے کے بعد تمام زعیم یکساں درجہ اور اوصاف و خصائل رکھتے۔ ”ہر مقامی زعیم کو لڑائی میں اپنے کنبے کی مدد کو آنا پڑتا۔ قبیلے والوں کو فضیلت فراہم کرنی پڑتی۔ اور ان کی نسل بڑھانی پڑتی۔ جب قبیلہ حیران و پریشان ہوتا تو کاہن بن کر اسے راہ دکھانی پڑتی۔ اسی کو ہر سنگامی ضرورت سے نمٹنے کے لئے تیار رہنا پڑتا۔ یہ بھی اسی کا کام یہ تھا کہ وقت پڑے تو لوٹنا ہوا۔ برتن جوڑ دے“

لیکن اس کا سب سے بڑا کام یہ تھا کہ بیماروں کو تندرست کرے۔ معالجانہ خوبی اسے اہلیس کے دیوی دیوتاؤں کے ہم پایہ کرتی اور فاتحین کے لائق۔ قدیم نقاشیوں اور سیت پرنٹوں

ایسکی پیس نامی زعمیم معالج کو پیس کس قدر زیوس کے ہم شکل ظاہر کیا۔ ایک تصویر میں یہ ریشور دیونا لاکھی کا ٹیکائے کھڑا ہے۔ پہلو میں بہت بڑا ناگ بل کھائے کھڑا ہے۔ پہلو میں بہت بڑا ناگ بل کھائے کھڑا ہے۔ روپر و بیجاری ہیں۔ اگرچہ ناگ بہت بڑا ہے تاہم بل کھا کر دیونا کے ہم قامت ہو گیا ہے۔ ناگ اصل میں دیونا کا صفت اور ظاہری روپ ہے۔ بالفاظ دیگر یہ ایک ہی کے دو روپ ہیں۔ یہ ناگ پراسرار اور مہلک زمین کی پڑا ہے جو مکر دیونا ہوا عہد جاہلیت میں لوگ کم پختہ اور پریشان شعور کے باعث دیوی دیوتاؤں کو الگ الگ شکل و صورت دیتے۔ ہر قبیلے اور ہر بستی میں تخلیقی صلاحیت کا الگ الگ مظاہرہ ہوتا۔ دیونا لاکھی میں حسب ضرورت ہر دم ترمیم و اضافہ کی گنجائش رہتی۔ دیونا لاکھی میں بڑی لچک ہوتی اور لوگوں کے ذہنی تغیرات اس میں راہ پاتے۔ ”بھوت پریت اور باقاعدہ دیوی دیوتا میں جو فرق پایا جاتا وہ بہترین طریق پر اس اصول سے معلوم ہو سکتا ہے کہ انسانی اپنی ہی صورت پر اپنے معبود وضع کرتا۔“ اچوں جوں اس کی اپنی صورت بدلتی توں توں اس کے معبودوں کی ہیئت میں تبدیلی آتی۔

صفحات ۳۲۰ سے ۳۲۲ تک

PROLEGO - ۳

ASKLEPUS - ۲

۱۔ ایضاً صفحہ ۳۵، اس ایڈقہ میں نے اس نظریے کی یوں صراحت کی ہے۔ ”یونانیوں نے اپنی صورت پر اپنے خدا وضع کئے۔ یہ خیال پہلے کبھی انسان کو نہ سوجھا۔ پہلے خدا اصلیت کا روپ نہ رکھتے وہ تمام جانداروں سے مختلف ہوتے۔ مصر میں مینارنا کو کوسس بے حرکت تھا۔ اس کے باب میں حرکت کا تصور غیر ممکن تھا۔ پتھر میں یوں جہا گیا جیسے مجید کا زبردست ستون ہو۔ گو یہ انسانی صورت کی زبانی کو تا تاہم اسے دائرہ غیر انسانی روپ دیا گیا۔ یہی خدا کبھی بل کی سردانی عورت کی سنگین صورت میں ظاہر ہوتے۔ جس سے شدید قسم کی غیر انسانی سنگدلی کا گمان گزرتا یا پھر ہر ذی جیات سے الگ تھلک پراسرار کشش یا بوالہول ہوتے۔ میسوپوٹیمیا میں خداؤں کی شکلیں درندوں کی سی تھی لیکن کسی ایسے درندے سے مماثل نہ تھی جو آدمی کے علم میں ہو۔ انسانوں پر پرندوں کے سر، شیروں پر سانڈوں کے اور دونوں کو عتاب کے پر لگے ہوتے۔ یہ ان فن کاروں کی تخلیق تھے جو ایسی صورتیں

فرائیڈ کی رائے میں خدا کو باپ کی شکل پر تخلیق کیا گیا۔ باپ کنبے اور قبیلے کا سربراہ ہوتا
بیٹے، کنبے اور قبیلے کی زندگی باپ کے گرد گھومتی۔ پھر یہ سب مل کر خدا کے گرد گھومتے خدا

بنانا چاہتے ہیں۔ جنہیں کسی نے کبھی نہ دیکھا۔ یہ تصویریں فن کاروں کے اذیان میں موجود تھیں۔ تصنیح
کی یہ انتہا تھی۔

”یونان سے قبل دنیا ایسے ہی معبودوں کو پوجتی۔ بس اتنا ہو کہ تصور میں ان کے برابر کسی معبود
کا یونانی بت رکھ دیا جائے۔ یہ بت بہ کمال رعنائی کس قدر معمول کے مطابق اور فطری ہوگا۔ اس طرح یہ بات
سمجھ میں آجائے گی کہ دنیا میں کیسے نیا خیال پیدا ہوا! اسی کے ساتھ دنیا عقل پسند ہوئی۔
”سینٹ پال نے کہا کہ غائب کو حاضر کے ذریعے سمجھنا چاہیے۔ یہ خیال عبرانی نہیں یونانی ہے۔
جہاں تک قدیم دنیا کا تعلق ہے صرف یونان ولے حاضر کے خیال میں محو تھے۔ وہ دراصل گرد و پیش
کی دنیا میں اپنی اہمیتوں کی تسکین پاتے۔ بت تراش کھیلوں کے دوران میں کھلڑوں کو مقابلہ
کرتے دیکھتا۔ وہ ان جوانوں اور توانا بدنوں سے بڑھ کر اپنی چشم تصور میں کسی کو نہیں سمجھتا۔ داستان گونے ہر میز
ویونا کو بازار سے گزرتے ہوئے لوگوں میں پایا۔ اس نے خدا کو ایسی عمر میں گھبر و جوان کی مانند دیکھا جب ہومر
کے الفاظ میں جوانی سب سے زیادہ پیاری ہوتی ہے۔ یونانی نقاشوں اور شاعروں نے جان لیا کہ آدمی کس قدر
وزی شان، راست قدر، تیز رو اور توانا ہو سکتا ہے۔ آدمی ان کی جستجوئے حسن کا جواب تھا۔ ان کی یہ خواہش
نہ تھی کہ تخیل کی تراشی ہوئی کوئی فرضی تصویر پیش کریں۔

”ان انسانی خداؤں نے قدرتی طور پر فلک کو خوش گوار مانوس مقام بنا دیا۔ یونان کے لوگ یہاں
اپنا بیت محسوس کرنے۔ انہیں ٹھیک ٹھیک معلوم تھا کہ خدا فلکی مسکن میں کیا کرتے، کیا کھاتے پیتے، کہاں
ضیائیتیں اٹلتے اور کس طرح جی پہلالتے۔ لاریب لوگ ان سے ڈرتے کیونکہ وہ برہمی کے عالم میں بڑے
قوی اور خطرناک ہوتے تاہم مناسب احتیاط برت کر آدمی خداؤں سے خاصے اچھے تعلقات پیدا کر
سکتا۔ وہ تو بلکہ کامل آزادی سے ان پر ہنس لیتا۔ زیوس جو دوسری خورتوں سے اپنی محبت کے معاملات کو بیوی
(ہیرا دیوی) سے چھپانے کی کوشش کرتا سب سے زیادہ تفسیر کا موضوع تھا۔ اسی بنا پر یونانی اس کی
ذات سے خط پاتے اور اسے پسند کرتے۔ ہیرا دیوی طریقے کا ایسا کردار تھی جو حاسد بیوی ہونے یا
اپنے شوہر کو بے آرام کرنے نیز رقیب کو سزا دینے کی غرض سے دانشمندانہ تدبیریں اختیار کرنے کے
باعث یونانیوں کو ناخوش تو کیا اس طرح لطف اندوز کرتی جس طرح ہیرا کانیک شریک حیات آج ہیں

میں عبادت کی ریتیں سمیں اور تمام دینی مصروفیتیں سمٹ آئیں۔ خدا درحقیقت باپ ہی کی رفعت یافتہ صورت تھی۔ باپ سے پہلے خدا ماں کی شکل پر تراشے گئے۔

ناگ پوجا

فراہم شدہ معلومات کی بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ عبادت کے لائق سب سے پہلی ہستی دھرتی تھی۔ دھرتی ہی دیو مالا کی کلید تھی اور دھرتی پوجا پہلا دین۔ دھرتی پوجا کی ایک شکل ناگ پوجا تھی۔

ناگ عہد جاہلیت کے معبودوں میں نہایت اہم معبود تھا۔ حشرات الارض میں سب سے زیادہ خوشنما، پراسرار اور مہلک تھا۔ زمین سے واسطہ رکھتا اور پائال میں رہتا۔ معبود کو یہ اوصاف کافی تھے۔ وہ لوگ جو ابھی رُوز کائنات اور حیاتیات کی الف بے بھی نہ سیکھ پائے اسے محیر العقول طاقت کا حامل سمجھے۔ ان کے نزدیک یہ روح بردار تھا۔ زندگی اور موت سے گہرا رشتہ رکھتا۔ زعیم مکر ناگ بن جاتا اور پچھنے لگتا۔ ایسے میں زعیم ”بہتر و برتر اور تو اتا تر“ سمجھا جاتا۔ یونان بھر میں مرنے کے بعد زعیم ناگ کی صورت میں پچھا اور ایسے تو صیغی لقب

لطف اندوز کرتا ہے۔ یہ داستانیں دوستانہ جذبات سے تراشی گئیں مگر کے بوالہول یا آشوریا کے درندہ نما پرندے کے حضور میں ہستی کا تصور بھی نہ کیا جاسکتا۔ لیکن الپس پر یہی حرکت بالکل فطری ہوتی۔ اسی لئے یونانی خدا ہم جلیس ہونے کے قابل ہوئے۔

”زمین پر دیوی دیوتا حد سے زیادہ بطور انسان جاذب توجہ تھے۔ حسین جوانوں اور کنواریوں کے روپ میں یہ دیوی دیوتا، خوشنما زمین اور بحر و دریا سے اپنا مزاج ہم آہنگ کر کے جنگلوں، دریاؤں اور سمندر میں جا بیٹے“ MYTHOLOGY. صفحات ۱۶، ۱۷

۱۔ ”ٹوٹم اپنڈینو، صفحہ ۱۴۷

۱۔ ناگ کے علاوہ بعض پرندے بھی روجوں کے نقل و حمل کے وسیلے تھے۔ یہ پرندے آدمی کا سر رکھتے ان میں سے بعض گنبدوں پر بیٹھتے۔ ناگ بھوت اور پیچھی بھوت میں نمایاں فرق یہ تھا کہ اول الذکر آدمیوں کے لئے اور ثانی الذکر عورتوں کے لئے ہوتا۔ ناگ عام طور پر کسی جدا جدا بھوت خیال کیا جاتا۔

دلیوی دیوتاؤں کے تمام گروہوں کی خصوصیت تھی۔

”خوبی قسمت سے سیاح پوسینی آیس نے مائی اونیا میں اپنے قیام کے دوران میں ایک خالقاہ کی زیارت کی جو زیوکس ناگ سے موسوم نہ تھی۔ تاہم ناگ دیو کے ماننے والوں کی جاٹے عبادت تھی۔ اس نے وہاں نہ مندر پایا نہ شجر گاہ اور نہ قربان گاہ۔ اس نے یہاں ناگ پوجا کی ریت کی حقیقت جانی۔ رات کے اندھیرے میں ناگ دیو کے نام کی قربانی دی جاتی۔ اور رواجاً سورج نکلنے سے پہلے پہلے وہیں اس کا گوشت کھا لیا جاتا“ ۵

ناگ پوجا سے تین باتیں واضح ہیں۔

ناگ بل میں رہتا۔ یوں زمین سے وابستہ ہوا۔

دھرتی سب سے قدیم زرخیزی کی دیوی ہے۔ دھرتی کے رشتے سے ناگ

زرخیزی کا دیوتا ہوا۔

سوڑ کہ سوخت کیا جاتا زرخیزی کی علامت ہے۔

ناگ پوجا کی غایت (فصل اور نسل کی افزائش) کے سوا اور کیا ہو سکتی؟ زخم

رنے کے بعد کنبے قبیلے کی سلامتی، کامرانی اور ترقی کا ضامن ہوتا۔ اپنوں کی رہبری کرتا۔

آکیاؤں کی آمد کے بعد دھرتی پوجا جس کی ایک صورت ناگ پوجا (یا بلوان پوجا، زخم

پرستی) تھی۔ مٹائی نہ جاسکی، البتہ معبود کی ہیئت بدلانی گئی۔ ریشور ناگ کا ظہور آکیاؤں کی

جدت تھی۔ یوں پیلا زجیوں کا ناگ دیو انسان نما بن گیا۔ یاد رہے کہ آکیاؤں کے زندہ دل اور

کھلنڈرنے والا انسان نہ بلکہ انسانوں کا نقش ثانی ہوتے۔ ریش کہ ارتقاء کی کڑی تھی۔ دیوتاؤں

کو انسان نما بنانے کے عمل کو ظاہر کرتی۔ ریشور ناگ (زیوس میکی کیوس) عبوری دور کی پیداوار

تھا۔ بعض جانوروں کو انسانی چہرے لگانے کی بھی یہی توجیہ ہے اور پھر دیوتا موقع بہ موقع

حرب ضرورت جانوروں کی ہیت اختیار کر لیتے۔ چنانچہ جب زیوس حسین و جمیل یوزرو پا پر فریفتہ ہوا تو خوبصورت بیل بن کر اس کے پاس آیا اور دھوکے سے پیٹھ پر بٹھا کر اسے لے اڑا۔

ریشورناگ کے ضمن میں مس ہیرسین نے ڈاکٹر ہینس گیڈو سے استفادہ کیا جو ناگ کے ڈھانچے اور خصائل پر سند تھے۔ موصوف ایک قدیم منقوش ناگ کی بابت بتاتے ہیں کہ COELOPELTIS LACERTINA کہلاتا اور ہسپانیہ میں پایا جاتا۔ عموماً چھ فٹ لمبا ہوتا۔ حیوانیاتی نام سے عیاں ہے کہ اس کا سر چھپکلی کی مانند ہوتا اور دوسرے ناگوں کی طرح ابھرا ہوا نہیں بلکہ پچھکا ہوا۔ یہ نوع چوہوں، چھپکلیوں وغیرہ کے حق میں مہلک اور آدمی کے حق میں غیر مہلک بلکہ بے ضرر تھی۔ اس کا سبب زہر کی کچلیوں کی ساخت تھا۔ قدماء غالباً اس صورت حال سے آگاہ تھے۔ البتہ ریش کی بات غلط تھی۔ اس کا نچلا جیڑا لٹکا ہوا تھا۔ جس سے ریش کا شائبہ ہوتا۔ عجیب نہیں کہ ٹھہرا دلین کے نقاشوں، بت تراشوں اور کوزہ گروں نے صرف لٹکا ہوا جیڑا دکھایا ہو۔ لیکن بعد کے فنکاروں نے نئی دینی تحریک کے زیر اثر ریشور بنا دیا تو ویسے بعض نقوش میں ریش کی جگہ نچلا جیڑا ہے۔

ناگ کو انسان نماینے میں اس مروجہ نظریے سے مدد ملی ہوگی کہ مردے کی ریڑھ کی مال سانپ بن جاتی۔

عہد جاہلیت میں ناگ دیوبے نام تھا۔ اس کا نام محض و صفی اور عمومی تھا۔ مس ہیرسین کی رائے میں رب الشمس اپالو، ارٹھس اور زیوس ابتداء میں غالباً و صفی اور عمومی نام رکھتے۔ بعد میں انہیں تخصیصی اور انفرادی نام ملے۔ آکیاؤں کی آمد پر جب دو تہذیبوں میں ٹکراؤ ہوا تو ناگ دیو اور زیوس مل کر ایک ہوئے۔ نیا دیوتا (زیوس میلی کیوس) نہ تو اصلاً زیوس تھا اور نہ ایلپس کے محاسن کا حامل۔ فلک کی بجائے پاتال کا دیوتا اور وہیں کا باسی تھا۔ ناگ کی بہتات اور اس کی پوجا کی تعظیم نے اسے کسی زعمیم سے موسوم نہ ہونے دیا۔ ہر زعمیم بلا تخصیص ناگ ہوتا۔ زیوس ناگ اور ناگ پوجا کے باب میں جو شہادتیں دستیاب ہوئی ہیں۔ ان میں

اہل قلم اور سالار زینوفون کی شہادت قابل ذکر ہے۔ جسے مس ہیروسیس نے اپنے یہاں نقل کیا ہے۔

”ایشیائی مہم سے لوٹتے وقت جب زینوفون کے پلے دام نہ رہے۔ تو وہ راستے میں رہ گیا۔ اس نے نیت کر کے ایک عالم دین سے مشورہ کیا۔ اسے بتایا گیا کہ زیوس ناگ راہ میں حائل ہے۔ وہ جیسے گھر پر قربانی دینے کا عادی ہے ویسے بالالترام دیوتاؤں کی راہ میں قربانی دے۔ چنانچہ اگلے دن زینوفون نے موروثی رواج کے مطابق بہ تعداد کثیر سوروں کی سوختی قربانی دی۔ بشگون موافق ہو گئے۔

ناگ دیوس کی موروثی اور باقاعدہ ریت میں بھاری تعداد میں سور جلائے جاتے۔ دیوتا دولت کا ذریعہ یعنی ایک طرح کا پلوٹس مانا جاتا۔ اس آخری نکتے پر چنداں زور نہیں دیا جاسکتا کیونکہ زینوفون کے زمانے میں لوگ غالباً ہر مدعا کے لئے خالص اور سیدھے سادے طریقے سے زیوس کی عبادت کرتے۔ بھاری تعداد میں سوختی قربانی اور ناگ دیو کے لقب کو ملحوظ رکھ کر غور کیا جائے۔ تو فی الان ایک واضح حقیقت کا پتہ چلے گا۔ اس امر کے ثبوت میں شہادت نہیں ملتی

۱ - XENOPHON - ایتھنز میں غالباً ۴۳۰ ق.م. پیدا اور کورنتھ میں ۳۵۵ ق.م. کے لگ بھگ فوت ہوا۔ پتھر ہی تھا کہ ایک دن بازار میں اسے سقراط ملا۔ سقراط نے عام ضروریات کی چیزوں کی بابت اسے پوچھا کہ کہاں ملتی ہیں۔ زینوفون نے ٹھیک ٹھیک بتا دیا۔ پھر سقراط نے پوچھا کہ بہاؤ اور بھلے لوگ کہاں ملتے ہیں۔ ان پر وہ چکرایا۔ سقراط اسے ساتھ لے گیا۔ یوں دونوں میں باری ہوئی۔ زینوفون بزرگ فلسفی کا ملاح نکلا۔

۲ - PLOUTAS, PLUTUS - دھرتی دیوی کا یہ سپوت یونانی دیوتا مال میں دولت کا مشخص ہے زری معیشت زریں دولت کا مخزن ٹھیری یہی سونا اگلتی، پلوٹس کا دامن دیو ہونا واضح ہے۔

کہ زینوفون نے دی آزیاتھوار پر قربانی دی۔ ویسے اس کا امکان ہے سر دست
 ہمیں عمومی طور پر زیوس ناگ کے مسلک سے سروکار ہے۔ نہ کہ خصوصی طور پر دی
 آزیاتھوار سے۔ ٹھوس دی وینز کے جس پیراگراف پر گفتگو کی گئی ہے اس کا تشریح
 بتاتا ہے کہ دی آزیاتھوار پر بھیس قربان کی جاتی اور اگر اس بیان کی بنیاد کسی قدیم سند
 پر رکھی جائے تو مراد سور یا پالتو جانور ہے۔ رفتہ رفتہ اس لفظ کے معنی بھیس تک
 محدود کر لئے گئے۔

”یہ بات قطعی طور پر کہی جاتی ہے کہ دیوتا کی اصلیت متعین کرنے کے لئے
 قربانی کے جانور کو اہمیت حاصل نہیں۔ سور وھرتی دیوی (دی می تر) اور دوسرے
 پانالی دیوی دیوتاؤں سے متعلق ہو گیا۔ وجہ یہ تھی کہ دیوی دیوتا ابتدائی دور کے تھے
 آج کی طرح تب بھی سور سٹاپل جانا اور غریبوں کا سہارا بنتا۔ قربانی کا جانور خدا
 کی حیثیت سے زیادہ پجاری کی حیثیت کے اظہار کی شے تھی۔ سور سے متعلقہ دلیل
 پر ہرگز زور نہ دینا چاہیے۔ لاریب زیوس کے حضور سے سور کی قربانی استثنائی
 صورت تھی۔“

”ناگ کے لقب کی نمایاں خصوصیت کی اصل کلیہ قربانی کا طریقہ تھا۔ نہ
 کہ اس کی جنس، ناگ دیو کے روپ میں زیوس کثیر تعداد میں جانوروں کی سوختنی
 قربانی کا طلب گار ہوتا۔ جانور بالکل جلا دیے جاتے۔ ہومر کا زیوس بھی کثیر تعداد
 میں جانوروں کی سوختنی قربانی طلب کرتا۔ اس تک قربانی کے گوشت کے کچھ کھیرے

۱۔ یونانی مورخ اور جرنیل THUCYDIDES (۴۷۰ سے ۴۰۰ ق۔ م) نے زیوس ناگ کے سرب
 سے بڑے تہوار دی آزیاکا حال لکھا ہے۔ تہوار کی ریت قلعے سے باہر ادا کی جاتی۔ سب لوگ مل کر قربانی
 دیتے۔ ٹھوس دی وینز کا عظیم ترین اور لافانی شاہکار پیلوپونیشیا کی جنگ کی تاریخ ہے۔ وہ بیس سال
 تک جلاوطن رہا اور آخر قتل کیا گیا۔ ایٹھننز کی سرحدوں سے باہر اس کا مدفن بنا۔

یہی پہنچتے۔ پجاری دوستی کی علامت کے طور پر شرکت کرتے، المپس کے ،
پرستاروں کی یہی عام ریت تھی۔ لیکن زیوس ناگ سب کچھ لیتا یا کچھ نہ لیتا اس
کے نام کی قربانی کی ریت جشن عامہ نہ ہوتی۔ یہ تو ہیبت ناک قوت سے پیچھا
چھڑانے کا اقدام ہوتی۔ اسی لئے سنگین افسردگی کی فضا طاری رہتی۔ یہ بات بعد
میں دیکھی جائے گی کہ تہرناک ارواح کے نام کی قربانی کا گوشہ کھایا نہ جاتا۔ یہ
ارواح چاہتیں کہ انہیں منایا جائے۔ پائالی دیوتاؤں کے تمام گمروہوں کی یہی
خصوصیت تھی۔ یہ دیوی دیوتا ہومر سے قبل کے نظریات کی پیداوار تھے۔ سردرت
اتنی نشان دہی کافی ہے کہ زیوس ناگ سے متعلق یہ ریت ہومر کے زیوس کے
لئے بالکل اجنبی تھی۔

یہاں زیوس کا سوال پیدا ہی نہ ہوتا۔ ہمارے یہاں آزاد دیوی دیوتا ہیں۔ جو
اپنی اپنی خصوصیات کے باعث پختے ہیں۔ ان سے متعلق تقاریب شہانہ بھی منعقد
کی جاتی ہیں۔ گمان گزرتا ہے کہ زیوس نے تقاریب شہانہ سمیت ناگ دیوی کی پوجا پر
قبضہ جمایا۔ یہ جان کر گمان یقین میں بدل جاتا کہ غضب کی دیویوں کے مانند زیوس
ناگ ہم نسل کے خون کا بدلہ لیتا۔ پوسے نی ایس نے کیفیسوس کے پاس زیوس ناگ
کی پرانی قربان گاہ دیکھی۔

”جب کیفیسوس نے دوسرے چوروں کے ساتھ مینیس کو ہلاک کیا جو پیتھوس
کے واسطے سے اس کا قرابت دار ہوتا تو اس نے فلایتے لوس کے جانشینوں کے ہاتھوں
خود کو اس قربان گاہ پر پاک کیا۔

”پھر پوسینی ایس یہ بھی بتاتا ہے کہ لڑائی کے بعد آرگوس کے باشندوں نے
اپنوں کا لہو بہانے کے گناہ سے دامن پاک کرنے کے لئے جو اذرا مات کئے۔ ان

میں ایک اقدام زیوس ناگ کے مجسمے کی تنصیب تھا۔ ناگ دیوسے با آسانی التجا کی جا سکتی۔ وہ بھلا بھی تھا اور مہربان بھی۔ قدرتا لہو پاک کرنے والا تھا۔ لیکن اسی طور قدرتا ایک دوسرے وصفی پہلو سے لہو کا پیاسا، بے دم ہونے اور غضبناک خواہش ظاہر کرتے والا تھا۔ لغت نگار، بیسی کی اس، یہ بات بڑی صفائی سے بتاتا ہے۔ کہ رجم اور قہر کی دیولیوں کے مانند ناگ دیو کے بھی دورخ تھے پانچویں صدی ق۔ م کا ہر تعلیم یافتہ یونانی کہ وحدانیت کا رجحان رکھتا ناگ پوجا کی یہی تشریح کرتا۔ زیوس سب کچھ تھا۔ لیکن زیوس ناگ پاتالی و صفت رکھتا۔ وہ پاتالی زیوس تھا۔

”پوسینی ایس نے کورنتھ میں ایک کھلی جگہ زیوس کے تین بت دیکھے۔ ایک کا لقب نہ تھا۔ ایک پاتالی دیوتا کہلاتا اور ایک بلند ترین۔ یہ بتانا ممکن نہیں کہ اس تہرے زیوس نے پہلے زمانے کے کون کون سے ادیان اپنی ذات میں جذب کیے۔“ ۳

اس طویل اقتباس اور دونوں کے واقعے سے صاف ظاہر ہے کہ آکیاؤں کی آمد پر نئے اور پرانے ادیان میں تصادم ہوا۔ آکیائی اپنے ہمراہ جو دیوی دیوتا لائے وہ نام ورن بھی تھے اور امور زرائع کے الگ الگ شعبوں کے مختار بھی۔ ادھر پہلا زجی انقلاب کی زد میں آئے تو دونوں کی کہانت گاہ پر گئے۔ گاہن جو بے حد بانجرا دریلنے ہوتے وقت کی نبض پر ماتھ رکھتے۔ ان کے گرد و پیش خبر رسائی کا ایک عالمگیر جال پھیلا ہوتا۔ وہ آنے والے تہذیبی سیل کو نظر انداز نہ کر سکتے۔ انہوں نے اسی میں خبریت دیکھی کہ نئے دین کا خیر مقدم کریں۔ اور بے نام خداؤں سے

۱۔ GRACES اور FURIES

۲۔ ZEUS HEADS

۳۔ بحوالہ PROLEGO، صفحات ۵ تا ۱۱

ستاکش ہوں۔ دو دونوں کی کہانت گاہ سے نئی تحریک چلی اور شعوری انقلاب برپا ہوا۔ یونانی دیو مالائے موٹر پر آئی اور دو دونوں کا راتقہ ارتقاء کی بنیادی کڑی بن گیا۔

ادھر آکیائی بھی دور اندیش تھے۔ انہوں نے آہنی فوقیت کے باعث پیلازجیوں کو شکست تو دی لیکن ذہنی تسخیر کا کام باقی تھا اور بے حد مشکل بھی۔ یہاں آہنی فوقیت بے کار تھی۔ لوگ اپنی تہذیبی متاع سے اپنے ولولوں، جذبوں اور امنگوں کو سرشار رکھتے۔ آبائی دین کی جڑیں ذہنوں اور ضمیروں میں دھنسی ہوئیں۔ مگر کبھی نہ نکلتیں۔ لوگ قبر اور چتا تک اسے لے جاتے۔ قدماء کو آبائی تہذیبی ورثے سے محروم کرنے اور نیا ورثہ قبول کروانے کے لئے بڑی احتیاط تدبیر اور تحمل کی ضرورت تھی۔ آکیاؤں کے تہذیبی ورثے کی چمک دمک سے انکار نہیں لیکن قدماء اپنی ہی متاع کو سینے سے لگائے ہوئے تھے۔ ان کا دین ان کا مزاج تھا۔ اسی لئے فاتحین مجبوراً "کچھ لے اور کچھ دے" کے اصول پر اتر آئے۔ انہوں نے پرانی ریتوں اور روایتوں کو سمیٹ لیا، اپتالیا۔ پرانے مال پر نئی مہر لگائی۔ نیا رنگ روغن کیا اور حق ملکیت بدل لیا۔ ناگ پوجا اس کی بین مثال ہے۔ ناگ کو سنبھالنے کے بعد اسے زیوس میکیسوس بنایا گیا۔ اور پھر ریش عطا کر کے آکیائی نظریات سے ہم آہنگ کیا گیا۔ ارتقاء کا سلسلہ جاری رہا۔ بالآخر ہومر کا زیوس ظاہر ہوا جو آکیاؤں کا کھراسکہ تھا اور عہد جاہلیت کے کھوٹ سے پاک

۳۔ پروفیسر ریچ دے کی EARLY AGE بحوالہ PROLEGO صفحہ ۳۳۹ اسطو بتاتا ہے کہ دو دونوں کے ارد گرد کا علاقہ یونان سے تعلق رکھتا۔ یہیں زیوس اور اس کی دوسری بیوی والی اونی نے دھرتی دیو اور اسکی پردہ نشینی کی جگہ لی۔ اسی سے عہد جاہلیت کے نابوت میں آخری کیل کڑی۔

موزعین اس تہذیبی انقلاب کے لئے ۱۳۰۰ ق۔ م کا زمانہ تجویز کرتے ہیں۔ پیلازجی فاتحین سے گھلنے لگنے اور جیب یونانیوں نے ایلین کی اینٹ سے اینٹ بجائی تو ان میں اتحاد تھا۔ ہومر نے بروئے حقیقت پانزہ تعصب سب کو آکیائی کہا۔ بہر حال پیلازجی فاتحین میں مدغم ہونے پر مجبور تھے جس طرح وہ مغلوب ہو کر آکیاؤں سے گھل مل گئے۔ اسی طرح ان کے دیوی دیوتا اور ان کی ریتیں فاتحین کی دیو مال میں گھل مل گئیں۔ پرانی اور نئی تہذیب نے مل کر ایک نئی تہذیب کو جنم دیا۔

یہ حسب معمول خدا کم اور انہ "بہ زیادہ تھا۔ اس میں ایک طرف تو جاہ و جلال، قہر و غضب اور عظمت و وقوت تھی۔ دوسری طرف یہ عقلی جذبات سے بہ عجلت مغلوب ہو جاتا۔ عورت اس کی کمزوری تھی۔ ایک اسی کی خاطر زمین سے اس کا رشتہ قائم رہا ورنہ "یوں نہیں کرالپس کے زیوس کی ذات میں پاتال کی کوئی خصوصیت پائی جاتی۔ یہ بھونڈی سی حقیقت ہے کہ عالم بالا، گرج اور چمک کا خدا پاتال کے قدیم ناگ دیو کا اخراج کرتا ہے۔ ناگ دیو پر دیسی مونوک دیوتا نہیں بلکہ دیسی اور زیوس کی تخلیق و تشکیل سے قبل کی شے ہے۔" ۱

بہر حال آکیاؤں کے نظریاتی تعاون اور ان کی رواداری کی بدولت ناگ پوجا مدتوں جاری رہی۔ ناگ انسان نما بنا۔ یہی ڈراما نگار یوری پیدینز کا پامالی زیوس ہوا۔

زعیم — مردہ اور زندہ

عہد جاہلیت کے پہلے زجیوں کا زعیم کہ مرکز پختا زندگی میں غضب کی شخصیت ہوتا اور مہمات سر کرتا، عام ذہنی و بدنی سطح سے کہیں زیادہ بلند اور چمن کا دیدہ ور ہونے کے باعث قدر و منزلت کی نظر سے دیکھا جاتا۔ لوگ اس کی صلاحیتوں سے مرعوب ہو کر اسے انسان سے بالا تر سمجھتے۔ ہیروسے مراد "قوی، مضبوط، ذی شان اور قابل احترام تھا۔ آکیاؤں کے یہاں بھی یہ تصور پایا جاتا۔ چنانچہ ہومر کا زعیم زبردست انسان اور خدا کا بیٹا ہونے کے باعث خدا کو پیارا ہوتا۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ایک خدا اس کی سرپرستی کرتا تو دوسرا دشمنی، اسی لئے تو کہتے ہیں کہ ایلیمون میں دس سال تک انسان نہیں خدا لڑتے رہے۔ انہی نے محاذ جنگ پر زعماء کو بامراد یا نامراد کیا۔ بیشتر کو خداؤں نے تربیت دی اپنے اوصاف دینے اور حربے بھی۔ مرنے پر قدیم و جدید ہر عہد کا زعیم "برتر اور قوی تر" ہو جاتا۔ قدیم دستور کے مطابق نام غائب ہو جاتا۔ کیونکہ نام عام ہوتا۔ لوگ اس سے آشنا ہوتے اور گھر کی چیز لگتا۔ نام کے بغیر مرنے

۱ - PROLEGO

۲ - ANTHOROPOMORPHIC آدھی کے لئے یونانی لفظ ANTHROPOS ہے۔

والا اجنبی، پراسرار اور معبود بن جاتا۔ مرنے کے بعد نئی عظمت اور قوت جتم لیتی جو لوگوں کے متوہمات مزاج کا عکس ہوتی۔ قدیم قبائل تو ہم پرست تھے۔ وہ تو اپنے سایے سے بھی ڈرتے۔ مرنے والے کو یا تو مہربان، مردِ ضعیف اور سیاہ رو ایسے تو صیفی ناموں سے پکارتے یا پھر صیغہ غائب (مذکر یا مؤنث) کی ضمیر سے۔

زعما کو ایزادی ناموں سے پکارتے کا بھی دستور تھا۔ چنانچہ ایری نی ایز (بری دیویاں) ہی "غضب کی دیویاں" کہلاتیں۔ قاتل سے خون کا بدلہ لیتیں۔ پھر جب پرانا نظام عدل تمام اور آکیاؤں کا نظام عدل رائج ہوا تو "بری دیویاں" "نائب ہو کر" "اچھی دیویاں" (یونینیدیز) بن گئیں یہی "مہر و کرم کی دیویاں" کہلاتیں۔

EUMEHIDES - ۲

FURIES - ۱

۳۔ GRACES فاتحین کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب تہذیب نو کا علمبردار سردار ایگامیمنون لشکر لے کر ایلینوں فتح کرنے گیا تو اس کی غیر حاضری میں اس کی بیوی کلانی طیم نیسٹرا (ہیلین کی بہن) کہ قدیم نسل کی شہزادی تھی۔ اپنے ہم نسل منگیتر شہزادہ اےگسٹس (AEGISTHUS) سے مل گئی۔ کئی سالوں کے بعد سردار گھر لوٹا تو بیوی نے اپنے آشنا کی مدد سے اسے ہلاک کیا۔ باپ کا بدلہ نئی نسل کی شہزادی الیکتر اور شہزادہ اور لیسٹیز (ORESTES) نے سگی ماں اور اس کے آشنا سے لیا۔ پھر جب غضب کی دیویوں نے قاتلوں سے بدلہ لینا چاہا تو دیوتاؤں نے نظام عدل بدل دیا۔ پرانی تہذیب کو نئی تہذیب سے بدلہ دینے دیا۔ اسی موقع پر غضب کی دیویاں نائب ہوئیں۔

پانچویں صدی کے ڈراما نگار ایسکی لس نے اپنے سہ تمثیل اور پس طیا (ORESTEIA) میں اس قتل کے واقعے کی پوری داستان بیان کی ہے۔ یہ داستان فاتحین کے زاویہ نظر سے لکھی گئی ہے اور اسی لئے نامعتبر ہے۔ مس ہیرسین بتاتی ہیں کہ اےگسٹس اتنا براتہ تھا جتنا ایسکی لس نے اسے ظاہر کیا۔ اےگسٹس کے پدر تھائی ایس طینز کو ملک بدر کیا گیا۔ چنانچہ اول الذکر پر دیس میں رہا۔ یہ زیر عتاب کنبہ پیلازجی تھا۔ اسی طرح کلانی طیم نیسٹرا بھی اور جبراً فاتح سردار سے بیاہی گئی۔ سردار ایلینوں کی ہم پر روانہ ہوا تو بیوی کو درباری شاعر کی نگرانی میں چھوڑ گیا۔ شاعر کا فرض تھا کہ آکیاؤں کے گن گاتا رہے۔ ایلینوں کا محاذ دس سال تک گرم رہا۔ پھر واپسی پر کئی سال تک تہزناک سمندر کی موجیں یونانیوں کو بھٹکانی پھریں۔ اس

مرنے والوں کے دو واضح اوصاف ہوتے۔ وہ کرم فرما بھی ہوئے اور ستم رساں بھی۔ لوگ ان سے پیار بھی کرتے اور خوف بھی کھاتے۔ مرنے کے بعد قاتل اور غدار بھی نیک ہو جاتے۔ چنانچہ فاتحین کا صدر گوشائے ہومرا بختتس ایسے قاتل کو بے خطا کہتا۔ حالانکہ آکیاؤں کے نزدیک وہ بد کردار تھا کیونکہ اس نے ایسے زعم کو ہلاک کیا جس نے پیلازجی عورت اور ناموس وطن کی خاطر دشمن سے جنگ کی۔ جیتے جی کوئی کتنا بھی پیلہ ہوتا مگر ان کی صفت میں جا ملتا ہے جو "بزر اور قومی تر" مانے جاتے۔ موت سارے دھبے و ضرورتی۔ دراصل ان سے اعمال بد کا انتقام تو جیتے جی لیا جاتا۔ ایچتتس مارا گیا تو اس کا دامن پاک ہوا اور وہ زعم بن گیا۔

یہی حال میسین کا ہوا جسے آکیائی شہزاد نے بالعموم زانیہ اور بد کردار کہا۔ مرنے کے بعد وہ زعم ہوئی اور نیکی۔

غیر معمولی زعم - سیرا کلیئر

عہد جاہلیت کا ہر قریب اور قبیلہ دیومالا کے باپ میں تنگی داماں کا علاج رکھتا۔ ہر ایک نے اپنی بساط کے مطابق خدا ترانے، کبھی کبھی کوئی قریب اور قبیلہ اپنے خدا یعنی مقامی زعم کی غیر معمولی

طویل مدت میں کلانی طیم نیسٹرا کا گمشدہ پیار اور نسلی جذبہ جاگا۔ وہ ایچتتس سے مل گئی۔ ایچتتس کا اس سے زیادہ قصور نہیں کہ اس نے اپنا حق جتایا۔ اور غاصب کے اقدام کو ناجائز جانا EARLY AGE جلد اول صفحہ ۹، بحوالہ PROLEGO صفحہ ۲۳۵۔

اسی طرح یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ ایلیوں جاتے ہوئے جب اولس AULIS کے مقام پر

یونانی بیڑہ اڑ گیا۔ تو سیالوں نے قربانی دینے کو کہا۔ اس پر سالار ایگامیمنون نے اپنی ہی بیٹی ایچی جینیا

IPHIGENIA کو یہ چکر دے کر بلوایا کہ خدا زاد زعم اگل ایچ (ACHILLES) سے بیاہی جائے گی۔

کلانی طیم نیسٹرا بیٹی کو لے کر آئی تو اور ہی گل کھلتا نظر آیا۔ سر پیٹ کر ہی تو رہ گئی۔ شقی القلب سردار

نے بیٹی کو بھینٹ چڑھا دیا۔ ماں یہ درد بھری تونہ ہوگی۔ شوہر کی ہلاکت کا منصوبہ بناتے وقت بیٹی

کا خون ناحق چیخ چیخ کر اسے پکار رہا ہوگا۔

کلانی طیم نیسٹرا کی بہن میسین بھی پیلازجی تھی۔ ہر آکیائی سردار اس پر فریفتہ تھا۔ بالآخر باہمی

شخصیت کے باعث دوسرے قریلوں قبیلوں پر بازی لے جاتا۔ بعض زعماء اس قدر مقبول اور ذی اثر ہوتے کہ المپس کے خدا خود کو ان سے سمجھوتہ کرنے پر مجبور پاتے۔ سمجھوتے ہی میں خیریت ہوتی۔ ہیراکلیز اس ضمن میں بہت بڑی مثال ہے۔ اس کے معنی ہیں ”جوان اور محبوب زعمیم“ پیلازجی اس کے پرستار تھے۔ جناتی کارناموں کی بنا پر اس نے زیر دست شہرت پائی۔ اکیائی اس کی شخصیت کو نیت و نابود نہ کر سکے۔ انہوں نے عہد جاہلیت کے اس معبود کو المپس کے کپے سے وابستہ کر لیا۔ ذہنی زیر و زبر اور اساطیری تغیر و تبدل کے بعد اسے نئے خداؤں کے وسیع تر زمرے میں جگہ مل گئی۔ اس کے لئے سوختنی قربانی دوا ہوئی۔ نوبت یہاں جا رسید کہ رتِ برق و رعد کی بیوی ہیرا کی پوشاک کے سلوٹوں میں سے اسے گزارا گیا۔ یوں وہ لے پالک بنا۔

یہ بھی روایت ہے کہ وہ ایک عورت کے لطن سے زیوس کا بیٹا تھا۔ اسی بنا پر ہیرا دیوی اس کی دشمن ہوئی۔ انجام کار دیوی کی برہمی جاتی رہی۔ اور اس نے اپنی بیٹی ہیری سے اسے بیاہ دیا جو المپس کی دیو داسی تھی۔ دیوتاؤں کی خدمت میں رہتی اور انہیں مقدس مشروب نیکتر پلاتی۔ وہ دائمی شباب کی نمائندہ تھی۔

کوزہ گروں نے ہیرا کلیز کو المپس میں داخل ہوتے تو دکھایا ہے لیکن اسے المپس کے اندرون میں کبھی نہیں دکھایا۔ اس سے فاتحین کی تنگ دلی کا راز افشاء ہوتا ہے۔ گویا انہوں

سمجھوتے سے ایگا مہیٹون کے بھائی، سپارتا کے حکمران مین اے لے اس (MENE LAUS) سے بیاہی گئی۔ بعدہ ایلیوں کے شہزادے ہیرس کے ہمراہ فرار ہو گئی۔

اس فرار کی داستان بھی فاتحین کی دسالت سے ہم تک پہنچی ہے۔ ڈراما نگار یوری پیدیزتین پیلازجی دیولیوں (ہیرا، استیمینی، افرو داسی) کو اس کا ذمہ دار ٹھہراتا ہے۔ اس کے خیال میں اصل سلین افرو داسی کے ایما پر مصر پہنچائی گئی۔ ایلیوں میں صرف اس کا سایہ گیا۔ یونانی اور یونانی دیوی دیوتاؤں سے سال تک اس سلبے کے لئے باہم دست و گریبان رہے۔ بالآخر مین اے لے اس نے اسے دا گزارا کیا۔ جعلی ہیرسوں جل کر غائب ہو گئی۔

نے از رہ مصلحت ہیرا کلینز کو قبول کیا۔ اسے دل سے نہ چاہا۔

زعیم خداؤں کا خوف

آکیائی تہذیب کی بنیاد زمین پر نہیں بلکہ فلک پر تھی اور اسی لئے بن پڑتا تو وہ زمین پرستی کی مخالفت بلکہ بیخ کنی کرتے۔ اپنے دین اور اپنی دیو مالا کو آگے لانے کے لئے پیلا ز جیوں کے زعیم خداؤں کو رسوا کرتے۔ انہوں نے اپنی روایات کو برقرار رکھتے ہوئے مفتوحین کی مقدس ہستیوں کے خط و خال بگاڑے۔ ان کی پوجا مسدود کی اور انہیں ضرر رساں قرار دیا۔ ویسے اس حرکت میں ان کے توہم کا بھی عمل دخل تھا۔ کوئی عہد توہم سے خالی نہیں رہا۔ پانچویں صدی کا ایک تمثیل نگار کہتا ہے۔

ہم ایسی خوفناک جگہ سے آگاہ ہیں جو بہت تاریک ہے۔

جہاں شمع نہیں جلتی

دن کو لوگ زعماء کے ساتھ ضیافت اڑا لیتے ہیں۔

لیکن رات کو؟ توبہ، توبہ، رات کو ایسا نہیں کرتے۔

تم جانتے ہو کہ رات کو خطرہ ہوتا ہے۔

اگر رات کو کسی فانی سے زعیم اور سیطر کی ملاقات ہو جائے۔

تو زعیم اسے برہنہ کر کے پیٹے اور خوب تماشہ کر کے چھوڑے۔

رات کے وقت زعیم بدروح بن کر لوگوں کو گزند پہنچاتا۔ فاتحین کے مفسرین کہتے "زعماء

کی خانقاہوں کے پاس سے گزرنے والے چپ رہیں!" "مبادا" "برتر و قوی تر" برہم ہو کر اچھے

ہتھیاروں پر اترا آئیں۔ بقول کسے خداؤں اور انسانوں میں یہ امر مسلم تھا کہ بادشاہ سے خطا سزا

نہیں ہو سکتی اور مفتوح و مغلوب بھلائی نہیں کر سکتا!

۱. بحوالہ PROLEGO صفحہ ۳۳۹، ہم اس خیال سے نا آشنا نہیں۔ دیو یعنی خدا فاتح کی لغت

میں راکش اور فارسی میں رہن ہے۔ اسی طرح جنوبی ہند کے قدیم باشندے راون کو اپنے عہد کا

استخارہ

ناجین کی عصبیت سے قطع نظر مقامی زعم پرانے لوگوں کے لئے موجب خیر و برکت ہوتے ان کی تربتوں سے دو کام لئے جاتے۔ مورخ ہیروڈوٹس شاہد ہے کہ بجاری ان تربتوں پر آکر حلف اٹھاتے یا استخارہ کرتے۔ عہد قدیم میں استخارے کا بڑا چلن تھا۔ مشکلات میں رہیری پانے اور مسائل حل کرنے کا یہ عام طریقہ تھا۔ "حلف اٹھانے اور نظہیری عمل کے ضمن میں لوگوں کی ریت یہ تھی کہ وہ اپنے میں سے نیک ترین اور اعلیٰ ترین لوگوں کی تربتوں کو چھو کر ان کی قسمیں کھاتے تریئے کے لئے اجداد کی تربتوں پر جاتے۔ التجاء کر کے وہیں سو رہتے۔ خواب میں جو کچھ دیکھتے اس پر عمل کرتے" ۲

ہیروڈوٹس کے علاوہ دوسرے سیاحین بھی استخارے کے معمول سے آگاہ تھے۔ شہر اور وپس کی کہانت گاہ پر جا کر بجاری طہارت کرتے۔ مینڈھے کی قربانی دیتے اور کھال بچھا کر سوہتے۔ پھر خواب میں منشاء پانے کی امید رکھتے۔ معالج خدا ایس کلی پی اس سے شفا پانے کی غرض سے لوگ اس کی خانقاہ پر جاتے۔ کبھی سوتے میں مرض جاتا رہتا اور کبھی ویوتا بجاری کو نیند میں شفا یابی کا گر بتا جاتا ۳

اٹلیا جہاں ۴، ق م اٹلیک کھیلوں کی تنظیم نو ہوئی حلف اٹھانے کے سلسلے میں خاصی شہرت رکھتا۔ یہاں مقامی ناگ ویوسوسی پوسس کے نام پر حلف اٹھاتے۔ اس کی تربت عبادت گاہ تھی

زعم تسلیم کرتے ہیں جسے کشتریوں نے پہلے ہلاک اور پھر سوا کیا۔ دھیرے کے تہوار پر لٹکا اور اسی کا کاغذی پتلا جلایا جاتا ہے۔ برہمنی تہذیب بھی اسے کتر انسان سمجھتی ہے۔

۱۔ DREAM ORACLE - ۲ ہسٹریز کناب چہارم - ۳ - OROPUS

۴۔ ایتھینز میں معالج خدا کی عبادت ۴۲۱ ق م شروع ہوئی۔ باقاعدہ طور پر مکمل خدا کی صورت میں ایس کلی پی اس ہی نازل ہوا۔ یہ اصل میں تھیسس الی (THESSALY) سے آیا۔ رب الشمس اپالو کا ہم پیشہ اور حریف تھا۔ اگرچہ یہ وہی تھا اور قدیم تر، تاہم معالج زعمیوں کو قبول عام حاصل تھا۔ اسی لئے ایس کلی پی اس کی آمد پر شہکار نہ ہوا۔

۵ - SOSIPOLIS

جب نئی تہذیب کے علمبردار انسان نما خدا لائے تو ناگ اور زعمیم کے درمیان رشتہ کمزور پڑ گیا۔ گو زعمیم پہلے کی طرح ناگ نہ رہا تاہم نقاش اور پت تراش مدتوں زعمیم اور ناگ کا تعلق ظاہر کرتے رہے خواب کی نشانیاں بڑی اہم خیال کی جاتیں کیونکہ وہ بزرگ ہستیوں کی جانب سے ہوتیں رب الشمس اپالو کی نسبت کہا جاتا ہے کہ خود دھرتی دیوی نے اسے نیند میں فتح و نصرت کی خبر دی اور وہ خبر پا کر برسر اقتدار آیا۔

استخارے کا معمول ابتداء سے انتہاء تک فانی زعمیم سے مخصوص و متعلق رہا۔ المپس کے دیوتاؤں سے اسے سروکار نہ رہا۔ چنانچہ یہ کبھی سننے میں نہیں آیا کہ کوئی بچاری استخارے کی نیت سے زیوس، اپالو یا کسی دوسرے فلکی خدا کے معبد میں سویا ہو۔ استخارے کا معمول زیوس کے برسر اقتدار آنے پر بھی جاری رہا۔ فاتحین عہد جاہلیت کے دین کی اس شق سے بلا تامل استفادہ کرتے رہے۔

پلید، پلید لوگ

جہاں تک بن پراپیل ازجی اپنی ذہنی ریتوں روایتوں سے پلیدے رہے۔ وہ اپنی پراسرار روم رات کی پراسرار تاریکی میں ادا کرتے پو پھٹنے سے پہلے پہلے قربانی کا گوشت کھا لیتے۔ آکیائی انہیں اچھا نہ سمجھتے۔ وہ ان کے پراسرار دین اور معمولات سے نفرت کرتے، انہیں پلید سمجھتے اور نالائق عظمت قرار دیتے۔

یہ سریت کی ایک شکل تھی اور پیلار جیوں پر کیا منحصر ہے۔ آکیائی بھی پیچھا نہ چھڑا سکتے ان کے یہاں بھی بستریت کا عمل دخل بھی چوری چھپواں پراسرار ریتوں رسموں کا چلن ہو گیا۔ سکند اعظم کی بیوی سریت کا قائل اور مخفی ریتوں کی عامل تھی۔

بدرو جیں اور بھوت پریت

آکیاؤں کے نزدیک پیلار جیوں کے زمانے میں ناپاکی ہی ناپاکی تھی۔ بھوت پریت اور

بدر و حین بہ افراہم تھیں یہی نہیں بلکہ یہ کھلے بندوں پھرتیں یہ آزاد رو آفتیں کیریز اکھلاتیں کائنات کا کوئی گوشہ ان کی دستبرد سے محفوظ نہ تھا۔ لیکن یہ سب خلاف حقیقت اور ایک منظم سازش کا نتیجہ تھا۔ آکیاؤں نے ایک طرف بہ امر مجبوری دین زیوس میں دھرتی پوجا کی آمیزش کی اور دوسری طرف سوجے سمجھے ہوئے پلان کے تحت عہد جاہلیت کے کم اہم دیوی دیوتاؤں کو رسوا کیا اور انہیں ارواحِ خبیثہ بنا دیا۔ پیلاز جیوں کے یہاں ان کا نام و نشان نہ تھا۔ تحقیق سے یہ بھید کھلے گا۔ کہ پیلاز جیوں کی قابل قدر ہستیوں کو بے قدر کیا اور جان بوجھ کر بھوت پریت بنا یا گیا۔ خبیث باطن کا یہ بدترین نمونہ تھا۔

کہتے ہیں کہ تہذیب کے قدیم تر گہوارے کریت میں کورے طیز نام کا ایک قبیلہ آباد تھا۔ اہل قبیلہ جادو کرتے تھے۔ انہی میں سفلیات کے عامل بھی ہوتے۔ اہل قبیلہ کے دو گروہ تھے ایک گروہ دستکاروں اور ہنروروں کا تھا۔ دوسرا گروہ ہر اچھی چیز کا بسری تھا۔ یہ دوسرا گروہ بہیمانہ خصائل رکھتا۔ اساطیری داستانوں میں اس گروہ کی اصل تند ہوا بتائی جاتی لوگوں کے پاس ایک پیالہ ہوتا جس میں پیڑوں کی جڑوں سے جادو کا محلول تیار کرتے۔ دوسری طرف پہلے گروہ نے دھاتیں دریافت کیں۔ بت تراشی کی بناء رکھی۔ یہ خشک و تر دونوں پر رہتے اور عجیب و غریب شکلیں رکھتے۔ کچھ بھوت پریت، کچھ انسانوں اور کچھ سانپوں کے مانند تھے۔ داستان کچھ یوں چلتی ہے کہ کچھ بے دست و پا تھے۔ اور کچھ کی انگلیوں کے درمیان بنگلوں کی سی جھلی تھی۔ کہتے ہیں کہ ان کی کالی آنکھیں اور نیلی دمیں تھیں۔ آخر میں بالوضاحت کہا گیا ہے۔ کہ یہ زیوس کی بجلی یا اپالو کے تیروں سے ہلاک ہوئے۔ گویا نئے نظام نے پرانے نظام کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ فاتحین کے نزدیک مفتوحین بیک وقت وحشی، جادوگر، بہائم صفت، قابل نفرت خوفناک، ہنرور، معالج، بھوت پریت اور جن ہوتے۔ جن روجوں کی پرستش کرتے انہی کے سے اوصاف رکھتے۔ المختصر یہ کیریز طیلکائی نیزا ہوتے۔ جب ہم بھلے جنگے، مفید اور خیر آفرین

کیریز کی صورت بگڑتی دیکھیں تو اس حقیقت کو لازماً یاد رکھیں کہ ہم فائین کی وساطت سے مطالعہ کر رہے ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ آکیائی تازہ دم تھے۔ اور ان کے سینے تازہ امنگوں سے معمور، وہ نئی صلاحیتیں اور نئے تہذیبی حربے لے کر آئے تھے۔ انہوں نے ہر ترکیب سے پیلاز جیوں کا نظریاتی ڈھانچہ ڈھانا چاہا۔ اگرچہ انہوں نے رسوائی کی یہیم ضربات سے کیریز کو ہلاک کیا تاہم دو کیریز رب برق و رعد اور رب الشمس کے نشانوں سے بچ رہے۔ یہ "ٹھیسٹی" اور "مرگ" تھیں۔

چند آفتیں

آفتوں میں ہار پیاں بھی شامل کی جاتیں جن کے معنی ہیں۔ "نو چنے والیاں" یہ پرنڈہ نما عورتیں روح نوچ کر آندھی کے مانند اڑ جاتیں۔ اور پھرا سے تباہ کر دیتیں۔ ساگر دیو اور ساگر دیوی کے بیٹے بیٹی کی اولاد تھیں۔ ہار پیوں کا باپ ہوا کا بھوت تھا اور ان کی ماں ہوا کی بھتی تھی۔ درجل بتاتا ہے کہ ان ہواؤں سے گھوڑیاں حاملہ ہو جاتیں۔ کبھی کبھی ان کا سر ان تین بلاؤں کی مانند ہوتا۔ جنہیں گورگن کہتے۔ گورگنیں آپس میں بہنیں تھیں۔ ان میں مید و سا سب سے نامور تھی۔ یہی سب سے بڑھ کر خبیث تھی۔ اور فانی بھی۔ اسے زخیم پرسپوس نے ہلاک کیا۔ مس ہیرسین اسی کو اصل کیری مانتیں ہیں ان کے خیال میں باقی دو جو سلامت رہیں فاضل مخلوق تھیں۔

PROLEGO. EARLY AGE - ۲. صفحہ ۱۷۲، ان نظریات سے قطع نظر فریڈ نے ویسٹر مارک کی تائید کرتے ہوئے بتایا ہے کہ اوائل قبل مرنے والوں کو ہولناک اور پرہیزگار بنالیتے۔ "یہ قیاس کرنے کے بعد جو سب سے پیارے ہوتے بدرجوں میں منتقل ہو جاتے صاف طور پر مزید سوال پیدا کرتا۔ وہ کیا چیز تھی۔ جو اوائل لوگوں کو اپنے پیاروں کی نسبت اپنا احساس بدلنے پر آمادہ کرتی؟ وہ انہیں بدرجوں کیوں بنالیتے؟ ویسٹر مارک کی رائے میں ان سوالوں کے جواب باآسانی دیے جاسکتے ہیں۔ موت عام طور پر رب سے بڑی بد نصیبی ہے۔ لہذا مردوں کی نسبت سمجھا جاتا ہے کہ اپنی تقدیر سے بے حد نامطمئن ہیں۔ اوائل قبائل کے خیالات کی رو سے آدمی تبھی مرتا جب اسے مارا جاتا۔ جبراً نہ مارا جاتا تو جاو کے ذریعے مارا جاتا

ہار پیوں میں مہلک سائیرنیں بھی تھیں جن کے رسیلے گیت لوگوں کے لئے جان لیوا ثابت ہوتے دیوی دیوتا اپنے محبوب زعمیوں کو ان کی دستبرد سے بچانے کے لئے بطور خاص گوشش کرتے ہار پی ہر حال میں حسین ہوتی۔ اس کی صورت کبھی جل پری کی ہوتی اور کبھی انسان کی۔ نیم عورت اور نیم اسپ بھی ہوتی۔

ہار پیوں کو نسائی چہرے والے گدھوں کی صورت میں بھی پیش کرتے۔ یہی ہار پیاں زعم فینیوس کی دشمن ہوئیں۔ اس کا کھانا خراب کرتی اور اڑا کر لے جاتیں۔ بالآخر ایلیمون کے مغرور اور سوختہ سماں زعم اپنی ایسی نے ان کا مقابلہ کیا اور فینیوس کی جان بچائی۔ ہار پیاں فقط روح کش ہی نہیں بلکہ حیات افروز بھی ہوتیں۔

کیریز میں تقدیریں بھی نمایاں مقام رکھتیں۔ خدا ان سے بڑا کام لیتے۔ جب یونانی زعم اگل اینر نے ایلیمون کی فصیل کے گرد چوتھی بار شہزادہ ہیکٹر کا تعاقب کیا تو زیوس نے سنہری ترازو سنبھالا اور موت کی تقدیریں پلٹے میں رکھ دیں۔

شاعر ہی سیود کے خیال میں کیریز عہد قدیم کی مخلوق تھیں۔ یہی تقدیریں تھیں اور یہی پرندہ نما بصوت بھننیاں۔

ایسی موت قدرتی طور پر روح کو انتقام پر اکساتی اور چڑچڑا بناتی۔ زندوں پر رشک کرتی اور پرانے دوستوں کی صحبت کی آرزو، پھر عجب نہیں کہ انہیں مارنے کی نیت سے روح ان پر بیماریاں نازل کرتی۔ لیکن یہ خیال کہ بے جسد کی روح مجموعی طور پر جمیٹ چیز ہے۔ لاریب مردے کے خوف کے وجدانی تصور خوف مرگ کا حاصل ہے، ٹوٹم اور ٹیبو ص ۵۹۔

”WUNDT بتاتا ہے۔ کہ دنیا بھر کی دیو مال بدر و جوں سے جو افعال و مشاغل منسوب کرتی ان کے مجموعی بدر و جوں راج کرتی ہیں۔ اور مقبول عام نظریہ یہ ہے کہ بدر و جوں ہیں ’لو پر نیک روحوں سے قدیم ترین‘ فرائیڈ کے نزدیک ’اس تعلق میں نظر تا جو متضاد جذبہ پایا جاتا۔ بعدہ ارتقائے انسانی سے سلسلے سے بدین حقیقت ظاہر ہوا کہ اسی بنیاد سے دو کاملاً متضاد نفسیاتی رجحانات برائے کار آئے ایک طرف بدر و جوں سے ڈرنے کا رجحان اور دوسری طرف آباؤ اجداد کے احترام کا رجحان۔“

زیوس کے حکم سے جو حسین عورت (پینڈورا) تخلیق کی گئی اس کے صندوق میں کیریز ہی مقید تھیں۔ جب اس نے خلاف ہدایت ڈھکن کھولا تو یہ آفتیں انسان کو ستانے کے لئے رہا ہو گئیں۔ بنت الہول اٹھی بیز کی خونخوار ساحرہ) بھی مارپی کے اوصاف رکھتی۔ اس کی شکل عجیب و غریب تھی۔ پانچویں صدی ق۔ م کے نقاشوں نے اسے شہپر والی حسین عورت کے روپ میں پیش کیا۔ اس کی دم بھی تھی اور پیچھے بھی تھے۔ پیغمبرانہ اوصاف رکھتی اور تھی۔ بیز کے ہم جو آدمیوں کو ہلاک کرتی۔ کوئی اس کی بہ پہلی نہ بوجھتا اور جان گنوتا کہ وہ کون ہے جو پہلے چار پیروں پر پھر دو اور آخر میں تین پر چلتا ہے۔ شہزادہ ایدی پس ایک ایسا دانائے کلا۔ حس نے بتایا کہ یہ ذات شریف آدمی ہے جو شیر خوارگی میں دو ہاتھوں اور دو پیروں کی مدد سے چلتا ہے۔ بڑا ہو کر دو پیروں پر اور ضعیفی میں لاٹھی کے سہارے چلتا ہے۔ جو اب پا کر بنت الہول نے خود کشی کی۔ اور ایدی پس نے مصیبت زدہ تھی۔ بیز کو نجات دلانی۔ وہاں کا تخت و تاج سنبھالا بلکہ بے خیری میں اپنی بیوہ ماں جیکوستا، کو بیوی بنا لیا۔ یہ گل تقدیر نے کھلایا۔ تقدیر بھی روز اول ہی

ایضاً صفحہ ۶۵

اسی تالیف میں فریڈر نے یہ بھی بتایا ہے کہ دیوی دیوتاؤں سے قبل ایک تو دستور ممنوعات معرض وجود میں آیا۔ ”غالبا“ ممنوعات کا شعور ہی قدیم ترین شعور ہے اور اسی سے نظام شعور کو اولاً پالا پڑا۔“ دوسرے بھوت پریت پیدا ہوئے۔ اس کے نزدیک بھوت پریت کی تخلیق آدمی کا پہلا قیاسی کارنامہ ہے۔ لیکن اس تخلیق کا سرچشمہ وہی ہے۔ جس سے ممنوعات کا شعور پیدا ہوا۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ ممنوعات کا شعور اور بھوت پریت بیک وقت پیدا ہوئے۔ زندوں نے مردوں کے حق میں اپنی کچھ طاقت اور کچھ آزادی عمل قربان کی۔ یہ سب ضرورتاً ہوا۔ ”اولی انسان اسی نیت سے موت کی قوت کے آگے تسلیم خم کرتا جس نیت سے اس کا منکر معلوم ہوتا۔“ اور پھر ”روحیں اور بھوت پریت آدمی کے ذاتی تاثرات کی خارجی صورتیں ہیں۔ وہ انسانوں کی شکل میں جذباتی نکاس کو تارے، ان سے دنیا آباد کرتا اور پھر خارجی دنیا میں اپنے اندرونی ذہنی اعمال سے دوچار ہوتا ہے۔“ علی الترتیب صفحات ۶۲، ۶۳، ۶۴۔

سے انسان کے دامن سے بندھی ہے۔

بد روئوں کی اصل اور اصلیت کی بابت آکیاؤں کے بیانات قابل اعتماد نہیں۔ انہوں نے پہلا زچوں کی روایات میں کیڑے ڈالے اور سو سو طرح سے پرانے دین کی تحریف کی۔ نئی تہذیب پرانی تہذیب میں شر کے سوا کچھ نہ دیکھتی۔ تہذیبی زیر و زبر ہی کا نتیجہ تھا کہ بھلی جنگی ہستیاں کیریڈین گئیں! کیریڈین درحقیقت آکیاؤں کے جذبہ نفرت اور تعصب کا منظر ہتھیں۔

رب الخمر کے خدام

کیریڈین کا طرح آکیاؤں نے رب الخمر (والی ادنائی کس) کے بچاریوں کو بھی رسوا کیا۔ فرات و جہلہ اور نیل کی وادیوں سے آئے یالائے ہوئے دیوتا پر تو بس نہ چلا۔ ارضی دین کا یہ قدیم دیوتا تو اس قدر قوی تھا کہ آکیاؤں اسے اپنے سماوی دین میں شریک کرنے پر مجبور ہوئے لیکن اس کے بچاری انتقام اور تعصب کا نشانہ بنے۔ یہ بچاری سیترا اور می نید تھے۔ بتایا جاتا ہے کہ اول الذکر نیم حیوان تھے۔ پاؤں، کان اور دم رکھتے۔ سر اور دھڑ آدمی کا ہوتا۔ ریش و ریش بھی ہوتے اس پر ناما انسان سینٹور انہی کے مماثل ہوتے۔ بلکہ ایک ہی جنس کے الگ الگ ملتے مس پیرس کے خیال میں سینٹور بادل را کھشش (گندھرو) کا روپ تھے۔ قانتخین کا شاعر ہومرا انہی کو سینٹوری کہتا اور غیر انسانی بتاتا۔ اس ضمن میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ایتھینز والوں کے نزدیک گھوڑا عظمت والا جانور تھا۔

بعض نقوش میں سیترا یا سینٹور کو کندہ نائراش قسم کے پہاڑی لوگ ظاہر کیا گیا۔ ان میں بہیمانہ اوصاف پائے جاتے۔ عورتوں سے بٹلگیر ہوتے اور انہیں اغوا کر لیتے۔ بعض کے نزدیک سیترا انسان تو ہونے لیکن دھڑ، دم اور ٹانگیں گھوڑے کی رکھتے۔

۱. تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو PROLEGO فصل پنجم

۲. DIONYSUS

۳. MAENAD

۵. KENTAURI

۴. CANTOUR

پندار کی شہادت پر کہا جاسکتا ہے کہ سینطور فی الاصل انسان تھے۔

مس پیریس کی تحقیق کی رو سے سینطور اور سیطر میں یہ فرق تھا کہ سینطور ادا "جنگلی آدمی" تھا۔ بعد ازاں اس میں گھوڑے کی صفات ایڑا کی گئیں۔ لیکن سیطر شروع سے آخر تک ایک ہی حالت پر رہا۔ ایک بار دم، سم اور کان چسپاں ہوئے تو چسپاں ہی رہے۔

اس اسپ ناما مخلوق میں کیرون کی ذات خصوصی توجہ کی محتاج ہے۔ تہذیبی زیر و زبر میں اس نے بڑی معنویت اور اہمیت پائی۔ نیک دل انسان قدیم نسل سے تھا۔ دانا اور عدل گستر تھا۔ ضرب الامثال ستاتا۔ گھوڑے سدھاتا۔ اس نے جینسن^۱ ایکلی پیس اور ایلیمون کی دو سالہ جنگ کے یونانی زعم آکل ایڑا ایسی نامور ہستیوں کو تربیت دی۔ طب اور موسیقی میں مہارت رکھتا۔ ان کا درس بھی دیتا۔ تصویر میں یہ نہایت عمدہ چغہ زیب تن کئے ہوئے ہے۔ کہتے ہیں کہ سینطور ایک بار زعم پیرا کلیز سے لڑ پڑے۔ پیرا کلیز نے آبی ناگ ہیدرا^۲ کے لہو سے تھر کیا ہوا تیرا ایک سینطور کو مارا جو زخمی ہو کر تڑپنے لگا۔ ورو سے خلاصی پانے کی خاطر وہ اپنی لافانی زندگی پر وہی تھیوس کو دینے پر آمادہ ہوا۔

سینطور نیس^۳ نے پیرا کلیز کی بیوی دی آنی را کو اغوا کیا اور اس کی آبروریزی کی پیرا کلیز نے ہیدرا کے لہو والی تیر مارا۔ مجروح سینطور نے بظاہر نیک نیتی اور باطن بد نیتی سے دی آنی را کو اپنا لہو دیا کہ کسی کپڑے پر مل رکھے۔ پیرا کلیز بے وفائی کرے تو اسے یہ کپڑا پہنا دے۔ کپڑا پہن کر وہ دی آنی را سے رجوع کرے گا۔ دی آنی را سینطور کے چکھے ہیں آگئی۔ اس نے سینطور کے لہو سے کپڑا تھر کر لیا۔ پیرا کلیز ایک لڑکی کو لے بھاگا۔ اور دی آنی را کو بھول گیا تو اس نے وہی کپڑا بھیجا۔ کپڑا زہرا لود تھا۔ اسے پہنتے ہی پیرا کلیز کا بدن پھکنے لگا۔

JASON . ۲

CHIRON, CHEIRON . ۱

DEIANIRA . ۵

NESSUS . ۴

HYDRA . ۳

یہ آخر داستانیں ہیں۔ ان میں چھپی ہوئی حقیقت کا کھوج نکالنا سہل نہیں۔ تاہم اتنا تو واضح ہے کہ عہد جاہلیت کے بھلے چنگے انسانوں، زعمیوں اور دیوی دیوتاؤں کی صورتیں اکیاؤں کے جذباتی سانچوں میں ڈھل کر بگڑ گئیں۔ فاتحین کو اپنے خدا عزیز نہ تھے۔ یہی محترم تھے۔ ان کے نزدیک مفتوحین کے خدا وحشی اور نالائق احترام تھے۔ فاتحین کی آمد کے بعد مفتوحین کی زبان پر تلے پڑ گئے۔ تبلیغ اور نشر و اشاعت کے ذریعے مسدود ہوئے۔ وہ دھرتی سے اس بری طرح لیٹے چمٹے ہوئے تھے کہ نظر ادرہ اٹھتی۔ افلاک کی بلندیوں اور آفاق کی وسعتیں ان کے محدود عزائم و اعمال سے ماوراء ہی رہیں۔ ادھر فاتحین کے نقاشوں، سنگتراشوں اور شاعروں کی کھیپ فتح و نصرت کے نشے میں بدمست، تازہ دلولوں سے لیس ہو کر انتہائی گرم جوشی سے مصروف عمل ہوئی۔ انہوں نے عہد جاہلیت کے خام مواد کو اپنی منشاء کے بموجب اساطیری داستانوں میں ڈھالا اور مستقبل کو سونپا۔ نہایت وسیع پیمانے پر عمل تحریف ہوا۔ ایسے میں اصلیت کا سراغ لگانا جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔

”پروفیسر ریچرڈ سے بتاتے ہیں کہ سینٹوریوں کی اساطیر میں ہمیں فاتحین کے اس رجحان کا پرتو ملتا ہے جو وہ مفتوحین کی نسبت رکھتے۔ پورے کرۂ ارض میں اس رجحان کے دو پہلو پائے جاتے۔ فاتحین مفتوحین کو بے جلیے جذبات سے دیکھنے پر آمادہ ہوتے۔ حق بات یہ ہے کہ عموماً نفرت و حقارت سے دیکھتے۔ کبھی کبھی افسوسناک ہوں سے۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ فاتحین مفتوحین کو ساحروں کے طور پر محترم جانتے اور مانتے کہ وہ اپنے دیس کی روح سے آشنا ہیں۔ ان سے سفلی عامل کا کام لیتے۔ کبھی کبھار جب صلح و آشتی ہوتی تو انہیں اپنے بیٹوں کا رضائی باپ بنا دیتے لیکن ہر برائی اور بیہمارہ خصوصیت انہی سے منسوب کرتے۔ یاد رکھئے کہ مفتوحین درندوں کی شکل اختیار کرنے پر قادر تھے۔

”مفتوحین پہاڑوں میں جا چھپتے، سینٹوریوں اور سیٹوریوں کے انداز میں فاتحین کی ٹوٹیوں کو بھگانے جاتے اور یوں بدل لیتے“۔

فاتحین کے بغض کا یہ نتیجہ نکلا کہ اچھے پھلے آدمیوں کو سونڈس، دمیں، ایبال، سینگ اور
 سُم لگ گئے۔ انہیں تسمیر آمیز صورتیں دی گئیں تاکہ مفتوحین احمق لگیں۔ اور ان کی تہذیب
 بیہودہ معلوم ہو۔ ان کے مقابل فاتحین ذی شان، ذہین اور برتر معلوم ہوں ان کی تہذیب
 کھری نظر آئے " فاتح ہر اس شے کو بد شکل کرتا جو اس کے جذبات کو ٹھیس لگاتی۔ گویا ہوتی
 اور اس کی نفرت کے جذبات کا اظہار کرتی۔"

دانی اڈنائی سس کے یہ پرستار حیوان نما انسان نہ تھے۔ بلکہ قدیم قبائل کے معزز
 ارکان تھے۔ انہیں جانور مشہور کیا گیا۔ "ان کی مہیب شکلیں، دمیں، اسپیکان اور سُم ان
 کی قوت افزائش کو ظاہر نہ کرتے بلکہ فاتحین کی بدگمانی کو عیاں کرتے۔ گھڑ دیو دراصل
 دانی اڈنائی سس کے اوتار نہ تھے۔ گھڑ دیو دانی اڈنائی سس کبھی وجود میں نہیں آیا
 یہ تو بس سیطر تھے۔ البتہ اس سے انکار نہیں کہ یہ نوع آخر کار صنمیاتی ہستیوں میں گھل
 مل گئی۔ شکل و صورت کے تدریجی تغیر و تبدل سے فی الواقع ہی واضح ہوتا ہے۔ اصولاً یونانیوں
 کی قوت متحدہ صنمیاتی ہستیوں کو انسان نما بنانے پر مائل رہتی تاہم سیطر کے باب میں معاملہ
 دگرگوں رہا۔ وقت گزرنے اور فتح و نصرت کے تاریخی حقائق کے تدریجاً فراموش ہونے پر وہی جو
 پہلے قدیم نسل کا انسان تھا گھڑا کھشس بن گیا۔"

۱۔ ہند کی دیومالا میں بھی کچھ ہوا۔ رام چندر کے سُن ہومان کو دم لگا دی جو دراوڑی اشکر کا
 کمانڈر تھا اور خود بھی دراوڑ تھا۔ رامائن میں دراوڑوں (مفتوحین) کو پلچھ (پلیڈ) یا نرا بند (اور داس
 (غلام) کے القاب عطاء کئے گئے ہیں۔ رامائن، ہومر کے رزمیے ہی کی نقل کئے۔

۲۔ PROLEGO صفحہ ۳۸۶ مس ہیرسین نے ایک اور نظریے کا ذکر کیا ہے۔ "یہ نظریہ جو
 انٹی تیزی اور وسعت سے پھیلا اس امر کا یقین دلاتا ہے کہ سرخ و سیاہ نقوش والے کوزوں پر اسی انسان
 پیش کئے گئے ہیں۔ وہ کسی طور سیطر نہیں۔ ہمیں بتایا گیا ہے کہ سیطر کو سفند نما انسان تھے۔ کوزوں
 کے اسی انسان SEILENOI کہلاتے۔ اگر یہ نظریہ درست ہے تو ہماری ساری دلیل بے بنیاد ہو جاتی
 ہے۔ سیطروں سے اسی انسانوں کی مماثلت کو مسترد کرنے کے یہ معنی ہوتے کہ سیطرانی (اولیٰ عہد کی

ناجین کے مصور رب الخمر کے پرستاروں (سینٹوروں) کو شراب پیتے، لڑتے بھڑتے اور اودھم مچاتے دکھاتے۔ ایک حد تک وہ اصلیت سے کام لیتے۔ جب اول اول شراب ایسا تیز اور نشیلا مشروب رائج ہوا تو شراب خوری کے آداب سے نا آشنا ہونے کے باعث قبائل وحشت و بربیت کا مظاہرہ کرتے۔ رب الخمر کے تہواروں پر شرابیوں کی بدمستی اپنی نظیر رکھتی۔ ان کے دینی جلوں میں غضب کا جوش پایا جاتا۔ اس جنون خیز جوش اور بدمستی کی آڑ میں کرناجین نے پیلاز جیوں کو انسانوں کے درجے سے گرا دیا۔ اور حیوانوں سے جا ملایا۔ لیکن پھر جب خود ناجین رب الخمر کو اپنانے پر مجبور ہوئے تو پاکیزا اور پارسا ٹھہرے اپنی جنوں انگریزوں اور بدمستیوں پر معترض نہ ہوئے۔

نیا اور پرانا خانگی نظام

عہد جاہلیت میں زمین ہی اہم ترین تھی اور دھرتی دیوی دیو مال کی اصل، اوائلی انسان اسی سے پہلا رشتہ قائم کرتا۔ اس کے دیوی دیوتا راضی اور تحت الارضی ہوتے ناگ کی مثال بالکل واضح ہے۔ نہ چیز، پیدائش اور افزائش دھرتی دیوی کی خوشنودی پر منحصر ہوتی۔ انسان ہی نہیں بلکہ تمام جاندار اور نباتات میں اسی کے مہر و کرم سے جان پڑتی۔ اسی کی رعایت سے عورت جو بچے جنتی اور انہیں پالتی پوستی کنے قبیلے میں پہلا مقام رکھتی۔ اسی سے حسب نسب چلتا اور نسل موسوم ہوتی۔ اسی کی نسبت سے رشتے اور قرابت داریاں مرتب ہوتیں۔ عورت کو اختیار تھا کہ وہ کئی کئی مرد کرے۔ یوں اس کی

مخلوق اسے ان کی مماثلت کا انکار کیا جلتے جو رب الخمر دانی اونائی سس کو پوجتی۔
 ”پھر ان بے شمار کوزوں کے نقوش کی شہادت پر ہم انہیں اسی مرد نہ سمجھیں۔ جو رب الخمر دانی اونائی سس کی جلو میں چلتے۔ ہمیں بتایا گیا ہے کہ ٹریڈی نغمہ گو سفندی ہے۔ اسی نغمہ گو سفندی نے سیطر ڈرامے کو جنم دیا۔ پس سیطر گو سفندی خدا ہوں گے۔ یہ اسی خدا نہیں ہو سکتے۔ ان کے لئے دوسرا نام تلاش کرنا پڑے گا۔“ PROLEGO صفحہ ۳۸۷

فوقیت ظاہر ہوتی اور یہ بھی معلوم ہوتا کہ کنبے قبیلے میں اسے کلیدی مرتبہ حاصل ہے۔ اسی سے اولاد کی شناخت ہوتی۔ باپ کسی شمار و شمار میں نہ آتا۔ ماں یقینی اور قابل اعتماد رشتہ قائم کرتی۔ دروپدی کے پانچ شوہروں کی کہانی اسی حقیقت پر اشارہ زن ہے۔ پارتا میں آخر وقت تک عورت آزاد رہی۔ نسل کشی کی خاطر وہ ہر مرد سے بلا تکلف رجوع کرتی اور مرد جب ضابطہ اخلاق کی رو سے یہ فعل اس کی پاکبازی پر حرت نہ لاتا۔ پارتا کا آئین اسے ہدایت کرتا کہ وہ وطن کی خاطر تو اپنا اولاد کو جنم دے۔ پروا نہیں۔ یہ اولاد اس کے شوہر کے علاوہ کسی اور سے ہو۔ ماں کنبے قبیلے کی افضل ترین ہستی گردانی جاتی ہے۔ اس خانگی نظام کی بنا پر دھرتی دیوی اور جنم دیوی وجود پذیر ہوئی۔ زرخیزی کا خدا (جنم دیو، رت دیو) بعد میں نازل ہوا۔ فرائیڈ کے بیان کی رو سے ماں دیویاں پہلے پیدا ہوئیں۔ باپ ان کے بعد دیوتا بنا۔

آکیاؤں کی آمد کے بعد طلسم ٹوٹا۔ پرانے ارضی رشتے کچھ ٹوٹے، کچھ کمزور پڑے۔ نئے تقاضوں نے ہم جو مرد کو آگے بڑھایا۔ پیلاز جیوں کا مادری نظام شکست ہوا اور پدری نظام بروئے کار آیا۔ باپ کنبے قبیلے کا سربراہ بنا۔ ماں کا مقام پہلے درجے سے گر کر دوسرے درجے پر آ گیا۔ اب نسل باپ سے چلنے لگی۔ نسب ناموں میں اس کا نام سر فہرست آنے لگا۔ اسی کے واسطے سے رشتے ناٹے قائم ہونے لگے۔ وہی رہا، سر ٹھہرا وہی سرداری اور حکمرانی کا اہل قرار پایا وہی سب پر فائق ہوا۔

۱۔ ٹوم اور ٹیمو، صفحہ ۱۴۹

۳۔ PATRIARCHY

۲۔ MATRIARCHY

۴۔ فرائیڈ اس مسئلے کو جنسی جہت سے دیکھتا اور سیکوفین (۱۸۶۱ء) کے بیانات پر تکیہ کرتا ہے۔ اسکے نزدیک

پدری نظام میں بھی مادری نظام کے جو اہم پائے جاتے۔ ماں کا احترام اور زنا بالمجرمات (INCEST) کو قتل کے مساوی گناہ ماننا اس امر کی دلیل ہے کہ معاشرے کے قیام اور قبیلے کی بقا کے لئے مادری نظام از حد ضروری تھا۔ سحریات وال بتلتے ہیں کہ پدری نظام میں باپ کنبے اور قبیلے کی سلامتی کا ضامن ہوتا۔ اس میں سحری قوت پائی جاتی اور اس کا لمس مہلک ہوتا۔ جب خشک سالی یا وبا پھیلتی اور قبیلے کی زندگی خطرے میں پڑ جاتی

پدری نظام کی رو سے آکیاڈل کے خداز یوس کو سب پر فوقیت ملی۔ ہیرا جیسے فاتحین کے مورخین اور صنمیات وال باغی دیوی اور لٹوا کا بیوی کے رنگ میں پیش کرتے ہیں دوسرے درجے پر آگئی۔ اساطیری داستانوں میں زیوں کے معاشقے جو ایک علیحدہ فصل کا مواد فراہم کرتے ہیں۔ بالہر احرار مذکور ہیں۔ وہ پرنے درجے کا دل پھینک تھا۔ ارضی مخلوق پر جھوٹ فریفتہ ہوتا اور اختلاط جنسی سے کم پر مطمئن نہ ہوتا۔ ہیرا اسی سبب سے لڑتی۔ ویسے ہیرا نئی نہ تھی۔ زیوس اسے ہمراہ نہ لایا۔ وہ تو عہد جاہلیت کی نہایت محترم دیوی تھی اور زمین سے مربوط، اس کے اثرات اتنے گہرے تھے کہ آکیانی انہیں مٹانے کے۔ وہ آئے اور حربے جن سے یونان فتح کیا گیا اس کے حضور کند ہوئے۔ بالآخر آکیانی پیلاز جیوں کی اس دھرتی دیوی کو المپس کے کنبے میں شریک کرنے پر مجبور ہوئے۔ دراصل زیوس کی آڑ میں ہیرا نے نئی تہذیب سے بغاوت کی۔ زیوس کو پرانی تہذیب سے جوک تھی، وہ ہیرا کو نظر انداز کرنے اور غیر عورتوں سے ناطہ جوڑنے سے ظاہر ہے۔ ہیرا اور زیوس قدیم و جدید تہذیبوں کی علامتیں تھیں۔ ان کی داستان مادری اور پدری نظاموں کے تصادم کی داستان ہے۔ دونوں ہستیاں بڑی مضبوطی سے اپنی اپنی جگہ پر قائم رہیں۔

تو سمجھ لیا جاتا کہ سردار (قبیلے کا باپ) سحری توت کھو بیٹھا اور امور فطرت میں دخل نہیں رہا۔ اس کے بیٹے اسے ہلاک کر دیتے۔ اور قبیلے کی منجی کہلاتے۔ بڑا بیٹا سردار بنتا اور ایک دن باپ ہی کی طرح مارا جاتا۔ فرائیڈ اس ضمن میں بتاتا ہے کہ باپ عورتوں کی ایک کیفیت کو اپنے تصرف میں لانا چاہتا۔ "جنسی خواہشیں لوگوں کو متحد نہیں کرتیں۔ یہ تو ان میں بھوٹ ڈالتی ہیں۔" اگر ماں کا احترام لازم اور محرمات سے زنا ممنوع قرار نہ دیا جاتا تو قبائل کا شیرازہ یوں بکھرتا کہ پھر شیرازہ بندی نہ ہوتی اور لوہم اینڈ پیوہن ۱۲۴۔

سحریاتی معاشرے میں باپ اور بیٹے کے درمیان جنسی رقابت کی بناء پڑی۔ باپ بیٹا ایک دوسرے کے جانی دشمن ہوئے۔ یہ پدری نظام کا کرشمہ تھا کہ بیٹے کو ٹھکانے لگانے کی تدبیر شروع ہوئی ایدی پس کا واقعہ مشہور عام ہے جسے اس کے باپ نے رو دیا اور ہی ہلاک کرنے کی سعی کی

کروٹس دیوتا اپنے بچوں کو زندہ نکل جاتا۔ ماں کی چالاکی سے بیٹا (زیوس) بچ نکلا

مادری اور پدری نظام کی آویزش مدتوں جاری رہی۔ آرگوس کے علاقے میں سپر ایبل شرکت غیر سے راج کرتی۔ کنواری ایٹھینز شہر ایٹھینز کی نگہانی کرتی۔ اس کا کنوارا رہنا پدری نظام سے بغاوت تھی۔ ایلی یوسس کی متدس سرزمین جہاں شریک قبیلہ ہونے کی وہ مخفی رسوم ادا کی جاتیں جن کا انکشاف ہلاکت کو دعوت دیتا تھا۔ دھرتی دپھی ترہ اور کنواری بیٹی کے قبضے میں تھی۔

فاتحین کے رب الشمس کی آمد سے قبل دیلی کی کہانت گاہ پر بیسیوں دھرتی دیویاں مسلط رہیں۔ یہاں کی کاہنہ پرانے دین (دھرتی پوجا) کی داعیہ تھی۔ اور بوقت عبادت صرف دھرتی دیویوں کو پکارتی جیسا کہ تمثیل نگار ایسی کی لس کے ان اشعار سے عیاں ہے۔

کاہنہ دیوی دیوتاؤں میں سب سے پہلے دھرتی دیوی کو پکارتی ہوں جو اگلے وقتوں کی دیوی ہے۔ پھر ارض و سما کی بیٹی تھیمس کو پکارتی ہوں۔ جس کی نسبت روایت ہے کہ اس نے تر کے میں ماں سے تخت اور معبد پایا۔ اس کے بعد جیسا کہ مقدر ہے۔ دوسری زمین زاوی نیسی کو

اور پھر بڑا ہوا تو اس نے باپ کو مار بھگا یا۔ خود تاجدار ہوا۔

پدری نظام میں بیٹے نے بڑی اہمیت پائی کیونکہ آگے چل کر وہی باپ بنتا۔ پھر زرعی معیشت میں وہی دھرتی مانا کو زرخیز کرتا اور فریڈ کے بقول علامتی طور پر زنا بالمحرمان کے جذبے کی تسکین ہوتی۔ اسی رعایت سے لنگ زرعی معیشت میں زرخیزی کی علامت بنا۔ زرعی معیشت میں ایٹس ادونس اور تھور ایسے جوان دیوتا پیدا ہوئے۔ ان پر مانا دیویاں فریڈ ہوئیں اور زنا بالمحرمان کی وارداتیں بھی۔ ان پر باپ یعنی پدری نازل ہوا۔ چنانچہ ادونس کو (افرو داسٹی کے محبوب جانور) جنگلی سور نے ہلاک کیا۔ ایٹس جس پر سب ایلی (CYBELE) داری مرنی اپنے ہاتھوں آلات تناسل قطع کر کے مرا۔ پدری نظام نے ایڈی پس روگ کو جنم دیا۔ ٹوم اور ٹیبو صفحہ ۱۵۲۔ اس کے ساتھ زرخیزی کے خداؤں کے متعلق فریڈ کی گولڈن بول (GOLDEN BOUGH) کے ابواب پڑھے جائیں۔

DEMETER - ۲

ELEUSIS ۱

PHAEBE - ۵

THEMIS - ۴

KORE - ۳

پکارتی ہوں جو اگلے وقتوں کی دیوی ہے اور جسے لوگ خوشی خوشی خراج عقیدت دیتے ہیں۔ اس نے اپنے یوم ولادت کی تقریب پر بطور تحفہ تخت اور معبد کہ قدیم سے اس کے قبضے میں تھے۔ اپنے نام سمیت رب الشمس فیس کو دے دیے“ ۳

یہ اقتباس فائین کے نقطہ نظر کی وضاحت کرتا اور دھرتی پوجا کے غیر معمولی اثرات کا پتہ دیتا ہے۔ ایسی لسن یہ بھی بتاتا ہے کہ قہمیس اور جی ۴ اصل میں دھرتی دیوی ہی کے الگ الگ دو نام تھے۔ دھرتی ہی مادری نظام کی بنائے آویں تھی۔ پادری نظام کہ فلکی اور شمسی دیو مالا کی پیداوار تھا۔ ہیرا کو دوسرے درجے پر لے آیا۔ وہ عورت تھی۔ عہد جاہلیت کی معبود اور زمین سے وابستہ۔ اس کے بعد زیوس کے برادر خورد رب البحر (پوسایدون) ۵ کا درجہ آتا۔ پھر بیٹے اور بیٹیاں ماں باپ کے ارد گرد نشست سنبھالتے۔

نیا نظام پرانے نظام سے ٹکر لئے بغیر نہیں آیا۔ نئی روایت پرانی روایت پر آسانی غالب نہیں آتی۔ اگرچہ ماحول اور وقت کے تقاضے اس کی گرفت ڈھیلی کرتے ہیں تاہم جوں جوں روایت عمر رسیدہ ہوتی توں توں کتبوں قبیلوں کے خمیر میں شامل ہوتی۔ مزاج کا جزو بنتی، خون میں رچ بس جاتی اور ان کی رگوں میں جڑ پکڑ لیتی۔ عصبیت اور عقیدت اس جڑ کو سنبھالتی۔ پرانی روایت سے رگزار کرنے کے لئے خمیر بدلتا۔ مزاج درہم برہم کرتا اور پرانا خون خارج

۳۔ تمثیل یومی نیدیز کے ابتدائی اشعار

PHOEBUS . ۲

۴۔ GAIA, GAEA یہ نام آج تک علوم و فنون کی دنیا میں پایا جاتا ہے چنانچہ جو گرانی (جی اگرائی) بیولوجی (جی ایلوجی)، جیوفزکس (جی آفزکس) جیو کیمسٹری، جیو ڈیسی، جیو مورفولوجی، جیو سٹینکس ایسے متعدد علوم ہیں جو زمین (جی آ) سے تعلق رکھتے ہیں۔

POSEIDON . ۵

کرنا پڑتا۔ قصہ کھولنی پڑتی۔ عقیدت و عصیبت کے تار و پود بکھیرنے پڑتے اور یہ کام ہر کام سے مشکل تر ہوتا۔ جب بھی آدمی کو اس کے پسندیدہ اور دیرینہ عقائد سے محروم کرنا چاہا اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کا گھر، اس کا دارالامان ڈھایا جانے لگا ہو۔ اسے اس کی واحد پناہ گاہ سے نکلنے، اس کی ہستی اور ہیئت بدلنے کی تدبیر کی جاتی لگتی ہو۔ اسی لئے تو انسان نے بارہا ذہنی انقلاب قبول کرنے پر مرٹنا گوارا کیا۔

یہی کچھ اس وقت ہوا جب پدری نظام نے مادری نظام پر غلبہ پانا چاہا۔ دونوں میں بلا کا تصادم ہوا۔ اس تصادم کی ایک مثال مس ہیریسن نے نقل کی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

”یونانی دیومالا میں مادری نظام کے متعدد بچے کچھے تصورات میں سے ایک قابل توجہ ہے۔ دیوی ایتھ اینی اور دیوتا پوسائیدون کی باہمی رقابت کا قصہ سناتے ہوئے تررگ آگٹائن بتاتا ہے کہ دونوں میں مقابلے کی ٹھنی جس کا فیصلہ شہریوں کی رائے سے ہوا۔ راتے شماری میں مرد زن دونوں شامل ہوئے۔ اس عہد کے رواج کے مطابق عورتیں امورِ عالمہ میں حصہ لیتیں چنانچہ مردوں نے پوسائیدون کے حق میں اور عورتوں نے ایتھ اینی کے حق میں رائے دی۔ ایک کے بقدر عورتوں کی تعداد بڑھ گئی۔ اور ایتھ اینی غالب آئی۔ پوسائیدون کا غضب رقع کرنے کے لئے مردوں نے عورتوں کو تین سزائیں دیں۔

۱۔ انہیں راتے دہندگی کے حق سے محروم کیا۔

۲۔ اولاد کا مال کے نام سے پکارا جانا موقوف کیا، اور

۳۔ وہ دیوی سے منسوب ہو کر ایتھ ای نیائی نہ کہلا سکتیں“ تصادم کی یہ ایک اور

مثال ہے۔

۱۔ PROLEGO صفحات ۲۶۱، ۲۶۲

۲۔ ایضاً صفحہ ۲۶۲

” یہ صہمیاتی قصہ منطقی نوع کا ہے اور فی الحقیقت ایٹھینز کے معاشرتی نظام میں کسی قدر تغیر و تبدل کی عکاسی کرتا ہے۔ شاہ سیکروپس نے شہریوں کو مدعو کیا۔ یہ امر لائق توجہ ہے کہ پدری نظام کے تحت شادی بیاہ کی عالمگیر روایت کی ابتداء کا سہرا اسی کے سر ہے۔ ارسطو کے شاگرد کلیرکوس کا حوالہ دیتے ہوئے ایٹھ اینی اس کہتا ہے کہ ایٹھینز میں سب سے پہلے شاہ سیکروپس نے عورت کا مرد سے ناظمہ کیا۔ یوں تو بیاہ کی رسم عام تھی۔ لیکن تعلقات قائم کرنے میں آزادی تھی۔ اسی لئے سیکروپس کو ”دو کا جنا ہوا“ کہتے کیونکہ اس سے پہلے کسی کو اپنے باپ کا پتہ نہ چلتا۔ ہر ایک کے کئی کئی امکانی باپ ہوتے پھر جس معاشرے نے پدری نظام قبول کیا اس نے قدرتی طور پر مادری نظام کے ازدواجی قوانین کو غلط جانا اور بد نظمی پر مجبور کیا۔ بروئے روایت سب سے پہلے اسی تاجدار نے زیوس کو ارفع ترین کہا۔ غالباً ”زیوس پوجا کی ابتداء کے ساتھ ہی اس نے پدری نظام کے معاشرتی قوانین جاری کئے۔“

ایٹھ اینی کے بیان سے یہ بھی واضح ہے کہ مادری نظام میں عورت کو کبھی چھٹی ملی ہوئی تھی۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ مادری نظام عورتوں کی عشرت کاری اور بد کرداری کی خاطر تھا۔ یہ نظام قبائلی نظم و نسق کی بہتری، افراد کی بہبود اور نیک نیتی سے راجح کیا گیا۔ اس کی خوبیاں اور خوبیاں کسی دوسرے مماثل نظام سے چنداں مختلف نہ تھیں۔

اہل یونان ہر خہد میں اپنے رشتے اور راپٹے اپنی دیومالا میں منتقل کرتے رہے۔ ان کا یہ چلن بالکل قدرتی تھا۔ جب وہ تخیل کی مدد سے اپنے خدا تراشتے تو ان کی قرابت دار پولوں کے

۱۔ روایت ہے کہ CECROPS کمر سے نیچے نیچے ناگ کی صورت تھا۔ اسے زمین زادہ خیال کرتے۔ کچھ مدت تک اسے طبیکا کی ریاست جس کا صدر شہر ایٹھینز تھا اس کے نام پر سیکروپس کہا لائی۔

لئے اپنے معاشرے کو بد نظر رکھتے۔ اس سلسلے میں پدری نظام میں بڑی صحت سے مادری نظام کی پیروی کی گئی۔ اور دیو مال کو منقلب کیا گیا۔ انسانی اور خدائی معاشروں میں قرابت داریوں کی مماثلت نیشا غورث کے اس بیان سے واضح ہے۔

”عورتیں اپنی عمر کے مختلف درجوں کو وہی نام دیتیں جو دیوی دیوتا دیتے تاکہ ڈاکٹر کی کوڈوشیزہ کہتیں،^۲ سیاہنٹا کو دلہن، بچے جننے والی کو ماں اور جس کے یہاں اولاد دو اولاد ہوتی اسے ثانی یا دادی کہتیں۔ اس بیان کو الٹ دیں تو مادری نظام کا سارا فلسفہ کوڑے میں بند ہو جائے گا۔ مادری نظام کی دیویاں انسانی زندگی کی عکاسی کرتی ہیں نہ کہ عورتیں دیویوں کی زندگی کی۔“

پیلایز جیوں کی دیو مال میں اسی طور مادری نظام کا عکس ملتا جس طور آکیاؤں کی دیو مال میں پدری نظام کا۔ پیلایز جیوں کے یہاں دھرتی ماتا دہی تر اور اس کی بیٹی کوری کو سب پر فوقیت حاصل تھی۔ کوری جو کنواری اور کنیز کا نہہیم ادا کرتی دختر ارض تھی۔ دہی تر سب دیویوں کی ماں تھی بہر زعم مقامی دھرتی ماتا یا زمینی جل پری کو ماں کہتا۔ زمینی جل پری صرف مردوں ہی کی نہیں بلکہ تمام جانداروں کی جنم دیوی ہوتی۔ انسانیت والوں کی تحقیق کے بموجب جنم دیویوں کا وجود قدیم ترین ہے۔ انہی پر ارضی اور حیوانی زرخیزی کا دار و مدار تھا۔ انہی کے بعد جنم دیو، رت دیو اور رب النحر پیدا ہوئے۔ یہ خانگی نظام کے بدلنے سے ہوا۔

نیا خانگی نظام اپنی جلو میں نئی دیو مال لایا۔ پرانی تہذیب کے پرستاروں نے نئے دیوی دیوتاؤں کو طوعاً و کرہاً اپنے یہاں جگہ دی۔ ویسے آکیائی اپنی دیو مال کو خوب چکا دمکا کر لائے۔ پائال کی تارکیوں کی بجائے انہوں نے آسمان کے اجالوں کا خیر مقدم کیا۔ وہ زمین پرست نہیں۔ فلک پرست تھے۔ عسکری قوت کے علاوہ تازہ فکری آلات سے

لیس تھے۔ ان کے نظریات میں نیاپن تھا۔ بلند پروازی تھی اور لچک بھی بڑھنے پھیلنے کی صلاحیت تھی۔ ان سے معاشرتی انقلاب اور مردانہ خانگی نظام کے تقاضے پورے ہوتے پیلارچی پرانی روایتوں سے چمٹے رہنا چاہتے۔ زمین سے واسطہ رکھتے بلکہ اس سے چمٹے رہنے اور اسی لئے امن پسند اور قانع ہو کر رہ گئے تھے۔ ان کی امنگیں کھیتوں میں بونی جاتیں اور وہیں اگتیں۔ اس سے آگے نہ سوچتے، نہ دیکھتے، ان کی سوچ اور ان کا فلسفہ اپنی زمین تک محدود تھا۔ گوان کی بعض روایتیں کم فطری اور کم جاندار نہ تھیں تاہم انہیں نیا دین قبول کرنے اور دھرتی پوجا کے ساتھ ساتھ فلک پرستی اختیار کرنے ہی میں اپنی سلامتی نظر آئی۔

جب تک اور جہاں تک بن پڑا۔ انہوں نے اپنے پرانے دین سے وفا کی۔ انہی کی وفاواری اور استواری یوں رنگ لائی کہ ان کی ایک دیوی بیٹو آکیاؤں کے رب الشمس اور شکار دیوی اطمس کی ماں بنی۔ رب الخمر (اور رت دیو) اطمس کے کنبے کا معزز رکن بنا۔ ہیرا اور ایٹھ اپنی دھرتی سے اٹھ کر فلک پر پہنچیں۔ پاتال کہ ارواح کا دارالقرار تھا نئے دیوتا ہیدیز کی تحویل میں چلا گیا۔ ایلیمس کی مٹھی روم جوں کی توں قائم اور پراسرار رہیں انہی نے زمین اور آسمان کو متوازی اور مساوی نہ سہی۔ ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ رکھا۔ آسمان کو پہلا درجہ ملا۔ زمین دوسرے درجے پر آگئی۔

اطمس، نیا مرکز فکر و نظر

آکیاؤں نے دھرتی کو چھوڑ کر فلک سے ناٹھ جوڑا۔ اطمس ان کے خیال کی رفعت اور

اجنگل آدمی کا پہلا مسکن تھا۔ یہیں وہ درندہ بن کر رہا اور شکار اس کا بنیادی مشغلہ، اس ضمن میں شکار دیوی کی پوجا بالکل قدرتی تھی۔ پھر جب وہ جنگل سے نکل کر زرعی دیبا میں آیا۔ ہل پھلانے اور جالور پالنے انکا نیر زراعت کے سلیقوں سے آٹا بنا ہوا تو اس نے زرعی معیشت، معاشرت اور زرعی تہذیب ثقافت (ایگری کلچر) کی داغ بیل ڈالی۔ اب یہی ترتیب تھی جو اناج دیوی بھی تھی۔ اور دھرتی دیوی بھی یہ دیوی زرعی زمین سے تعلق رکھتی۔ بغیر زرعی زمین سے نہیں۔

وسعت کی علامت تھا۔ بڑی بڑی دھرتی دیویاں آقا بان فلک دربار برق و رعد، رب الشمس وغیرہ کی معیت میں اُلپیس پر چلی گئیں اور پوری نظام میں شامل ہوئیں۔ یہی وہ لازوال اور فلک برس پہاڑ تھا۔ جس پر نئے خدا زئوس کی قیادت میں پرانے خداؤں سے برسر پیکار ہوئے۔ کروانس کے طرفدار بڑے بڑے پتھر، چٹانیں اور پیٹرا کھارڈ کرا اُلپیس پر حملہ آور ہوئے۔ رب برق و رعد نے مضبوط قلعہ بندی کی، کالی گھٹائیں چھوڑیں، راستے دھندلائے اور بزرگ خداؤں کو گمراہ کیا۔ پھر بجلی چمکا چمکا کر ان کی آنکھیں چندھیائیں۔ دس سال تک اُلپیس کے ہولناک محاذ پر چشم فلک نے قیادت کا سماں دیکھا۔ دس برس تک اس شد و مد سے جنگ ہوئی کہ زمین کی قوت برداشت معرض خطر میں پڑ گئی۔ اُلپیس ہی تھا کہ یہ حد سے سر گیا۔ اسے تو جیسے کائنات کے صدمے پہننے کے لئے بطور خاص بنایا گیا تھا۔ بالآخر زئوس کہ نئے نظام کی علامت تھا کامیاب ہوا اور اس کا باپ ہارا۔ اس کے بعد اُلپیس فاتح خداؤں کی اقامت گاہ بنا۔

اُلپیس کی دیویاں

نئے نظام کے تحت آسمان پر جو زمینی مخلوق پہنچی اس میں معزز خواتین شامل تھیں کہ انہیں ہر عظمت زیب دیتی۔ زعیم کے برابر درجہ رکھتیں۔ صفت اول کی دیویاں رب الارباب زئوس کی قرابت دار بن گئیں اور ان سے کم رتبے والیاں خدائی کنبے کی خادمائیں۔ جو اُلپیس

۱۔ خداؤں کی جنگ کے حالات ارضیات دانوں کے دریافت کردہ بعض حقائق سے نہایت خوبصورت رشتہ اور مماثلت رکھتے ہیں۔ زمین میں بائٹھ پڑنا۔ پہاڑوں کا نمودار ہونا۔ چٹانوں کی سطح کا ٹلنا جسے ارضیاتی اصطلاح میں FAULT کہتے ہیں۔ آتش فشانی، زلزلوں کی بھرمار اور تخلیق عالم کے باب میں متعدد ایسی باتیں سامنے آتی ہیں جن کی جھلک مخصوص افسانوی رنگ میں اساطیری کہانیوں میں ملتی ہے۔ ارضیات اور صنمیات کا تقابلی مطالعہ نئی راہ سمجھانا ہے نیز ادنیٰ انسان کے شعور کی پیمائش کے لئے تیسری جہت قائم کرتا ہے۔

کے لائق نہ نکلیں اور زمین ہی پر رہیں انہیں نیک روحیں مان کر آکیاؤں نے اپنی تحویل میں لے لیا۔ باقی کو بد روحیں قرار دے کر پیلا زجیوں کے حوالے کیا۔

تشلیت کا معجزہ

مادری نظام ماں کی دوسری شخصیتوں پر مشتمل تھا۔ ایک ماں کہ دھرتی دیوی اور جنم دیوی (یا جنم ماتا) ہوتی اور دوسری اس کی دو شیرہ بیٹی (کوری) ہوتی۔ کوری کبھی کبھی کنیز بھی ہوتی لیکن صورت حال سدایوں نہ رہی۔ ماں اور بیٹی کا طلسم توڑا اور نسائی تشلیت کو رواج دیا گیا چنانچہ آکیاؤں کی روایات کے بموجب خیر اور لطافت کی تین دیویاں تھیں۔ ا۔ پیار کی یہ دیویاں ابتداء میں دھرتی دیویاں تھیں۔ پھر تہذیبی زیر و زبر کی بدلت تہر و غضب کی دیویاں بنیں۔ آکیاؤں نے از رہ مصلحت انہیں خیر اور لطافت کی دیویاں بنا دیا۔ ان کے ماں باپ مختلف بتائے جاتے۔ اساطیری داستانوں میں انہیں ثانوی مقام دیا اور کسی بڑی دیوی سے منسلک رکھا گیا۔ ان کی بارہ (۳x۳) خادما ہیں تھیں۔ عقل و دانش کی دیویاں جن سے علوم و فنون کی اشاعت ہوئی (۳x۳) نو تھیں۔ رت دیویاں بھی جو گرمی، سردی اور بہار سے وابستہ کی گئیں تین تھیں۔ یہ زیوس اور تھیسس کی بیٹیاں تھیں گورگنیں بھی تین تھیں اور ان کی بہنیں گرانی آ بھی اتنی ہی تھیں۔ ایک آنکھ ایک دانش

CHARITIES, GRACES . ۱

۲ MUSES میں CALLIOPE وزمیر شاعری سے CLIO تاریخ سے ENTERPE نے

نوازی سے TERPSICHORE رقص سے MELPOMENE ایسے سے THALIA طریقے سے

ERATO برہم سے POLYHYMNIA منبرک گیت سے اور GRANIA نجوم سے وابستہ تھی۔

HORAE . ۳

۵ ان کے نام STHENNO بمعنی قوت EURYALS بمعنی پرے درجے کی ادارہ گرد اور میدوسا

بمعنی ملکہ تھے۔ ان کی صورتیں مہیب اور آنکھیں چکدار تھیں۔ بالوں میں سانپ لہراتے چہرہ ہمیشہ مہیب نہ بناتے بلکہ دلاریز بھی بناتے۔ ڈھالوں پر ان کے سر کا نقش بناتے جسے دیکھ کر لوگ خوف زدہ ہو جاتے۔

اور سفید بالوں والی بڑھاپے کی یہ دیویاں گورگنوں کی نگہبانی کرتیں۔ تقدیر کی دیویاں موٹی رانی جن کا حکم ربُّ الارباب بھی نہ ٹال سکتا تین تھیں۔

مورخ پلوتارک اور سیاح پلو سے فی ایس کے بیانوں سے پتہ چلتا ہے کہ بعض دیویاں اوائل میں دو تھیں۔ بعد میں تین ہوئیں۔ چنانچہ ایتھینز والے قدیم الایام میں خیر و لطافت کی صرف دو دیویوں، آکسو اور ہیگے موٹی کو پوجتے۔ بعد مقدس پہاڑی آکروپ اولس کی عبادت گاہ کے دروازے پر خیر و لطافت کی تین دیویوں کے بت نصب ہوئے۔ یہی صورت سپارٹا میں پیدا ہوئی۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ جب یہ دیویاں دو تھیں تو ماں اور بیٹی کا روپ تھیں۔ تین ہوئیں تو بہنیں بن گئیں۔ یہ تبدیلی آکیاؤں کی مہربانی سے ہوئی۔ وہ مادری نظام کو کلیتہً معدوم تو نہ کر سکے تاہم انہوں نے مادری نظام کا زور توڑا۔ اس نظام کی قوی اور کلیدی ہستی ماں غائب کر دی۔

جنس قوی کے لائے ہوئے نظام میں باپ بیٹے کے سوا تیسرا کوئی نہ ہوتا۔ مادری نظام میں ماں اور بیٹی ہی سب کچھ تھیں۔ آکیاؤں نے تثلیث وضع کی جو ہمیشہ کنواریوں پر مشتمل رہی۔ یہ آپس میں بہنیں ہوتیں۔ انہیں کبھی ماں نہ بنتے دیا۔ میاوا شکستہ مادری نظام پھر پروان چڑھے۔

میدوسا پر رب البحر پلوسائیڈون فریفتہ تھا۔ مرتے وقت رب البحر کے نطفے سے حاملہ تھی۔ اس کے بچے سے بُراق PEGASUS پیدا ہوا۔ اس کا سر دیکھنے والا پتھر اجاتا۔ یہ وصف مرتے کے بعد بھی رہا۔ اسی بنا پر سلامتی کے لئے فرنیچر اور زیورڈوں پر اسے نقش کرتے۔

AUXO - ۲

- MOIRAI - ۱

GRAIA - ۲

HEGEMONE - ۳ پر وفسر ڈینیل جونز مولت AN ENGLISH PRONOUNCING

DICTIONARY اس کا دوسرا تلفظ ہے جی موٹی بتاتے ہیں۔

ACROPOLIS - ۴

بلوتارک کی شہزادہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات مال اور بیٹی جوں کی توں
 رہیں۔ شکیستہ نہ بنی۔ جہاں عہد جاہلیت کے دین (دھرتی پوجا) کا سکہ رواں رہا وہاں صرف دو
 دیویوں (مال اور بیٹی) کا راج رہا۔ یہ دوہری نسائی ہستیاں کامل وجود رکھتیں۔ دھرتی دیوی دیکھتی تر
 اور کوری اس کی واضح مثال ہیں۔ ان میں تیسری کو کسی طور راہ نہ ملی۔ البتہ جہاں تکمیل کے تمام
 مراحل ملے نہ ہوئے۔ شکیستہ نمودار ہوئی۔

۱۔ اساطیری داستانوں میں ایلپس کی ایک نسائی شکیستہ کا واقعہ توجہ طلب ہے اس کے کردار ہیرا، ایچہ
 اپنی اور افرودائٹی عظمت و رفعت کے باعث لازوال ایلپس پر قیام رکھتے۔ شاید یہ دیویاں گھل مل کر
 رہیں لیکن فساد کی دیوی اسے (ERIS) نے انہیں آپس میں لڑایا اور ان میں پھوٹ ڈالی
 ابھی کی محاسبت کے باعث ایلپس کی دس سالہ جنگ چھڑی۔ دراصل یہ جنگ انسانوں نے نہیں
 دیوی دیوتاؤں نے لڑی۔ انسان تو کٹھ پتلی بنے رہے۔ گومورخین اساطیری اساطیری صداقت تسلیم نہیں
 کرتے۔ ان کے نزدیک ایلپس کی ہولناک جنگ یونانیوں کے جذبہ ملک گیری اور ہوسناکی کا کرشمہ تھی۔
 وہ تمام عالم کو اپنی شاہراہ بنانا اور ایلپس کا مضبوط قلعہ سر کرنا چاہتے جو ان کی توسیعی عزائم کی راہ میں حائل تھا
 تاہم اساطیر وال اپنی سی کہتے۔ ہومر کی ایلپس اور یوری پیدیز کی تمثیل کو ملا کر پڑھیں تو داستان یوں مرتب
 ہوتی ہے

ایلپس پر شاہ پیلپس (PELEUS) اور بنت ابھر تھیسٹیس (THETIS) کے بیاہ کی تقریب
 پر سب دیوی دیوتا جمع ہوئے لیکن موقع کی رعایت سے اس میں مدعو نہ کی گئی۔ اسے یہ بات سخت ناگوار گزری
 اس نے پھوٹ کا بیج بونے کی ٹھان لی اور بھری مٹھی میں آکر سنہری سیب پھینکا۔ جس پر کھا تھا بکتائے
 حسن اسے لے لے، ہیرا ایچہ اپنی اور افرودائٹی نے اس پر حق جنایا۔ ایلپس کے شہزادے پیرس
 کو اپنی دیوتا ہرمیز نے زبردستی منصف مقرر کیا۔ دنیا کے اس پہلے مقابلہ حسن میں دیویوں نے خود کو اپنے
 اپنے مخصوص انداز میں سنوارا۔ ہیرا نے مدوگاد کے بغیر حجاب درست کیا۔ آری کے سامنے نظروں کے تیور
 سنوارے۔ ایچہ اپنی نے دارے والی خالقاہ پر جا کر غسل کیا۔ سر پر اونچا خود رکھا اور ڈھال سنھالی
 افرودائٹی کے دلاؤ بڑ بازو پر ہیرا کے دیوتا نے کڑا چڑھایا۔ پھر افرودائٹی نے چالاک کی اور پیرس کو لالچ
 دیا کہ اگر اس نے اسے سنہری سیب کا حق دار قرار دیا تو وہ ریشوت کے طور پر دنیا کی حسین ترین عورت، شاہ

مادی نظام کو پوری طرح تمام اور دوسری ذات والی سربراہ ماں کو کالعدم کرنے کے لئے تسلیمیت کا حربہ نہایت مؤثر ثابت ہوا۔ ویسے اوائل عہد میں تین کے عدد کو بڑی اہمیت حاصل تھی جس ہیری سن اس کی یوں تشریح کرتی ہیں:-

”پہلے اور غالباً سب سے پہلے مردوں اور تحت الارضی دیوی دیوتاؤں میں کسی نہ کسی وجہ سے تین کا عدد متبرک تھا۔ چنانچہ مردوں کو تین بار پکارا جاتا تیسرے دن ان کے نام پر قربانی دی جاتی۔ یونان کے بعض حصوں میں تین دن ماتم کیا جاتا۔ آری اوپا آگس کی عدالت میں یہ تحت الارضی دیویاں نگران رہتی تین دن تک برسرِ اجلاس

میں رہے اس کی بیوی ہیلین اس کی نذر کرے گی۔ تینوں دیویاں نے نیپٹھیں۔ زیوس کے حکم پر بربط نواز ہرمیز انہیں ابد پہاڑ کے غار میں منصف کے رو بروئے کیا۔ ہیراسل منے آئی تو پیرس اس کے حسن کی تاب نہ جھیل سکا اور اس نے لقب سے منہ ڈھانپ لیا۔ دیوی سرسبستان و شوکت کی علامت تھی۔ ایتھ اینی بھی کسی سے کم تر نہ تھی۔ کبھی سراپا دانش تھی تو کبھی جنگ کی علمبردار، افرودائٹی سراپا پیار تھی۔ اور نوجوانوں کو پیار ہی سب سے زیادہ مرغوب تھا۔ یہاں انصاف سے زیادہ انتخاب بد نظر تھا اور مقدمہ بھی PROLEGO (صفحات ۲۹۲۔۔۔ ۳۰۰)

نوبر و پیرس نے افرودائٹی کو سنہری سیب تھمایا اور ہیلین کا حق دار ٹھہرایا۔

بالآخر شرارت کا پتہ چل گیا، ہرمیز کے ذریعے اصل ہیلین کو فرعون پر و طیوس کے ایوان میں پہنچایا گیا۔ پیرس کے ہمراہ جعلی ہیلین گئی۔ یونان کے حکمران ایلینوں پر چڑھ دوڑے۔ افرودائٹی نے ہیلین اور اہل ایلینوں کی طرف داری کی۔ ہیرا اور ایتھ اینی نے ان کی مخالفت۔ زیوس کے علاوہ دوسرے دیوی دیوتا بھی جانب دار ہو گئے اور یوں ایلینوں کی جنگ دیوتاؤں کی جنگ بن گئی اسی لئے دیوتا کروس اور اس کے بیٹے، زیوس کی جنگ کی طرح طروتے (ایلینوں) کی جنگ کبھی دس سال تک جاری رہی۔

مقابلہ حسن قدما کی دھرتی دیویوں کو خنیف کرنے اور آپس میں لڑانے کا بہانہ تھا۔

۱۔ ایتھینز کی یہ قدیم عدالت بہت اہم ادارہ تھی۔ یہاں نہ فقط قتل کے مقدمات فیصلہ ہوتے بلکہ

قانون، دستور اخلاق، تعلیمی امور اور منصفوں کی نگرانی کی جاتی۔ یہیں اور سیٹیز کو اپنی ماں اکلانی طیم نیسٹرا کے قتل پر معاف کیا گیا۔ اس طرح مادی نظام کی ماں کا احترام تمام ہوا اور دھرتی دیویوں کا زور ٹوٹا۔

رہتی۔ تہری ذات والی پاتاں کی ہیک آتی اتین طرح بچتی۔ یہ سہل اور عین فطرت تھا کہ تہری ذات والی دیویاں ریت کی نگرانی کرتے آئیں۔ پھر جب زمین تلے کی دیویاں زرعی ریتوں کی نگران ہوئیں تو دو کی بجائے تین موسموں کا رواج پڑا۔ دو موسموں کے لئے دوسری ذات کی دیویاں کا قیام تھا۔ زرعی نگرما کے لئے مادر گیتی اور منجر سرا کے لئے کوری لیکن جیب موسموں کی تعداد تین ہوئی تو تثلیث کی ضرورت لاحق ہوئی یا کم از کم اس کا خیر مقدم کیا گیا۔ ۲

بہر حال نئے نظام نے اپنے استحکام کی خاطر تثلیث کے حربے سے ماں کو سابقہ حربے سے محروم کیا اور اسے دوشیزہ بنا دیا۔ گو ہیرا ماں ہی رہی لیکن اسے زیوس کے کنبے میں دوسرا درجہ ملا۔

ہیرا :- زیوس اور ہیرا کے بیابہ سے انسانی تاریخ، ثقافت اور معاشرے میں نئی روایت کی داغ بیل پڑی۔ جنسی تعلق میں گھریلو پن آیا۔ یہ ریت المپس کے آقاؤں کی لہجہ زبانی بلکہ انسانوں کے چہن کی آئینہ دار تھی۔ ابتدا میں یہ ریت ناپید رہی۔ تب جنسی تعلقات میں قرارتہ تھا۔ مرد و زن میں جنسی مفاہمت تو ہوتی ہوگی، عورت غالباً خود مختار اور آزاد تھی۔

ہیرا کہ زعمیم حسین کی سرپرست کے طور پر مشہور ہے۔ زیوس سے قدیم تر اور مادی نظام سے وابستہ ہے۔ عہد جاہلیت میں اسی کا بول بالا تھا۔ اس کا معبد ٹائی رے ای اوں

۱:- HECATE جادو گروں اور چڑیلوں کی نگہبان تھی۔

۲:- PROLEGO صفحہ ۲۸۸ -۳ JASON

۳:- HEIRAION مس پیرس کے علاوہ اسے۔ بی سبک جن کی تالیف "زیوس" نہایت بلند پایہ خیال کی جاتی ہے اور ایچ ڈی طرہ بتاتے ہیں کہ ہیرا اور زیوس نسلاً ایک

انگ تھے۔ ان کا بیابہ ہیرا ہوا انک کے یہاں مسئلہ بڑی تفصیلی سے مذکور ہے۔

زیوس کے معبد سے بہت پہلے معرض وجود میں آیا۔

قدیم آیام میں سے موس کو "دوشیزہ کا جزیرہ" (پارتھینا) کہتے اور ہیرا سے منسوب کرتے۔

آرگیدیا کے ایک دور افتادہ حصے میں ہیرا کے تین معبد اور تین لقب تھے پہلے وہ بچی کہلائی، زیوس سے بیاہ کر کے زنِ کاملہ اور الگ ہو کر بیوہ کہلائی۔ زنِ کاملہ وہ پہلے بھی تھی لیکن نئے نظام میں زوجہ ہی زنِ کاملہ متصور ہوتی۔ عہد جاہلیت کی ماں زنِ کاملہ کو ایک نئے واسطے سے زنِ کاملہ بنا پڑا۔ رشتہ رازدواج میں منسک ہونے کے بعد اس کی سرکشی ایک قدرتی ردِ عمل تھا۔ پدری نظام اس کی خود سری کو دبانہ سکا۔ اسی طرح ہیلن کا اپنے شوہر میں اسے لے اس کو چھوڑ کر ایون کے شہزادے کے ساتھ بھاگ جانا۔ اس کی بہن کلانی طیم نیسٹرا کا اپنے شوہر دین اے لے اسکے بھائی، ایک میمنون کو مارنا اور اپنے عزیز ایلچسٹس سے حسنی رابطہ قائم کرنا دراصل مادری اور پدری نظام کا تصادم تھا۔

ہیرا حقیقی طور پر بیوی نہ بنی اور زیوس سچا شوہر نہ بنا۔ گویا الپس پر قاتلین اور مفتوحین کے ادیان متصادم رہے۔

اتھنایا کی :- زیوس اس خوف سے اپنی پہلی بیوی میٹس کو نگل گیا کہ کہیں وہ

اس سے قوی تر نہ بنے۔ غیب دان پرومی تھوس یا صنایع دیوتا ہی رھیس ٹس نے کلہاڑا

۱:- ARCADIA بلیشر بہاڑی علاقہ تھا۔ بالخصوص اس کا شمالی حصہ یہاں کے

لوگ خود کو قدیم ترین یونانی بتاتے۔ ہرمیز اور پین دیوتا ہیں کے معبود تھے۔ ایک روایت

کی رو سے زیوس نے یہیں جسم پایا یہی رب الشمس کا معروف معبد تھا۔ زیوس

کے ایک بیٹے سے لوگوں نے اپنا نام لیا۔

۲:- HEPHAESTUS

۳:- CHERA

۴:- TELEI

مار کے زیوس کا سر بھوڑا اور یوں ایتھ اینی ماں بن کے پیدا ہوئی۔ وہ صحیح معنی میں پار تھی نوکس کنواری تھی۔ اس کے شہر ایتھنز میں پار تھی نون دایوان دوشیزگی اس کی قیام گاہ بھی تھا اور عبادت گاہ بھی۔ مادری نظام میں مادرِ رعساء تو تھی لیکن اصل مادر نہیں بلکہ رضائی مادر تھی۔ وہ تو کنواری تھی۔ اور اصل مادر دھرتی دیوی جی آ تھی۔ زعمیم پیرا کلیر کی محسوب تھی۔ مہات میں اس کی نگہبانی کرتی اور مشکلیں آسان۔

اس کی نام کی اصل ایتھ ای نامیا ہے۔ اس تو صیغی نام کے معنی ”ایتھنز کی دوشیزہ“ ہے۔ نام سے پہلے بلیس آیزا کرتے جو خاتون کا مترادف تھا۔ اخلاطون نے اس لائق صد احترام اور قابل پرستس خاتون کی نسبت کہا :-

”میرے خیال میں ہماری دوشیزہ اور محبوبہ جو ہمارے درمیان رہتی ہے رقص کے مشغلے سے لطف اندوز ہوتی ہے۔ خالی ہاتھوں شغل فرماتی لیکن زرہ بکتر سے سہرا پالیں رہتی اور یونہی رقص کو پارہ تکمیل تک پہنچاتی۔ ہمارے جوانوں اور ہماری کنواریوں کو دیوی کی پیروی مناسب ہے۔“

اور مس ہیریس کے بقول مدوہی تو ایک تھی جس نے اپنے جوانوں اور کنواریوں کی نکال کی۔ وہ ان کی زندگی اور سستی کا سچا روپ تھی۔ وہ انہی کی طرح ناچتی۔ جب وہ لڑتے تو لڑتی۔ پھر جب وہ روشنی اور منطق والی نسل کے روپ میں اتر کر نو پیدا ہوئے تو وہ باپ کے سر میں سے پیدا ہوئی۔

یونانیوں کے یہاں نہایت دلکش گردشِ نقش و عمل پائی جاتی۔ پہلے تو وہ اپنی زندگی کے خط و خال، اپنے شعور، اپنے ماحول نیردہی و اخلاقی تقاضوں کے مطابق اپنے دیوتا تراشتے، ان میں اپنا رنگ بھرتے، ان کی آڑ میں اپنی ذات کی ترویج کرتے، انہیں

مثالی بناتے اور پھر ان خود ساختہ دیوتوں کو پوجتے، مشعل راہ بناتے۔ ایک اعتبار سے وہ اپنے ہی گرد گھومتے۔ اگر پوتا اپنے پیاروں کی نقل تھے تو بچاری اپنے دیوتاؤں کی نقل تھے۔

کوری اور سیلیس ہم معنی تھے۔ لغت دان سوتیس دس اس کے معنی عظیم دوشیزہ بتاتا مصری تھی نیز کے ادیان کا ذکر کرتے ہوئے سطرے بوذی قدر خاندانوں کی ان دوشیزاؤں کا حال بیان کرتا ہے جنہیں زیوس کی نذر کیا اور پلیدیز کہا جاتا ہے۔ پلیدیم کی قدیم عدل گاہ مقامی دوشیزہ کے زیر اقتدار ہوتی۔ اپری ادپ آگس کی متبرک عدالت میں سیلیس کا بت نصب تھا۔

ایتھ اینی کے آغاز اور ارتقاء کی کہانی شہر ایتھنز کے آغاز و ارتقاء کی کہانی ہے۔ اس سلسلہ ارتقاء میں دین سے بڑھ کر سیاست کی کڑیاں ملتی ہیں۔ عہد پارہیت میں وہ رب البحر پوسائیڈون کی شریک عظمت تھی۔ رب البحر ایتھنز کے قدیم رؤسا کا معبود تھا۔ پدیری نظام کے زیر اثر وہ اسے اپنا جد امجد بتاتے۔ جاگیر داری کے بعد جمہوریت نے پر پرزے نکالے تو دیومالا میں نئے نقوش ابھرے۔ ایشیائی عمل میں ایتھ اینی کے بعض حسین پہلو معدوم ہو گئے ”لوگوں نے اسے بے جنس کر کے رکھ دیا، نہ وہ مرد رہی نہ عورت سنگتراش فائیڈی ایس کے پار تھی نوس (کنواری) کے مجسمے کی مانند اس کی ذات سے بعض اوصاف وابستہ کر دیئے گئے۔ یوں وہ ایک خاص مقصدیت کا منظر بنی۔ آخر میں محض صناعتی کا نمونہ، ایک غیر حقیقی شے ہو کر رہ گئی جو ہمیں کبھی متاثر نہیں کرتی۔ اصل میں وہ تائیکس، شہر کا مقسوم تھی۔ اہل شہر کا معبود حقیقی دیوی نہ تھی۔ شہر تھا۔ گروہ عثمانی کالانانی محبوب بھی شہر تھا۔

TYCHE . م PHEIDIUS . م SEXLESS . م PALLADIUM . م

۵۰ پر و فیبر کلیرٹ کی تالیف ANCIENT GREEK LITERATURE صفحہ ۸۱، ابوال

PROLEGO صفحہ ۳۰۲

سب سے بڑا تصنع اس کی داستان ولادت میں موجود ہے۔ بقول ہومر "اس کی سہات برق

کے طور پر باپ کے نور سے درخشاں ہوئی"۔ اس داستان میں ایک راز ہے۔ دیوی کو اس بہانے مادر گیتی کے قدیم رشتے سے رہا کر لیا گیا۔ اب سے وہ زمین کی ندر ہی، جنس فلک بن گئی۔ نئی دیو مالانے اسے اپنا لیا۔ وہ طلوع آفتاب پر جنم پاتی۔ "مائی پیرین کے پر نور صاحبزادے رب الشمس اپالونے کچھ دیر کے لئے اپنے تیز رفتار گھوڑوں کو لگام دی۔"

ایتھ اینی کی اس نئی اور غیر حقیقی صورت کو سیارت اور ادب نے جنم دیا۔

قدیم ایتھ اینی کو ناگ دیو سے نسبت تھی۔ ناگ دیو اس کے قہر و غضب کا مظہر تھا۔

وہی اس کے معبد کی نگہبانی کرتا۔ آئینہ میں یہ ناگ دیوی کے مجسمے کے پول میں ڈھال

تلیے پڑا رہتا۔ یہی شہر کا مقسم تھا۔ ہیرودوٹس بتاتا ہے کہ جب ایرانیوں نے قلعے کا محاصرہ

کیا تو ناگ نے شہر کی روٹی کھانی چھوڑ دی۔ یہ روٹی ہر مہینے اس کی نذر کی جاتی۔ جب

پر دہشتی نے بتایا کہ ناگ دیو نے نذر قبول نہیں کی تو لوگ خوف زدہ ہوئے اور خود کو خیر

محفوظ سمجھ کر شہر سے چلے گئے!

بعض نقوش و تصاویر سے استناد کیا جاسکتا ہے کہ ناگ ایتھ اینی ہی کی ذات

کا حصہ تھا۔

عہد جاہلیت میں اس میں بعض حیوانی علامات پائی جاتیں اور اس کے مجسمے سے عیاں

ہوتیں۔ اس کے سر پر خود ہوتا جو اسے انتقام کی دیوی ظاہر کرتا۔ جب ایری ادب آگس کی

عدالت نے پرانا نظام عدل جس کی بنیاد خون کا بدلہ خون پر تھی۔ بدل دیا۔ ماں (کلائی طیم نیٹرا)

کے قاتل بیٹے (اور بیٹیز) کو پدری نظام کی فضیلت جتانے کے لئے رہا کر دیا۔ تو دیوی بھی بدل

گئی۔ انتقام کے منصب سے دستبردار ہوئی۔ نورہ منطلق اور حریت کی علامت بن گئی۔ اس

کے ایجا پر قہر و غضب کی دیویاں خیر و لطافت کی دیویاں بن گئیں۔

۱۔ ہسٹریز صفحہ ۴۴ (کتاب ہشتم)

نئی ایتھ اینی نے جنم لیا تو وہ پرانی تہذیب کے امانتداروں، پیلازینیوں کی زہری
 نئی تہذیب کے علمبرداروں، آکیاڈوں کی بنی۔ زمین کی بجائے فلک پر اقامت گزین ہوئی
 افرودائٹی

مس ہیریس کی راتے میں وہ کٹواری تو ہے لیکن کنواری کی بنا پر نہیں بلکہ جمال و رعنائی
 کی بنا پر۔ ویسے وہ زمینی جل پری اور عروس تھی۔ قبرص کے سمندر کے جھاگ میں سے نکلی۔
 افرودائٹی کے معنی ہیں کف زائیدہ۔ تبھی تو جل پری ہوئی۔ رہی عروس کی بات سو وہ لفظاً
 عروس تھی۔ عملاً نہیں۔ آزاد منش تھی۔ پوری نظام کی الجھنوں سے حتی المقدور بچتی رہی
 وہ ماوری نظام کی معتبر ہستی تھی۔ زیئوس کے لنگڑے اور بد صورت بیٹے ہی فیس طس کی
 برائے نام بیوی تھی۔ ہومرنے ایک گیت میں اسے محبت کی ماری بتایا۔ گیت سے یہ بھی ظاہر
 ہے کہ ایلپس کے ایوانوں میں اس ملکہ حسن کو اجنبی کے طور پر قبول کیا گیا۔ اسے بس گوارا کر لیا
 گیا۔ مقامی طور پر جنوب کی دیوی تھی اور سرد شمالی علاقے میں رہنا ناپسند کرتی۔ شمال میں تو بس
 شکار اور زرخیزی کی دیوی اٹس ہی رہنا پسند کرتی۔ افرودائٹی ہر وقت ریاں تڑاتی اور فرار
 ہوتی رہی۔ اس کا وہی حال رہا جو رب الخرب ایبز (میرج) کا رہا۔ اسے ہر دم اپنے گھر کا
 فکر دامن گیر رہا۔

فائین کے خیال میں وہ عیش و عشرت کی دلدادہ تھی۔ ہومرا سے کیتھریا اور کیرس کے
 نام سے یاد کرتا۔ آہنگر دیوتا کی بیوی کے طور پر کیرس کہلاتی۔
 ہومر کے یہاں یہ ایک شعبے کی دیوی تھی۔ اور ایک ہی انسانی جذبے کی حامل رہی۔
 قبل ازیں جیسا کہ مذکور ہوا دیوی دیوتا کے نام اور ہومرنے مولا ہوتے۔ عبوری دور میں مفتوحین
 اور فائین کی دینی و تہذیبی کشمکش نے کچھ انتشار پیدا کیا۔ دیوتا ایس اور دیوی دیوتا

- ۱۔ ماوری نظام کی جل پریاں زمین سے وابستہ ہوتیں اور اسی بنا پر زمینی جل پریاں کہلاتیں۔
 ۲۔ ARES ۳۔ KYTHEREIA ۴۔ KYPRIS ۵۔ CHARIS

خلط ملط ہوئے لیکن پھر آکیڈوں کے فطین و ذہین شاعروں اور مفکروں نے ابہام و انتشار کا انسداد کیا۔ دیوی دیوتاؤں کے اوصاف، مدارج اور شعبے متعین کئے۔ اس کے بعد افرو داسٹی جنسی خواہش کی علامت قرار پائی۔ رب البحر یوسایدون کہ مقامی طور پر فطیل میوں کہلاتا پانی کا ہو کر رہ گیا۔ ہر مینر کہ عہد جاہلیت میں بھیڑ بکریوں، دوسرے پالتو جانوروں اور ہر نوع کی زندگی کا سرچشمہ مانا جاتا پیش گام بنا دیا گیا۔

اسی طرح افرو داسٹی عہد جاہلیت میں درندوں کی دیوی تھی۔ زرخیزی اور پیداہش کے جانور بالخصوص ناختمہ اور بکری اس کے خاص جانور تھے۔ آثار قدیمہ کے نامور ماہر آر تھر ایونز نے مسیح سے ایک ہزار سال قبل پرانا دیوی کا مجسمہ برآمد کیا۔ جس کے سر پر ناختمہ بیٹھی تھی پوے نی آ میں جو تھی یا پانچویں صدی قبل مسیح کا مجسمہ ملا۔ جس میں دیوی ہاتھ میں عصائے اختیار لئے بنی سنوری بیٹھی ہے۔ بیجاری اس کے حضور بھیڑ اور ناختمہ لئے کھڑے ہیں۔

افرو داسٹی کو بنت البحر قرار دینے اور سمندر کی کوکھ سے جنم پانے کی کہانی ایک شعوری گوشش کا نتیجہ ہے۔ کہتے ہیں کہ جب وہ کفت کے اہنار میں سے نکلی تو رحم و کرم کی دیویاں کہ پہلے انتقام کی دیویاں تھیں۔ اور قاتلوں کو سزا دینے پر مامور، دیوی کے حضور آن کھڑی ہوئیں فائیدی ایس کے ایک فن پارے سے پتہ چلتا ہے کہ دیوی برآمد ہوئی تو کام دیواروں (کیو پید) نے خیر مقدم کیا اور پائیٹھو نے سر پر تاج رکھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ فائیدی ایس نے ہومر سے تحریک پائی۔ بہر حال ایک منظم اقدام کے تحت ذی وقار افرو داسٹی کو زمین سے بے واسطہ کیا۔ اور مادری نظام سے خارج۔

آبی ولادت سے "غسل و دوشیزگی" کی ریت پر روشنی پڑتی ہے جو دیویوں میں مروج

HAROLD - ۲

POMPEII - ۴

PHYTALMIOS - ۱

ARTHUR EVANS - ۳

PEITHO - ۵

تھی۔ پانچویں صدی ق۔ م کے شاعر اور قواعد دان کے لم آکس نے ویوی پیلیس (ایتھ اینی) کے غسل پر حدیہ گیت کہا۔ دوشیزگی کو نکھارنے کے لئے ویوی دریلے ان آکس میں ہر سال نہاتی۔ اجاتے دوشیزگی کا یہ عمل خیالی نہ تھا۔ سیاح پوسے نی آیس نے نوپلی آ میں کیئے تھس نام کا چشمہ دیکھا۔ آرگوس والوں نے بتایا کہ ہیرا ویوی ہر سال یہاں نہاتی اور دوشیزگی میں نیاپن پاتی۔ یہ مخفی رسوم کی ریت تھی۔ لوگ ہیرا ویوی کی شان میں مخفی رسوم ادا کرتے پرانے لوگ دوشیزگی کو لازوال جمالی وصف مانتے۔ اسی لئے تو افرو داسٹی کی لافانی دوشیزگی کا تصور پیدا ہوا۔ اس سے دوشیزاؤں کی تشلیت میں مرکزی درجہ حاصل رہا۔ وہ ببط پر بیٹھ کر سیر افلاک کرتی۔ ویسے فضائے بالا پر گزر رکھتے ہوئے بھی وہ حیات و حقیقت سے رشتہ رکھتی دوری ویویوں کی اصلیت تمام کر دی گئی۔ آرٹمس غیر انسانی ہونے کے باعث غیر حقیقی ہو گئی۔ ایتھ اینی ایک بے جان تجریدی ہئیت اختیار کر کے رہ گئی۔ الپس پر دھرتی ویوی دیوی ترے وے کے ایک خوبصورت استعارہ تھی۔ جب قولتے قدرت پر آدمی کا اختیار بڑھا اور سرمایہ علم میں اضافہ ہوا تو صنہیاتی ہستیاں اور پراسرار اشیاء سائنس کی نذر ہوئیں بس زندگی اور پیار کا راز باقی رہ گیا۔ یہی پیار زندگی کو جنم دیتا رہا۔ یہی پیار اور زندگی ناقابل بیاں مگر ناقابل حصول حقیقتیں ثابت ہوئیں۔ اسی لئے تو افرو داسٹی کی ہستی برقرار رہی!

البتہ پیار ویوتا اراوس نے جنم لیا تو افرو داسٹی کی دوشیزگی داغ دار ہوئی اور مان بنی تاہم حسن و جمال میں یکتا رہی۔ اصل میں افرو داسٹی عہد جاہلیت کی وہ امتگ تھی جو آکیاؤں کی آمد اور پدری نظام کے قیام پر مفتوح تو ہوئی لیکن مرنہ سکی۔

INACHUS .۲

CALLIMACHUS ۱

CANATHUS .۴

NAUPLIA .۳

PROLEGO ۵ صفحات ۳۱، ۳۱۲

۶۔ ایضاً صفحہ ۳۱۲

عظیم مقامی خواتین

دیویاں آسماں سے نہ ٹپکتیں، نہ پیڑوں سے لگتیں بلکہ انسانوں میں جنم لیتیں بغیر معمولی صلاحیت کی بدولت عظمت یاب ہوتیں اور دھرتی کی وارث بنیں۔ بزرگوں کی رو میں ان میں حولی کر آتیں۔ مادری نظام میں، جبکہ پہلے بیان ہوا عورت معاشرے کی کرتا دھرتا ہوتی۔ بچے ماں کے قبیلے سے تعلق رکھتے۔ قبائلی اہلک عورت کے قبضے اور ورثے میں آتیں۔ متصوفانہ پیراتے میں زمین عورت کی تھی۔ یہ عورتیں ہی تھیں کہ دیویاں بن جاتیں اور بچنے لگتیں۔ جس زمین پر پیدا ہوتیں اسی کا روپ تصور ہوتیں۔ پھر وہ دیویاں ظاہر ہوتی ہیں۔ جن کی ذات کے ذریعے اوائل لوگ افراط کے تصور کی پرستش کرتے، قبائلی زندگی انہی کے گرد گھومتی۔

سیاح پوسے نی ایس نے یونان بھر کا گشت کیا اور نرودور کے علاقے کھنگال کر مقامی دیویوں کا کھوج نکالا۔ یہ دیویاں پرانے کنبے قبیلوں کے لئے کافی تھیں، ہیلین پسندورا، کیسینڈرا^۲ ہی بی یاگینی مید^۳ ارطس اور گلیستو عہد جاہلیت کی مقامی بزرگ ہستیاں تھیں۔

ہرمر کی مہربانی سے ہیلین رسوائے عالم زانیہ کہلائی حالانکہ ”سپارٹا ایسے شہر میں بھتی جہاں اس کا معبد تھا۔ مجسمہ اور مقدس شجر بھی۔ سپارٹا کے علاوہ رودز میں بھی بھتی۔ ساتویں صدی کے ایک منقش کوزے سے گمان گزرتا ہے کہ ہیلین کے اغواء کی داستان بیوی اور عورت سے زیادہ دیوی کے اغواء سے تعلق رکھتی۔ نوآباد کاروں (اکیاڈوں) کا شاعر ہومر عہد

۱. اے ہسٹری آف میکس، مترجمہ پارشلے صفحات ۹۱، ۹۲ (مادری نظام کی پوری بچت کیلئے

یاب دوم سوم) مطبوعہ وی نیوا انگلش لائبریری، لندن (۱۹۶۱ء)

GANYMEDE, HEBE - ۳

CASSANDRA - ۴

RHODES - ۴

جاہلیت کی اس دختر گیتی کو فانی زعیمہ اور یکتائے حسن مانتے ہوئے بھی بد کردار سمجھتا! پارتا کے صدر مقام لاکوئی آ ۲ میں لیوک طرا کے مقام پر ایلینوں کی شہزادی کیسینڈرا شاہ پرانی ایم اور ملکہ ہیکوہا کی دختر نکہ۔ انہما کا معبد تھا۔ یہاں اس کا مجسمہ بھی تھا لوگ اسے "انسان کی مددگار" کے نام سے پکارتے اور پوجتے۔ ربّ الشمس کی مجوزہ تھی جس نے اسے پیشگوئی کا وصف عطا کیا لیکن جب شہزادی نے سرد مہری دکھائی تو دیوتا نے اس کا وصف بیکار کر دیا۔ وہ پیشگوئی تو کر لیتی لیکن اسے کوئی باور نہ کرتا۔ چنانچہ اس نے جب وطن عزیز ایلینوں کی تباہی کی خبر دی تو کسی نے یقین نہ کیا۔ ایلینوں کے سقوط پر وہ ایتھ اینی کے مجسمے سے جا چمٹی۔ یونانی زعیم آجیکس اسے وہاں سے لے آیا۔ بے حرمتی کے اس فعل پر ایتھ اینی نے اسے سخت دردناک اور مہلک سزا دی۔ گناہ سے دامن پاک کرنے کے لئے آجیکس کا قیلہ ہر سال اونچے خاندان کی متعدد کنواری لڑکیاں دیوی کے معبد میں بھیجتا تاکہ وہاں دیوتا سبیاں بن کر رہیں۔ اگر وہ معبد تک پہنچنے سے قبل علاقائی لوگوں کے ہتھے چڑھ جائیں تو ہلاک کر دی جاتیں۔

جنگ کے بعد کیسینڈرا فاتح سالار ایک آسیمینوں کے حصے میں آئی اور اسی کے ساتھ کلائی طیم تیسٹرا کے ہاتھوں قتل ہوئی۔

نئے خداؤں کی فلکی قیام گاہ (المپس) پر خوش اندام ہی بی دیوی دیوتاؤں کی سابقہ تھی۔ تصادیر میں بہت بڑا قدح لئے نظر آتی۔ فلانی اس کے لوگوں نے اس کی خالقہ بنائی وہ اسے پوجتے۔ یہ مقامی ہیروئن "پرانے وقتوں کی انتہائی پاکیزہ ہستی" گردانی جاتی ہے اس کا پہلا نام گینی مید تھا۔ اس کی خالقہ دارالاماں تھی۔ یہاں جو غلام آکر پناہ لیتے محفوظ ہو جاتے۔ رہائی کے بعد قیدی بیڑیاں اتار کر خالقہ کے پیروں سے ٹانگ دیتے۔ عہد قدیم

PROLEGO .۱ صفحہ ۳۲۲ LACONIA .۲

PROLEGO .۴ PHLIUS .۵ AJAX .۶ LEUCTRA .۳ صفحہ ۳۲۲

میں خالقائیں اور خداؤں کے مجھے جان کی امان پانے کے کام آتے! افسوس! غلاموں کی سرپرست بیسی فحی قیام گاہ پر خداؤں کی خادمہ بن کر رہ گئی۔

بیسی کی خالقہ مزاج خلقت تھی۔ آکیاؤں نے دیوی کی سرزمین فتح کرنے کے بعد خوف کے مارے اسے گزند نہ پہنچایا اور لوگوں کی تالیفِ قلوب کے لئے دیوی کو بامِ تلک پر پہنچا دیا شاید وہ گینی میدیز کی عزیزہ تھی۔ جسے اس کی خوبصورتی کے باعث ایک روایت کی رو سے خود زیوں اور دوسری روایت کی رو سے زیوں کا پرندہ (شاہین) الپس پرے گیا۔ گینی میدیز الپس کا خوب رو ساقی تھا۔

سیرا کلینز الپس پر پہنچا تو بیسی اس کی بیابانہ بنی۔ تلک نشین ہو کر بھی اس کی مقامی ہستی قائم رہی۔ ایک محدود علاقے کے قبائل بیسی کو پوجتے رہے۔ اسی طرح ارطس بھی زرخیزی کی مقامی دیوی تھی۔ کیستو کو بھی یہی حیثیت حاصل تھی۔ سیاح پوسے نے ایس نے آرکیدیا کی ایک بستی میں بڑے ٹیلے پر کیستو کی تربت دیکھی۔ یہاں شہر اور بے شہر دونوں طرح کے پیر تھے۔

کیستو کے معنی ہیں "حسین ترین" ہر دیوی اور ہیرون حسین ترین ہوتی۔ دیوی اور ہیرون کے روپ میں جو ہستی ابھرتی بے نظیر ہوتی۔ یوں ہر بار نئے رنگ میں حسن کی تجسیم و تشکیل ہوتی۔

۱۔ ایک نائک میں خداؤں کی بے حرمتی ہوتے دیکھ کر لوگ بھڑک اٹھے اور مصنف پر پل پڑے۔ مصنف بھاگ کر نائک دیو (وائی او نائی سس) کے مجھے سے لپٹ گیا اور یوں اس نے اپنی جان پائی۔

۲۔ لارڈ ٹینیسن کی تمثیل THE CUP میں مسٹر کوٹیرل کا طویل ویچاہر طس دیوی کی ہستی پر روشنی ڈالتا ہے۔ مقدس پیالہ جس سے تمثیل کی ہیرون (قائم) نے خود زہر آلود شراب پی اور فلاح سالار (ساری قوس) کو پلائی ارطس کی آتش زدہ خالقہ سے اٹھایا گیا تھا۔

اسی طرح پیندورا بھی کھوٹا سکہ نہ تھی۔ بلکہ مادری نظام کا تابدار موتی تھی۔ دھرتی دیوی تھی۔ اور سامان حیات مہیا کرتی۔ اس کی شان میں نئی رت کے پھولوں کا میلہ لگتا۔ مرواں کے نام کی قربانی دیتے۔ چنانچہ فاتحین کا طنز نگار شاعر اور ڈراما نویس ایرس طوف آئیز (۴۲۸ سے ۳۸۰ ق۔ م) کا یہ مصرعہ پیندورا کی اصلیت کا آغاز ہے۔

سب سے پہلے پیندورا کے حضور سفید لپٹم والا منیدھا قربان کروا۔

ایک یونانی مصنف فلوس طریقوں بتاتا ہے کہ کسی شخص کو بیٹی کے جہیز کی ضرورت پڑی تو اس نے پیندورا کے حضور قربانی دی اور خزانہ مانگا۔ دیوی نے التجاء قبول کی اور اسے ایک باغ میں خزانہ مل گیا۔

نئی تہذیب کے داستاں سراڈوں اور قصیدہ خالون نے دیوی کو عجیب و غریب بنا دیا۔ شاعر ہسی اور جو پرانی دیو مال کو بدلتے میں پیش پیش رہا۔ پیندورا کی کا یا پلٹنے کا ضامن ہے۔ اس نے اس تحت الارضی دیوی کو اُلپس پر پہنچایا۔ اور زیوس کی دستکاری کا ادنیٰ نمونہ بنایا۔ اسے پیندورا کی لوک کہانی اتنی پسند تھی کہ اس نے ”تھیوگ ادنیٰ“ اور ”کام اور ایام“ دونوں تالیفات میں ان کا ذکر کیا ہے۔ وہ اسے خوبصورت بلا اور عیار کا کام کہتا۔ وہ بتاتا ہے کہ آقا کروئس کے بیٹے زیوس کے کہنے پر لنگڑے دیوتا ہیفیس طس نے مٹی کا پیکر بنایا۔ سر مٹی آنکھوں والی غاتون و لنواز (ایتھ ایٹی) نے بال ستوارے پیٹی بانڈھی اور مہر و کرم کی دیویوں سے مل کر اسے سنہری چوڑیاں چڑھائیں ساعات نے اس کے دلکش گیسوؤں میں بہار کی کلیوں کے ہار سجائے دیوی نے زیبائش پر زیبائش کی۔ پھر آگس کے تامل ہر مین نے مکر و فریب اور خوشامداتہ الفاظ سے اس کی چھاتی معمور کی۔

PHILOSTRATOS .۲

ARISTOPHANES .۱

THE HOURS .۴

THAGONY .۳

ARGUS .۵ چرواہے کے سارے بدن پر آنکھیں ہی آنکھیں تھیں اسی لئے ہیرا دیوی

یہی نہیں بلکہ اسے رہنمائی کے ادب سکھائے۔ انرواؤتسی نے حسن کی دولت دی اور اپالونے موسیقی سکھائی۔ یوں خدائے برحق درعد کے ایمان پر پیندورا عرض وجود میں آئی۔ اسی نے گویائی بخشئی اور نام عطا کیا جس کے معنی ہیں مجموعہ سمالت۔ ہر دیوتا نے اسے کوئی نہ کوئی تحفہ دیا۔ دیویوں کے ہم شکل اس ولفریب پیکر کو دیکھ کر باوا زیوس تو کیا ایلپس کا ہر باسی دنگ رہ گیا۔ پھر یہ پہلی عورت زیوس کا ایسا ہتھیار بنی کہ اس کی ضرب سے پچنا آسان نہ رہا۔ پرومی تھیوس نے انسان کو آگ دی اور زیوس نے عورت، ایک نے دائمی نعمت دی دوسرے نے دائمی زحمت۔

پیندورا کی تعمیر میں مضمحل ہی اک صورت خرابی کی۔ دراصل زیوس نے پرومی تھیوس کی انسان دوستی سے بل بھن کر انسانوں کو سزا دینے کے لئے پیندورا کو جنم دیا۔ پیندورا اسراپا حسن نہ تھی۔ اس کا ظاہر جس قدر خوشنما تھا۔ باطن اسی قدر بد نما۔ فاتحین نے اس کے باطن ہی کو بدلا۔ عہد جاہلیت میں وہ نیک باطن تھی۔ عہد نبوی میں بد باطن ہو گئی۔ "اواز یوس کے مرنے پر ایلپس پر اس عظمت مآب و صرتی دیوی کے لئے جگہ نہ تھی جو بیک وقت ماں بھی تھی اور دوشیزہ بھی۔ اگرچہ وہ ابتداء سے تھی، تاہم اسے پھر سے پیدا کیا گیا۔ وہ جو نگر کو تحریک دینے والی تھی۔ ورنہ لاتے والی بن گئی۔ جو فانیوں، غیر فانیوں اور ہر شے کی یکساں طور پر جنم دیوی تھی۔ اب ان کا کھلونا بن گئی۔ کنیز ہو کر رہ گئی۔ پیکر حسین تھی۔ کنیز کے سے ناز و عشق دیکھاتی۔ پدری نظام کے اس بورڈ و آقا، زیوس کے لئے ایلپس پر پہلی عورت، پیندورا، پیدا کی جا چکا بہت برے مذاق کی شکل میں ہوا۔ اسے دیکھ کر آقا نے ننگ تے زور کا تمغہ مارا۔ پیندورا زمین سے گہرا رشتہ رکھتی۔ اسی لئے اسے زمین پر اتار دیا گیا۔ ویسے پدری نظام

تے زیوس کی ایک آواز سے نگیان مقرر کیا۔ ہر میز نے موقع پا کر آگس کو ٹھکانے لگایا۔ ہر نے اس کی ہنکھیں نوح کر موری دم پر پساں کیں جو آج تک موجود ہیں۔

نے اس سے برتری اور افضلیت چھین لی "مادری زناام نے عورت کو فریب آلود سحریاتی
 فضیلت بخشی، پدری نظام کی آمد پر ایک ایسی ناگزیر حقیقت سے پالا پڑا جو عورت کی
 نظری کمتری سے عیاں تھی۔ جب تو اناتر جنس یعنی مرد و نظریاتی اعتبار سے عورت کی سحری
 قوت سے بلند تر ہونا تو ان تر جنس یعنی عورت کو غلام بنانے اور اسے بہ نظر تحقیر دیکھنے
 کے لئے ناقابلِ عقو عملی منطق کا عامل ہوا۔"

آسمانی ہتھیاروں سے لیس کر کے زیوس نے اس سینہ کو سادہ لوح ایپی می تھیوس
 کے پاس بھیجا۔ اس کے سیانے بھائی پرومی تھیوس نے اسے خطرے سے آگاہ کیا۔ لیکن
 ایپی می تھیوس سے نہ رہا گیا۔ اس نے زیوس کا تحفہ قبول کر لیا۔ گو پیندورا دیویوں کی نسبت
 کم قامت تھی۔ تاہم بے نظیر تھی۔ گھر میں شجر ممنوعہ کے طور پر پرومی تھیوس کا ایک پر اسرار
 صندوق پڑا تھا۔ اس میں انسان کے لئے کچھ ایسی چیزیں تھیں۔ جن کی تقسیم کا ابھی وقت نہ
 آیا تھا۔ پیندور نے غلطی سے صندوق کھول دیا۔ طاعونیں، وباہیں اور طرح طرح کی کیریز
 (آفتیں) باہر نکل آئیں۔ ان میں نقرس، عرق النساء، درو، قولنج، رشک، حسد، انتقام اور
 نہ جانے کیا کیا تھا۔ پیندور نے ڈھکن بند کرنے میں عجلت کی لیکن یہ عجلت اکارت گئی
 کیریز رہا ہوئیں اور ایک انمول شے امید صندوق ہی میں رہ گئی۔ وہ دن گیا اور آج کا
 دن آیا انسان کیریز کا تختہ مشق ہے۔ بس ایک امید موہوم ہے جس کے سہارے جی
 رہا ہے۔

ایک اہم خالقہ

ایسکی پی اس (معالج دیوتا) کی خالقہ نہایت معلومات انگیز ثابت ہوئی ہے۔
 مس ہیرسین کے بقول زیم اور خدا بہیں پگھل پگھل کر گھلے ملے اور ایک ہوئے ہیں

سے زیوس ناگ کے نقش و نگار برآمد ہوئے۔ یہی سے وہ تصویر ملی جس میں زیوس تخت پر نیم دراز ہے۔ پائنتی میں اس کی ماں فیلیا (بمعنی مہربان) بیٹھی ہے۔ ایک طرف پجاری ادب سے ایستادہ ہیں۔ ماں کی موجودگی مادری نظام کے اثرات مترشح کرتی ہے اور بیٹے کے حضور پجاریوں کی آمد پداری نظام کے غلبے کی وضاحت۔ اس خالقا ہی تصویر میں گویا پیلازیوں اور آکیاؤں کے دین شیر و شکر ہو رہے ہیں۔ تھے اور پرانے نظاموں کے تانے بانے مل رہے ہیں۔ عبوری دور گزر رہا اور نئی دیومالا پر پرزے نکال رہی ہے۔

تصویر سے یہ بھی واضح ہے کہ زیوس ہنوز برق و باران کا دیوتا نہیں۔ اس میں جنم دیو کے اوصاف ہیں اور فلک کی بجائے زمین سے وابستہ ہے۔ اس کے ماتھ میں بکری کا سینگ ہے جو زرخیزی اور فراوانی کی علامت ہے۔ یوں گویا پرانی دیومالا سے سمجھوتے کی صورت پیدا ہوئی۔

مس پیرسین بتاتی ہیں کہ اسی خالقاہ میں زیوس نے ایسکلی پی اس سے سمجھوتا کیا۔ دونوں خالقاہ پر قبضہ رکھنا چاہتے۔ سمجھوتے کے بعد فریقین نے مقامی اعزازات بانٹ لئے۔ معلوم ہوا کہ لوگوں نے دو زیوس تراشے۔ ایک فلک کا زیوس جو آقائے برق و باران تھا۔ اور دوسرا زمین کا جو جنم دیو تھا۔ یہ زمینی زیوس وہ نہ تھا۔ جس نے اپنے مربی پر دمی تھیکوس سے وحشیانہ سلوک کیا اور انسانوں کو مٹایا بلکہ انسانوں پر مہربان تھا۔ یہ پیلازیوں کا زیوس تھا۔ جنہوں نے نیم دلی سے نیا نظام قبول کیا اور اس میں اپنے نظام کے اجزاء شامل کئے۔

زیوس نے ازبہ مصلحت اپنی ذات میں لچک پیدا کی۔ وہ اہل زمین سے گھلتا ملتا ان کے یہاں جا کر کھانا کھاتا۔ عورتوں سے اختلاط اور لنگ دیو کے فرائض سے عہدہ بردار

ہوتا۔ دھرتی پوجا رنگ دیو کا دین تھا۔ اس نے پیلاز جیوں کے دباؤ سے یا تالیفِ قلوب
 کی خاطر عہدِ جاہلیت کے بے نام دیومی دیوتاؤں کی خاصیت اختیار کی اور وہ ہر رنگ
 میں جلوہ گرہونے لگا۔

حرفِ آخر

ہومر ہی سیود اور مابعد کے شاعروں اور ڈرامہ نگاروں نے زمیوں، عمدہ گیتوں اور ڈراموں میں جو دیومالا پیش کی وہ پرانی دیومالا سے کہیں زیادہ مربوط، منظم اور دلآویز تھی۔ پرانی دیومالا لوک گیتوں اور کہانیوں کی شکل میں منتشر تھی۔ یہ مستند دستاویز کی صورت میں نہ پائی جاتی۔ ان میں ترسیم و اضافہ کی بڑی گنجائش تھی۔ آکیاؤں نے بکھرے ہوئے مواد کو سمیٹا، نئے افکار و نظریات کی روشنی میں اسے یکجا کیا اور اپنی دیومالا میں سمویا۔ نئی دیومالا آن واحد میں مرتب نہیں ہوئی۔ زیوس اور اس کا ذی وقار کنہہ ایک دم متبرک الپس پر نہیں پہنچا بلکہ عہد جاہلیت کے دین سحر و طلسم، عبادات اور معتقدات سے تصادم ہوا۔ ایک طویل دور کشمکش گزرا۔ گودیسیوں پر نزاری کی کیفیت طاری ہوئی لیکن پروسیوں کا مسلک باسانی رواج پذیر نہ ہوا۔ زمین پرستی کے اثرات بے پایاں تھے۔ زیوس کو ناک بنا اور زمین سے رشتہ جوڑنا پڑا۔ زیوس دھرتی مرت مٹانے آیا لیکن بیہ سخت ہڈی بن کر گلے میں اٹک گیا۔ کتنی ہی پرانی ریتیں قبول کرنی پڑیں۔

دینی ارتقائی عمل کی تحریک بڑے دلچسپ انداز سے چلی۔ آکیاؤں نے زمین کے ناقابل تسخیر خداؤں کو آسمان پر پہنچایا۔ کم قوی خداؤں کو رسوا کیا۔ انہیں بدروح، بھوت پریت، راکھش اور بلچھ بنا دیا۔ جنگ اور پیار کی طرح اس تحریک میں جائز اور ناجائز سبھی کچھ ہوا

آکیاؤں نے موقع و محل دیکھ کر کہیں تالیفِ قلوب کی کہیں سمجھوتہ کیا۔ کہیں معاندانہ اور کہیں مصالحتانہ رویہ برتا۔ انہوں نے اچھے برے سارے حربے برتے۔ جہاں اپنی کوردی دیکھی وہاں استدال کا راہ اختیار کی اور جہاں دیسیوں کو کمزور پایا وہاں شیر ہو گئے۔

مفتوحہ تہذیبِ زیوی کے عہدِ اقتدار میں بھی کامل طور پر نیست و نابود نہ ہوئی۔ وقتاً فوقتاً اس کی گونج اٹھتی اور پرانی ربتوں کے انیاء کی سعی ہوتی رہی۔ شاعر اپنی ہی پیدیزا کی جراتِ خصوصیت سے قابل ذکر ہے جو پرانے دین کا پرستار تھا۔ زمین پرستی کو فلکی دین پر ترجیح دیتا۔ اس نے جل پر یوں کی خانقاہ بنانے کا ارادہ کیا۔ نئی تہذیب کے امینوں کے لئے اس کی یہ حرکت ناقابلِ برداشت تھی۔ چنانچہ خانقاہ کی تعمیر کے دوران میں آسمان سے ندا آئی۔ ”آپسی ہی پیدیزا جل پر یوں کے لئے نہیں۔ زیوس کے لئے خانقاہ بنا!“، لیکن آپسی ہی پیدیزا کب ماننے والا تھا۔ اپنی سی کر کے رہا۔ خانقاہ بن گئی۔ پھر کریت سے تظہیر کی جو رسوم لایا

اس نے آپسی رواج دیا۔ ان میں زیوس پرستی کے اثرات نہ تھے۔

فائین جو دیو مالائے کرآتے اس کی از سر نو تشکیل ہوئی۔ اس کی تکمیل میں پرانے نظریے اور پرانی روایتیں کام آئیں۔ پیلاز جیوں کی رستیں رہیں کہ سحریاتی عبادات تھیں۔ بنیادی طور پر جوں کی توں رہیں۔ البتہ ان میں مزید سن پیدا کیا گیا۔ قربانی کی ریت، کھیلوں اور عزائی تماشوں کو بے پناہ فروغ ملا۔ شاعری، رقص، موسیقی، ڈرامہ، تھیٹر، فنِ تعمیر، کوزہ گری اور سنگتراشی نے حیرت خیز ترقی کی۔ آکیائی فن کار بے پایاں صلاحیتیں رکھتے۔ انہوں نے ڈراما، تھیٹر، رزمیہ، کوزوں، عمارتوں اور ربتوں کی شکل میں لافانی ثقافتی دولت عطا کی کم و بیش اڑھائی تین ہزار سال سے دنیا قدیم انمول خزانے سے مستفیح ہو رہی ہے۔ اگر ثقافتی قنوج کا یہ پہلو عیاں نہ ہوتا تو آکیاؤں کی شعوری برتری، نئی دیو مالائے ارتقاء اور

امتیاز کا پتہ نہ چلتا۔ انہی فتوح کے باعث ان زیادتیوں اور سختیوں پر پردے پڑ گئے جو آکیاڈن نے پیلازجیوں پر روا رکھے۔ نیز پرانی دیومالا کا جو تیا پانچہ کیا گیا اسے بھی نظر انداز کر دیا گیا۔

اگر آکیائی محض منقی قول و عمل رکھتے تو تاریخ انہیں کبھی معاف نہ کرتی۔ اپنے مثبت رویے کی وجہ سے وہ سرخرو ہوئے۔ ان کا داغ آسمان پر تھا۔ خیالوں کے ساتھ ان کے حوصلے بھی بلند تھے۔ گو دھرتی ان کے تصرف میں تھی لیکن وہ محض زرعی معیشت سے جکڑے بندھے رہنا اور زرے و ہتھکان بننا پسند نہ کرتے۔ مہم جو تھے سپاہی تھے۔ ان کے رقص، موسیقار، شاعر، سنگتراش اور نقاش بھی تیغ زن ہوتے۔ وہ یونان میں آئے لیکن یہی محصور نہ رہنا چاہتے۔ ان کے دلوں میں چین نہ لینے دیتے ہر دم بڑھتے پھیلنے کے لئے بسکل رہتے۔ ان کی آرزو تھی کہ سیردن ملک نئی نئی شاہراہیں کھلیں اور بالآخر ساری دنیا ان کی شارع عام بن جائے۔

وہ ارضی خداؤں سے کم آمیز رہے بلکہ انہوں نے بڑی حد تک ان سے قطع تعلق کیا۔ وہ نگار بلند رکھتے، اپنے خداؤں کو عزائم کے شانوں پر بٹھا کر فلک پر لے گئے۔ ان کے ڈراما نگار اس حد تک محتاط تھے کہ خداؤں کے کردار کو باقی کرداروں سے الگ رکھتے۔ خدا کبھی دائرہ رقص (آرکیسترا) میں وارد نہ ہوتے جہاں باقی کردار پارٹ ادا کرتے۔ وہ تو صرف ساز و سامان والی عمارت (سین) کی چھت پر نمودار ہوتے۔

عہد جاہلیت کی عورت کو دھرتی کا روپ سمجھا جاتا۔ وہ بعض ایسی فطری کمزوریاں لے کر پیدا ہوتی کہ سرد امر و سپر غلبہ نہ پاسکتی۔ اگر آکیائی ماں کا درجہ نہ گھٹاتے اور پدری نظام کو رواج نہ دیتے تو دنیا کو زیر و زبر کرنے کا خواب بھی نہ دیکھتے۔ یونان کی سرزمین میں قدم نہ دھرتے اور ایلینوں (طروئے) کا رخ نہ کرتے۔ پدری نظام ذہنی ارجح نہ تھا۔ اس

میں رشتہ کے تقاضے اور ایک مہم جو قوم کے دلوں کے کارفرما تھے۔ پدیری نظام کا زعمی رب
الشمس کا سپوت ہوتا۔ رب برق و برشکال (زیوس) نے بھی زعمی پیدا کئے۔

آکیاؤں کو عہدِ جاہلیت کا مہیب و سنگین دین کم ہی قبول تھا۔ انہوں نے اس
میں ترمیم و اضافہ کیا اور اپنی پسند کی چیزیں شامل کیں۔ وہ کھلندے تھے۔ انہیں تو ایسے
عبادات (ریتیں) موافق تھیں جو ہلکی پھلکی ہوتیں، ذہنی اور بدنی دونوں لحاظ سے آسودگی اور
توانائی بخشتیں۔ کھیل کے میدان، جمنیز یون (کسرت گاہیں) اور تھیٹر ان کے معبد تھے۔ انہوں نے
تفریحی عبادات کو اس قدر عام کیا اور فروغ دیا کہ قبل ازیں یونان میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

ان کا جمالیاتی ذوق اپنے پیش روؤں سے کہیں زیادہ تھا۔ ان کے حسن ترتیب سے

دیو مالانکھر سنور کر نہایت خوبصورت اکائی بن گئی۔ وہی دیوی دیوتا جو عجیب و غریب صورتیں
رکھتے۔ جن میں کوئی سانپ تھا اور کوئی پرندہ، انسان نما ہو گئے۔ آکیاؤں نے حسن کی
جہانج کے پرانے پیمانے توڑے اور نئے وضع کئے۔ نئی قدریں ابھریں۔ نیا دین ایک نیا
جمالیاتی انقلاب لایا۔ رعنائی اور خوبصورتی کا سہیل آیا۔

بے نام خداؤں کا دور تمام ہوا۔ دو دونوں کے کاہن نے از رہ مصلحت دار الکہانت کو

نئے دین کے لئے ہوار اور زیوس کو برسر اقتدار کیا۔ ادھر عہدِ نو کے شاعروں، نقاشوں،

سنگتراشوں، کوزہ گردوں، معماروں، مورخوں اور خطیبوں نے جمالیاتی انقلاب برپا کیا انہوں

نے معاشرے کے رگ و پے میں نئی حرارت دوڑائی۔ اپنے شعور کی چمک دمک سے پرانے

چہرے صیقل کئے اور نئی صورتیں تراشیں۔ انہوں نے اپنی شبیہ اور اپنے خط و خال پر

نئی دیو مالانکھی۔ اس میں پرانی تہذیب کا خام مال بھی کھپا اور نیا مواد بھی کام آیا۔ نئی

دیو مالانکھی اور تی کا بے مثل نمونہ بن گئی۔ یہ ایک دلاویز نغزل تھی۔ دلنشین گیت تھی۔

ولکش تمثیل تھی۔

تھے دین کی تخلیق کے ساتھ ساتھ فن کاروں کی ایک کھوپ پیدا ہوئی۔ حسن و جمال کی ایک نئی دنیا بیدار ہوئی۔ یونانی عظمت اور بانگین کے دلدادہ تھے۔ ان کے یہاں تو حسن و شباب کا ایک شعبہ تھا جو رب الشمس کے سپرد تھا۔

حسن و جمال کے ارتقاء کا یہ عمل بیک جنبش ابرو نہیں ہوا یہ ایک طویل اور مسلسل تہذیبی عمل تھا اور خاصا سست، ہونے ہونے چہرے صیقل ہوئے، حنا رنگ لائی اور المپس کے ایوان جگمگاتے۔

پرانے سے نئے نظام کی سمت ارتقائی سفر کرتے وقت جبلی تغیر کا حادثہ نہیں ہوا۔ جبلت کب بدلی ہے؟ سحریات و سفلیات، توہمات اور مذہب کے اثرات بجا۔ لیکن انسان کا جبلی رویہ اور رد عمل ہر دور میں یکساں رہا۔ ایک طور سے آدمی سدا اپنی جبلت کا غلام رہا اور رہے گا۔ ازل سے آدمی کی یہ اٹل تقدیر رہی کہ اس نے حملہ حفاظتی اسباب اور مدافعتی تدابیر کے باوجود خود کو بے پایاں قوتوں کے سامنے بے دست و پا پایا۔ زندگی کبھی رنج و الم سے بے نیاز نہ ہوئی۔ حادثات زمانہ پر کبھی اختیار نہ ہوا۔ خوف اور توہم نے کبھی پیچھا نہ چھوڑا، تعصب کی چنگاری کبھی نہ بجھی، ناکامی، نامرادی، مایوسی اور بے بسی کی وارداتوں سے سابقہ پڑتا ہی رہا۔ بیماری، آزادی، ضعیفی اور موت آدمی کو ڈستی ہی رہی۔ چنانچہ جب پیلاز جیوں کے بعد آکیائی آئے تو ایک زبردست انقلاب ضرور آیا۔ ماحول بدلا، معاشرہ بدلا۔ تقاضے بدلے لیکن آدمی کی کمزوریوں اور جبلت میں فرق نہ آیا۔ قدرت کی برتری بدستور قائم رہی۔ آکیاؤں نے خدا پیلاز جیوں کے خداؤں سے قوی تر نہ تھے۔ لیکن وہ حسین تر تھے۔ نام در تھے۔ فلکی تھے۔ نئے نظریوں اور تقاضوں کی پیداوار تھے۔ نئے معاشرے کے نئے موزوں تھے۔ پیلاز جی بھی اپنے خداؤں سے اتنی ہی عقیدت رکھتے جتنی عقیدت آکیائی اپنے خداؤں سے رکھتے۔ انہیں اتنا ہی بڑا جانتے

جنتا بڑا آکیائی اپنے خداؤں کو جانتے، ان سے اتنا ہی کام لیتے۔ جتنا کام آکیائی اپنے خداؤں سے لیتے۔ پھر بھی ہمارے نزدیک دیو مالاکا ارتقاء ہوا کیونکہ حسن و صداقت کے نئے پہلو سامنے آئے۔ فکر و نظر کا کینوس بڑھا اور فریب تصور میں مزید جاذبیت پیدا ہوئی۔

دینی ارتقاء کی تحریک میں پرانوں کا تعصب سب سے بڑی رکاوٹ تھا۔ زمینیں پامال کرنا، گچ گارے کے ایوان گرانا۔ سنگ و خشت کے بت اور معبد ڈھانا سہل ہے لیکن دلوں کو مسخر اور روز و شب کو یہ انداز و گہر معطر و منور کرنا۔ خیالوں میں تعمیر کئے ہوئے ایوانوں، بتوں اور معبدوں کو ڈھانا سخت دشوار ہوتا ہے۔ کیونکہ انہیں آبیائی تعصبات سہارا دیتے ہیں۔ یہ تعصبات پیلاز جیوں کے خون میں شامل تھے۔ عہد جاہلیت کے قبائل آہستی زنجیروں سے زیادہ نسلی ریتوں اور روایتوں کی گرفت میں تھے۔ تعصبات نے انہیں سخت جان بنا دیا۔ تاہم آکیائی خالی ہاتھ نہ تھے۔ پیلاز جیوں کو قدیم دینی سرمایے سے محروم کر کے وہ انہیں خلاء میں نہ پھینکتا چاہتے۔ انہوں نے اپنی وکان بہ طرز تو آر ایستہ پیراستہ کی تھی۔ وہ قدماء کو ایک دلفریب تہ دیو مالاکا اور حسین تر اسلوب زندگی دینا چاہتے تھے۔

نئی دیو مالاکا جیسے نئے شاعروں، کاہنوں اور پیغمبروں نے ترتیب دیا فلک سے تعلق رکھتی۔ زمین سے اس کا تعلق سرسری تھا۔ زمین کے خدا بھی فلکی قیام گاہ میں رہتے۔ اس دیو مالاکا کا سربراہ ربّ برق و رعد (زیوس) تھا۔ دھرتی دیوی ہیرا اس کی بیوی تھی۔ ربّ الشمس اپالوا اور ربّ البحر پوسایدون اس کے بھائی تھے۔ ایتھ اینی اس کی بیٹی تھی۔ ہی فیس طس بیٹا تھا۔ یہی خدائی کنبہ کار ساز حیات تھا۔ کائنات اسی کے تصرف میں تھی۔ اس دیو مالاکا کے پجاریوں نے دنیا کو خیال کا نیا سلسلہ دیا۔ نئی ثقافتی قدیریں اور روایتیں دیں۔ اسی کے بعد یونان میں نیا فکری سیلاب آیا۔

ایک دیو مالاکائی (کلہیتہ نہ ہی جزوا ہے) دوسری دیو مالاکائی۔ دیو مالاکا بدل دیو مالاکا

ہی تھی۔ یونان ہی نہیں، مصر جو یونانیوں کے لیے علم و دانش کی گراں مایہ اور عظیم الشان درس گاہ تھی۔ اس سے بہت پہلے (اور کم و بیش پانچ ہزار برس تک) زبردست تغیر و تبدل کی آماجگاہ بنی۔

تاریخ ، سوانح ، اسلامیات

عبدالحمیم شرر
سید علی بلگرامی
سید علی بلگرامی
مولوی عنایت اللہ دہلوی
شیخ عبدالحی محمدت دہلوی
محمد عنایت اللہ
یونس ادیب
قرنقوی
مولانا سعید احمد
مولانا نجم الدین
رحمان مذنب
علامہ داتدی
علامہ داتدی
سید ہاشم فرید آبادی
میر احسان الحق سلیمانی
عشرت رحمانی
محمد صدیق قریشی

تاریخ اسلام
تمدن عرب
تمدن ہند
عبرت نامہ اندلس
تاریخ مدینہ
اندلس کا تاریخی جغرافیہ
خلفائے راشدین
مخالف
مسلمانوں کا عروج و زوال
رسوم جاہلیت
اسلام اور جادوگری
فتوح الشام
فتوح المصر
دنیاۃ اسلام
مسلمان یورپ میں
حیاتِ جوہر
جنگِ آزادی کے مسلم شاہسیر

لُغَت ، قواعِد

محمد غیاث الدین	غیاث اللغات
مولوی نور الحق نیر	نور اللغات
امیر مینائی	امیر اللغات
مولوی کریم الدین	کریم اللغات
اثر لکھنوی	فرہنگ اثر
سید احمد دہلوی	لغات النساء
مولانا عبد الحفیظ بلیادی	مصباح اللغات
مولوی محمد نجم الغنی	بحر الفصاحی
سید غلام حسنین قدر	قواعد العروض
قمر نقوی	اردو شاعری کی آفری کتاب
ولی احمد خان	مجاورات داغ
منشی چربنجی لال	مخزن المجاورات
شہید الدین احمد	عمدہ لغات القرآن
مفتی شوکت علی فہمی	ڈکشنری مضامین القرآن

قائد اعظم، پاکستان، سیاسیات

زاہد حسین انجم
ڈاکٹر صفحہ محمود

ہمایوں ادیب
عشرت رحمانی

عشرت رحمانی
رتیس احمد جعفری

رتیس احمد جعفری

ابوالکلام آزاد / رتیس احمد جعفری

آغا شرف

آغا شرف

آغا شرف

عشرت رحمانی

ناصر نقوی

یونس ادیب

انسائیکلو پیڈیا قائد اعظم
پاکستان کی اہم سیاسی جماعتیں

صیابہ کے بعد

پاکستان سے پاکستان تک

تاریخ سیاست ملی

قائد اعظم اور ان کا عہد

خطبات قائد اعظم

آزادی ہند

پاکستان کا اسلامی پس منظر

روداد پاکستان

مرقع قائد اعظم

حیاتِ جوہر

معلوماتِ پاکستان

معلوماتِ قائد اعظم

ادب، تنقید

ڈاکٹر وحید قریشی	جدیدیت کی تلاش
ڈاکٹر انور سعید	برسبیل تنقید
ڈاکٹر انور سعید	میر انیس کی قلمرو
عطاء الحق قاسمی	بتجاہل کالماتہ
رشید امجد	یافت و دریافت
رشید امجد	رویتے اور شناختیں
پروفیسر حق نواز	اردو ادب بیسویں صدی میں
داغ دہلوی	زبان داغ
مولوی احسن اللہ خان	مکاتیب امیر مینائی
عبدالعزیز خالد	شعرا چنار
عبدالرحمن	مرآة الشعر
شبلی نعمانی	شعرا العجم اول
شبلی نعمانی	شعرا العجم دوم
مولانا محمد حسین آزاد	نگارستان فارس
مولانا محمد حسین آزاد	سخندان فارس
میرزا ادیب	بچوں کا ادب
محمد اجمل خان	ادبی خطوط
عبدالعزیز خالد	مہا بھارت کچھن مالا

سیرت النبی ﷺ

علاء ابن ہشام

سیرت ابن ہشام

سر سید احمد خان

سیرت محمدی

سید واجد رضوی

رسول میدان جنگ میں

علاء واقفی

مغازی الرسول

مولانا شبلی / احسان بی اے

سیرت النبی تلخیص

عمرو النصر

رسول عربی

حافظ ابن قیم

زاد المعاد

عشق رحمانی

معلم اخلاق

محمد جاوید امتیازی

نبی ہمارے سب سے پیارے

